بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

عصمت انبیاء

اور

عیسائیوں کا اون پر ظلم وافترا

یہ مسئلہ (عصمت انبیاء) اسوقت کے مسلمانان ہندوستان میں اتفاق کے ساتھ مسلم ہے کسی کو اسکے تسلیم میں کلام ونزاع نہیں ہے۔ ومعہذا اس مسئلہ میں بسط وتفصیل سے بحث کرنے کی اسلئے ضرورت ہوئی کہ عیسائیوں نے اس مسئلہ میں ظلم وافترا اختیار کر رکھا ہے۔ کہ تمام انبیاء کو گنہگار اور صرف حضرت مسیح کو عصمت شعار قرار دیا ہے۔ اور اپنے اس قول کاسد وزعم فاسد پر ان آیات قرآن واحادیث سے استشہاد کیا ہے جنمیں بعض انبیاء کے نسیان وخطاؤں کا ذکر کیا ہے۔ یا اونہوں نے کسر نفسی وفروتنی سے اپنے افعال خلاف اولی کو گناہ یا اپنے حسنات کو سیئات کہا ہے۔

وازاں جملہ ایک توحیدی عیسائی مسٹر اکبر مسیح مختار عدالت باندہ نے تو غضب ڈھایا ہے کہ حضرت مسیح کو تو ایک غلط وخود تجویزی معنے عصمت میں تمام انبیاء بلکہ ملائکہ کو بڑا چڑھا کر باوجود قائل نہ ہونے الوہیت مسیح کے خدائی کے درجہ سے جا ملایا ہے۔ اور باقی حضرات انبیاء کو قدیم عیسائیوں کی تقلید سے گنہگار قرار دیکر یہ بھی جتایا ہے کہ صاحب اشاعت السنتہ بھی کسی نبی یا فرشتہ کو معصوم نہیں جانتا۔

اُنکی اس مضمون کی تحریرات ایک عیسائی رسالہ کشف الحقایق بمبئی بابت ماہ مارچ ۱۸۹۶ء لغایت اکتوبر ۱۸۹۶ء میں شایع ہوئے ہیں۔ جس سے بجائے کشف اس مسئلہ اور اسکے متعلق خیالات حقہ کا اخفاء والتباس عمل میں آیا ہے۔

اس ظلم وافترا والتباس واخفاء پر عیسائیوں کو جرأت کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی اور ایک قسم کی اون کو سند و نظیر ملگئی۔ کہ بدقسمتی سے بعض گمراہ فرقے مسلمانوں کے کسی قدر عیسائیوں کے ہم صفیر ہوئے ہیں۔ عام انبیاء کو گنہگار کہنے میں خارجی انکے ساتھ ہیں اور صرف حضرت مسیح کو سہو و خطا سے معصوم کہنے میں۔ رافضی انکی نظیر ہیں جو انبیاء کے علاوہ اہلبیت کو بھی سہو و خطا سے معصوم کہتے ہیں۔ عیسائیوں نے ان دونوں مذہبوں میں اپنی کتر بیونت کرکے ایک تیسرا مذہب مرکب رفض و خروج سے پیدا کیا۔ حضرت مسیح کے سوائے تمام نبیوں کو گنہگار بنایا۔ اور باقی نبیوں کو چھوڑکر صرف حضرت مسیح کو خطا و نسیان وغیرہ سے معصوم قرار دیا۔ اور اس ترکیب و تلفیق مذہبین سے مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا اگر کسی نے انبیاء کو گنہگار کہنے پر وحشت کھاکر اعتراض کیا۔ تو خارجیوں کا مذہب و قول پیش کردیا۔ اور اگر منجملہ تمام انبیاء صرف حضرت مسیح کو معصوم سمجھنے پر تعجب کرکے اعتراض کیا۔ تو رافضیوں کا قول سنادیا۔ گو درحقیقت وہ اس مذہب مرکب و ملفق میں نہ خارجیوں کے پورے موافق ہیں۔ کیونکہ وہ مسیح کو گنہگار نہیں سمجھتے۔ اور نہ رافضیوں کے پورے موافق کیونکہ وہ حضرت مسیح کے سوا اور پیغمبروں کو معصوم نہیں جانتے۔

اس ظلم وافترا والتباس واخفاء سے عیسائیوں کی غرض یہ ہے کہ وہ یہ کہکر کہ حضرت آدم سے لے کر آنحضرت صلعم تک جتنے نبی آئے وہ سب گنہگار تھے نیکوکار و عصمت شعار صرف حضرت مسیح تھے۔ ولہذا شفیع اور منجی صرف وہی ہوسکتے ہیں نہ کوئی اور نبی۔ اہل اسلام کو دین اسلام سے اور دیگر اہل ادیان کو اونکے ادیان سے ہٹادیں۔ اور ان کو عیسائی بنادیں۔

اسی غرض سے مسٹر اکبر مسیح نے اس خاکسار خادم المسلمین کو بحث عصمت مسیح میں اپنا مخاطب کیا۔ اور در صورت ثابت ہو جانے عصمت مسیح کے عیسائیت کیطرف مدعو کیا ہے۔ چنانچہ اس غرض کا اظہار اُنہوں نے اپنے خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں کیا ہے جو کشف نمبر ۳ جلد ۲ میں بصفحہ ۴۶ وغیرہ درج ہوا ہے۔

لہذا ضرورت پیش آئی کہ اس مسئلہ کی حقیقت عیسائیوں اور اُن ناواقف مسلمانوں پر جو اُن تحریرات کو دیکھ کر دھوکھ کھا چکے ہیں کھول جائے۔ اور اس سے اُن پر منکشف ہو کہ عصمت انبیاء کی حقیقت اور صحیح معنے کیا ہیں اور ان معنے کر سبھی انبیاء معصوم ہیں اور ان معنے عصمت انبیاء کے تسلیم کرنے میں اسوقت کے کسی مسلمان ہندوستان کو کلام نہیں ہے۔ اور جن آیات واحادیث سے مسٹر اکبر مسیح و دیگر عیسائی دوسرے نبیونکا گنہگار ہونا نکالتے ہیں۔ اُنسے انکا گنہگار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور حضرت مسیح کو معنے صحیح عصمت سے کوئی خصوصیّت نہیں ہے۔ اسمیں خصوصیت و ترجیح کی طرف نظر کیجاتی ہے اور قرآن مجید و موجودہ انجیل کی شہادت لیجاتی ہے تو حضرت سید الاولین والآخرین ختم المرسلین کو حضرت مسیح پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ و بس۔

ایک امر اس مضمون کے لکھنے کا باعث و محرک یہ بھی ہے کہ عنقریب ہم مضمون اثبات نبوت جو کشف ۸۱ وغیرہ سے ناتمام چلا آتا ہے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ اس مضمون میں اس بحث عصمت انبیاء کی سخت ضرورت ہے۔ لہذا اس بحث کو ہم یہاں پوری کرینگے تو گویا ایک بڑی جزء مضمون اثبات نبوت سے فارغ ہو جائینگے وباللہ التوفیق۔

اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل پرانی اسلامی کتب عقائد و کلام (فقہ اکبر امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ۔ شرح مواقف و شرح مقاصد و کتب تفاسیر (تفسیر کبیر وغیرہ) میں بخوبی ہو چکی ہے۔ اسمقام میں ہم ان ہی کتابوں کا خلاصہ مطالب بیان کرنا کافی سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کشف الحقائق کو جو تحریرات مسٹر اکبر مسیح کو دیکھ کر

وہو کا کھا چکے ہیں معلوم ہو کہ اس مسئلہ میں جو صاحب اشاعت السنۃ کا خیال و مقال ہے وہ قدیم اہل اسلام کا خیال ہے۔ اور اسبات میں رد مقالات عیسائیوں کے لئے صاحب اشاعت السنۃ کو از خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ عیسائیوں وغیرہ مخالفین نے عصمت انبیاء کے برخلاف کہا ہے اوس کو اہل اسلام قدیم رد کر چکے ہیں۔

قبل از بیان اقوال موافقین و مخالفین و رد اقوال و دلائل مخالفین ایک تمہید ضروری ہے جسمیں حقیقت و معنے صحیح عصمت کا بیان ہو اور اہل تحقیق نکتہ رس پر اس تمہید سے منکشف ہو کہ صحیح معنے عصمت کے وہی ہیں جو ہم اہل اسلام بیان کرتے ہیں نہ وہ جو عیسائی گھڑتے اور حضرت مسیح کی نسبت اسکا ادعا کرتے ہیں۔

شرح مواقف میں ہے۔ کہ چھٹا مقصد کتاب حقیقت عصمت کے بیان میں ہے،

المقصد السادس فی حقیقۃ العصمۃ و هو عندنا على ما يقتضيه اصلنا من استناد الاشيا كلها الى الفاعل المختار ابدا ان لا يخلق الله فيهم ذنبا وهی عند الحكماء بناء على ما ذهبوا اليه من القول بالايجاب واعتبار استعداد القوابل ملكة تمنع الفجور وتحصل هذه الصفة ابتداء بالعلم بمثالب المعاصی ومناقب الطاعات فانه الزاجر عن المعصية والداعی الى الطاعة وتتأكد وتترسخ هذه الصفة بتتابع الوحی اليهم بالاوامر الداعية الى ما ينبغی والنواهی

وہ ہم اہل اسلام کے نزدیک جو تمام چیزوں کے فاعل بالاختیار کے سے سرزد ہونیکے قایل ہیں یہ ہے کہ خدا تعالے انمیں گناہ پیدا نہ کرے یعنے سرزد نہونے دے۔ اور حکماء فلاسفہ کے نزدیک جو اشیاء کا فاعل سے سرزد ہونا بسبب استعداد و تقاضا محل ضروری غیر اختیاری سمجھتے ہیں۔ عصمت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ معصوم میں ایک قدرتی طاقت ہوتی ہے۔ جو نافرمانی سے روکتی ہے یہ صفت ابتدا میں تو گناہ کی برائی اور فرمانبرداری کی تعریف سنکر ایک حالت سی ہوتی ہے۔ مگر وہ وحی کی (جو امر نہی لاتی ہے)

الزاجرة عما لا ینبغی والاعتراض علی ما یصدر عنہم من الصغائر سہواً او عمداً عند من یجوز تعمدها ومن ترك الاولی والافضل فان الصفات النفسانیة تکون فی ابتداء حصولها احوالاً ای غیر راسخة ثم تصیر ملکات ای راسخة فی محلها بالتدریج وقال قوم العصمة تکون خاصیة فی نفس الشخص او فی بدنه یمتنع بسببها صدور الذنب عنه ویکذبہ ای هذا القول انه لو کان صدور الذنب کذلك ای ممتنعاً لما استحق المدح بذلك ای بترك الذنب اذ لا مدح ولا ثواب بترك ما هو ممتنع لانه لیس مقدوراً داخلاً تحت الاختیار۔

وایضاً فالاجماع منعقد علی انهم ای الانبیاء مکلفون بترك الذنوب مثابون بالطاعة ولو کان الذنب ممتنعاً لما کان الامر کذلك اذ لا تکلیف بترك الممتنع ولا ثواب علیه

وایضاً قوله انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ یدل علی مماثلتهم لسائر

پے درپے آنے سے اور جو اُن حضرات سے بھول چوک ہوجائے یا بقول بعض عمداً چھوٹے گناہ سرزد ہوں یا امور افضل و اولےٰ ترک ہو جائیں۔ اُسپر اعتراض وارد ہونے سے پختہ و مستحکم طاقت ہو جاتی ہے۔

ایک قوم (یعنے حکماء) حقیقت عصمت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی شخص کی ذات یا بدن میں ایک ایسی طاقت ہے جسکی وجہ سے وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ اور صدور گناہ اس سے محال و ناممکن ہوتا ہے مثل جیسی ہیجڑے یا مخنث کا ہم بستری عورت پر قادر نہ ہونا، اس قول کو یہ امر جھٹلا رہا ہے کہ اگر معصوم سے گناہ کا سرزد ہونا محال ہوتا اور وہ اُسپر قادر ہی نہ ہوتا تو وہ گناہ کو ترک کرنے کے سبب تعریف کا مستحق نہ ہوتا۔ کیونکہ جو امر کسی کی قدرت میں داخل نہیں ہوتا اُسکا ترک کرنا اُسکے لئے موجب تعریف نہیں ہوتا حالانکہ انبیاء علیہم السلام باتفاق اہل ملل ترک گناہ پر مستحق تعریف و اجر ہیں اور اس امر سے وہ مامور و مکلف ہیں (نیز یہ قول خداوندی کہ اے رسول تم کہدے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں

الناس فیما یرجع الی البشریة والامتیاز بالوحی لا غیر فلا یمتنع صدور الذنب عن سائر البشر ۔ (شرح مواقف ۶۹۹ مطبع لکھنو	فرق صرف یہ ہے کہ میری طرف وحی ہوتی ہے بتا رہا ہے کہ انبیا امور بشری (خطا ونسیان وغیرہ) میں اور لوگوں کی مانند ہیں۔ انکو امتیاز صرف وحی الہی سے ہے نہ امور بشری میں لہذا کسی بشر سے گناہ سرزد ہونا محال نہیں ہے۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے لوگوں نے حقیقت عصمت کے بیان میں اختلاف کیا ہے بعض لوگوں (حکماء وغیرہ گمراہ مراد ہیں) کا قول ہے کہ وہ محض فضل خداوندی ہے جس میں

اختلف الناس فی کیفیة العصمة فقال بعضهم هی محض فضل الله تعالی بحیث لا اختیار للعبد فیه وذلک انما بجعلهم علی طبع یخالف غیرهم بحیث لا یمیلون الی المعصیة ولا ینفرون عن الطاعة کطبع الملائکة او بصرف همتهم عن السیئات وجذبهم الی الطاعات جبرا من الله بعد ان اودع فی طبائعهم ما فی طبائع البشر وقال بعضهم العصمة فضل من الله ولطفه ولکن علی وجه یبقی اختیارهم بعد العصمة فی الاقدام علی الطاعة والامتناع عن المعصیة ۔ والیه مال الشیخ ابو المنصور الماتریدی حیث قال العصمة لا تزیل	بندہ کا کچھ دخل و اختیار نہیں ہے۔ اون کے نزدیک اوسکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خدا نے انکی طبیعت ہی عام لوگوں کے برخلاف ایسی بنائی ہے کہ وہ گناہ کی طرف رغبت اور طاعت سے نفرت ہی نہیں کرتے۔ جیسے ملائکہ کی طبیعت ہی (دوسری صورت) یہ ہے کہ انکی طبیعت تو عام لوگوں کی طرح گناہ کی طرف میلان کرتی ہے۔ مگر خدا تعالے انکو جبرا بغیر انکے اختیار کے گناہ سے روک لیتا ہے۔ ایک قوم (راہند مسلمان) کہتے ہیں کہ عصمت بیشک خدا کا فضل و لطف ہے مگر نہ مجبور کر کے۔ بلکہ ایسے طور پر کہ بعد اوس فضل و لطف کے بندوں کا اختیار بھی رہے کہ وہ اپنے ارادہ و مرضی سے طاعت کی طرف متوجہ ہوئے اور گناہ سے رک جائیں۔ اسی قول کی طرف

المحنة ای الابتلاء والامتحان یعنی لا تجبرہ علی الطاعت ولا تعجزہ عن المعصیة بل ھی لطف من اللہ یحملہ علی فعل الخیر ویزجرہ عن الشر مع بقاء الاختیار (شرح فقہ اکبر ۷۴ طبع دہلی)

شیخ ابو المنصور ماتریدی مائل ہوئے ہیں جن کا مذہب وہ فرما گئے ہیں کہ عصمت امتحان و آزمائش کو دور نہیں کرتی یعنی وہ طاعت پر مجبور اور گناہ سے عاجز نہیں کرتی بلکہ وہ ایسا لطف و فضل خداوندی ہے کہ وہ خیر کی رغبت اور برائی سے نفرت دلاتا ہے۔ باوجودیکہ انکا اختیار باقی رہتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ عصمت کے

والعصمة لها اسباب ثلثة ان یخلق الانسان نقیا عن الشهوات الرذیلة سیما لاسیما فیما یرجع الی محافظة الحدود الشرعیة وان یوحی الیه حسن الحسن وقبح القبیح ومآل هما وان یحول الله بینه وبینما یرید من الشهوات الرذیلة (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۷۸)

تین ذریعہ و وسیلہ ہیں (یعنے جن تینوں سے یا کسی ایک سے عصمت حاصل ہوتی ہے) ایک یہ کہ انسان کی فطرت ہی رذیل خواہشوں سے مبرا ہو کہ ادھر میل ہو کوئی اسکو خواہش پیدا ہو تو وہ حوصلہ کرلے اور سنبھل جائے خاصکر ان امور میں جو محافظت حدود شرعیہ کے متعلق ہو۔ دوسری وحی الٰہی جس سے اسکو حسن و قبح معلوم ہو تیسری توفیق الٰہی و فضل غیبی جو بری خواہشوں میں جو بمقتضائے بشریت پیدا ہوں آڑ ہو جاوے

اس بیان حقیقت عصمت کو جو عقل سلیم اور قرآن کریم سے مستند ہے۔ اہل اسلام تو مان لینگے اور اس سے وہ یہ سمجھ جائیں گے۔ کہ نبیوں کے معصوم ہونے کے صحیح معنے یہی ہیں کہ وہ خدا کی تائید غیبی سے اور اس فضل وہبی کی مدد سے (جسکو وحی کہا جاتا ہے) دیدہ و دانستہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ اور اگر ان کے دل میں گناہ کا خیال یا خطرہ وارد ہوتا تھا۔ تو وہ خدا کے فضل اور وحی کی مدد سے اس خطرہ کو دور کرکے اس گناہ

؎ یہ ایک نادر کتاب ہے۔ مسائل پر خوب عقلی بحث کی ہے۔ اس کا مکمل اردو ترجمہ اسلامیہ پریس میں چھپ رہا ہے حجم پانچسو صفحہ کلاں سے زیادہ ہوگا۔ قیمت عہ درخواستیں مہتمم مطبع کے پاس بھیجی جائیں۔

سے رُک جاتے تھے۔ اور یہ خطور وخیال گناہ اون کی عصمت کے مخالف نہ تھا۔ بلکہ اس خطرہ کا واقعہ ہونا اور اُن حضرات کا اوسکو ہٹا دینا عین سوید ومحقق معنے عصمت ہوتا تھا۔ اور اگر اون سے بتقاضائے بشریت بھول چوک ہوجاتی تھی تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے تھے۔ اس بھول پر نہ خود قایم رہتے تھے اور نہ اُن کے پیرو اوس بھول میں اُنکی پیروی کرتے تھے۔ اور جو مخلوق اس قسم کا دل یا بناوٹ وطبیعت رکھتے ہیں کہ گناہ کا اُسمیں خطور رہی نہ ہو اور طاعت اُنکے لئے ایک فطرتی وقدرتی وغیر اختیاری امر ہو (جیسے ملائکہ) وہ اس اصطلاح علماء کے روسے معصوم کھلانے کے مستحق نہیں۔ گو عرف عام میں اُن کو اُن کی ظاہری وغیر اختیاری فرمانبرداری کی نظر سے جو فرمانبرداری نبی معصوم کی صورت میں مشابہ ہے معصوم کہا جاتا ہے۔

عیسائی بھی عقل وانصاف سے کچھ کام لیں اور اپنے اصول مسلمہ کیطرف فہم وانصاف سے رجوع کریں۔ تو اُنکو بھی یہ حقیقت ومعنے عصمت ماننے پڑیں۔

تثلیثی عیسائیوں کے یہ اصول* مسلمہ ہیں کہ حضرت عیسے مسیح باوجود خدا ہونے کے ایک انسان تھے۔ اور تمام انسانوں کی مانند لوازم بشریت (کھانا۔ پینا۔ سونا۔ تھکنا۔ بول براز کرنا۔ عاجز ہونا۔ دماغی اور ذہنی قوے وطاقتوں میں اَور انسانوں کی طرح اکتساب وترقی کرنا وغیرہ) انمیں موجود تھے۔ اور ان لوازم بشریت کا یہ لازمہ ہے کہ حضرت مسیح سے بھی صدور خطا ممکن تھا۔ اور اُنکے دل ودماغ میں برائی کا خطور ہوتا ہوگا۔ جسکو اُنہوں نے محض فضل خدا سے رفع کیا۔ اور اگر اُنکے دل و دماغ کی بناوٹ ہی ایسی تھی جسمیں برائی کا خطور ممکن نہ تھا (جیسے ملائکہ کا حال ہے) تو پھر کیوں اُنکو انسانی لوازم کا محل تسلیم کیا جاتا ہے۔

* عیسائیونکا قول ہے کہ مسیح ہماری مثل چھوٹے سے بڑا ہوا۔ اُسنے قوائے ذہنی وجسمانی میں مثل ہماری ترقی کی جو ہماری مثل سوتا تھا۔ کھاتا تھا۔ تھکتا تھا۔ وہ قوائے دماغی اور بدنی کے لحاظ سے نوع انسانی سے الگ نہ تھا (عیسائیون کا رسالہ کشف نمبر (۹) جلد (۲) صفحہ ۱۳۱)

توحیدی عیسائی مسٹر اکبر مسیح وغیرہ تو صاف مان چکے ہیں* کہ مسیح میں عصیان وگناہ کا امکان تھا۔" اس امکان کی نظر سے صدور خطا و نسیان حضرت مسیح سے بنظر ان کی بشریت کے جائز ہوا۔ پھر فضل الٰہی اور وحی کی مدد و برکت سے اس سے بچ جانا اور در صورت صدور خطا اسکا تدارک (متنبہ کیا جانا) عمل میں آنا ضرور ہوا۔ اور یہی حقیقت عصمت ہے جس کی نظر سے جملہ انبیاء معصوم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور یہی معنے عصمت کے ہم اپنی تحریرات میں جو کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ میں مشتہر ہوئی ہیں بیان کر چکے ہیں۔

عیسائی (تثلیثی خواہ توحیدی) جو اس امر ممکن کے مسیح سے نفی کرتے ہیں۔ اور یہ دعوے کرتے ہیں کہ حضرت مسیح سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی۔ تو وہ باوجودیکہ اس نفی و دعوے میں اپنے اصول و اقوال مسلمہ مذکورہ بالا کا خلاف کرتے ہیں۔ اس دعوے کو کسی دلیل سے مستند نہیں کرتے۔ اور کوئی دلیل عقلی (قرآن یا انجیل سے) یا عقلی ایسی پیش نہیں کرتے جسکو اہل عقل تسلیم کریں۔ تثلیثی عیسائی تو صرف ایک یہ وہمی و خیالی دلیل پیش کرتے ہیں* کہ مسیح میں جو انسانیت کے علاوہ الوہیت تھی وہ اسکی انسانیت کی خطا سے

* امکان گناہ اور نافرمانی کا ہر دو (مسیح و آدم) کیلئے ممکن تھا۔ فعل مختار ہر دو تھے۔ دو تو معصوم رہ سکتے تھے۔ دونو عاصی ہو سکتے تھے۔ مگر ایک نافرمان ہو گیا دوسرا نہیں ایک کو اللہ نے قربت سے دور کیا۔ اور کہا اِهْبِطَا مِنْهَا۔ ایک کو اپنے تقرب میں لے لیا۔ اور کہا سرافعت الی۔ (خط مسٹر اکبر مسیح مرقومہ ۷ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ نمبر ۶ ج ۲ ص ۹ کشف) اس اقتباس میں مسٹر اکبر مسیح نے حضرت آدم پر ظلم کیا۔ انکی حالت مابعد کا جسکا آیت ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدے میں ذکر ہے لحاظ کرکے اوس کی نقل کرنے سے اغماض کیا۔

* ایک عیسائی کہتا ہے کہ مسیح کو دل پر گناہ محسوس نہیں ہوا × × اوسکے دل میں گناہ کا جذبہ ورثہ نہ تھا۔ پس مسیح کے دماغ اور مسیح کے دل میں کونسی چیز تھی۔ جس نے اسکی انسانیت کو گناہوں سے پاک رکھا۔ کیا اسکی عقل نے؟ نہیں۔ کیا اوسکی خاندانی تعلیم اور تربیت نے؟ نہیں؟ کیا فیض الٰہی نے؟ نہیں کیا۔ اسکی بقیہ حاشیہ بر صفحہ (۱۱)

محافظ ہوئی۔ ناظرین کے اس خیالی دلیل پر ایک یہہ سخت ولاجواب اعتراض وارد ہوتا ہے۔ ثبت العرش ثم انقش پہلے چھت بناؤ پھر اوسپر نقش ونگار کی ہوس کرو یعنے پہلے حضرت مسیح کا جو بقول تمہارے کھانا۔ پیتا۔ بول وبراز کرتا تھا۔ خدا ہونا ثابت کرو پھر اوسکی خدائی کے محافظ خطا ہونے کا دعوے کرو۔ اور یہ امر نہ آجتک صدہا برس سے ہوا اور نہ آیندہ ہوگا۔ اہل اسلام کو نہ سہی اپنے عیسائی بھائیوں یونی ٹیرین (توحیدی عیسائیوں) مسٹر اکبر مسیح وغیرہ کو ہی مسیح کا خدا ہونا سمجھا دو۔ اور مسٹر اکبر مسیح کے رسالہ تنقیح الوہیت مسیح وغیرہ کا جواب لکھو۔ پھر اس خیالی دلیل کو کسی مسلمان کے سامنے پیش کرو۔

دوسرا اعتراض یہ کہ وہ فرضی خدائی مسیح کی ایک وصف انسانی خطا سے اوسکی محافظ ہوئی۔ باقی اوصاف انسانی کھانے پینے دشمن کے ہاتھ میں پکڑے جانے و بقول تمہارے صلیب پر مارے جانے سے (جسکو وہ دل سے نہ چاہتا تھا اور ایلی ایلی لما سبقتنی پکارتا ہوا مارا گیا) محافظ کیوں نہ ہوئے تاکہ وہ بلا مزاحمت واشتباہ خدا تسلیم کیا جاتا۔

اسکے جواب میں اگر کہو کہ کھانا۔ پینا۔ وغیرہ صفات انسانی کمال ہیں۔ نہ عیب اور صلیب پر مسیح کا مارا جانا تو عین حکمت اور عدالت خداوندی کی جمعیت بخلاف خطا انسانی کہ وہ عیب موجب مذمت ہے۔ لہذا اس خطا سے مسیح کی محافظت ضروری تھی۔ نہ کھانے پینے یا صلیب پر مارے جانے سے تو اوسپر دو سخت اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰) انسانیت میں الوہیت نے حلول کیا تھا۔؟ نہیں اسکی انسانیت کی سطح کے نیچے اسکی الوہیت تھی جس سے وہ گناہوں سے پاک رہا (عیسائیوں کا رسالہ کشف نمبر ۹ جلد ۲ صفحہ ۱۳) یہاں مؤلف کشف پر یہ امر منکشف ہوا کہ جس حلول الوہیت سے فقرہ سابق میں اُنہوں نے نفی کی تھی۔ فقرہ لاحق اور آخری میں اسکا اثبات کر دیا۔ فرق توصرف یہ ہے کہ پہلے حلول منفی میں حلول سریانی مراد رکھا ہوگا۔ جیسا کہ گلاب کے پھول میں رنگ کا حلول ہوتا ہے دوسری حلول مثبت میں حلول طرانی جیسا کہ نیچے والی چیز کا اوپر والی کے سطح میں ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی نسبت جیسا حلول سریانی محال ہے ویسا ہی طرانی محال۔ الحق یہ لوگ معقولات میں دخل تو دیتے ہیں مگر حقیقتاً دخل نہیں رکھتے۔

اوّل یہ کہ اگر کوئی انسان بغیر کھانے پینے کے جئے اور نشو و نما پائے تو زیادہ صاحب کمال و صاحب معجزہ کہلاوے*۔

دوم۔ خطا تو ایسا عیب ہے کہ اگر اُسپر قیام و اصرار نہ ہو۔ اور اس سے توبہ و رجوع عمل میں آوے تو قابل معافی ہے۔ اور اسپر کوئی مواخذہ و ملامت نہیں۔ اور گناہونکی سزا پانا تو سخت عیب ہے۔ جو گناہونکا عطر اور پھل و نتیجہ ہے۔ خصوصاً وہ سزا جو اصل گنہگار کو چھوڑ کر بجائے اُسکے کسی ناکردہ گناہ کو ملجائے اسمیں حکمت اور عدل و رحمت کی جمیعت متصور نہیں بلکہ سفاہت ہے۔ اور عدل و رحمت دونوں کی مخالفت عدل کی مخالفت تو اسلئے ہے کہ اصل گنہگار بلا انتقام و سزا چھوڑا گیا۔ رحمت کی مخالفت اسلئے ہے کہ گنہگار کے بدلے ایک بے گناہ و بلا جرم پکڑا گیا۔ اور وہ مقولہ صادق آیا کہ "کرے مونچھوں والا پکڑا جائے ڈاڑھی والا" اس اجمال کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہمارا مضمون "قرآن کی اخلاقی تعلیم بمقابلہ انجیل" اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۱۶ میں ملاحظہ کرو۔ اور حضرت مسیح کا گنہگاروں کے بدلے سزا بھگتنا تو اس ناانصافی و بے رحمی و سختی سے بیان ہوا ہے۔ کہ وہ اُنکی شان نبوت و عصمت کے برخلاف ہے۔ چہ جائے الوہیت پس کمال تعجب ہے۔ کہ آپکی الوہیت ایسی بری سزا سے انکی محافظ نہ بنی اور صرف ایسے خطا سے جسکی کوئی سزا نہ ہو محافظ ہونے کو دوڑی اور اس مثل عربی کی مصداق ٹھہری فرّ من المطر وقام تحت المیزاب توحیدی عیسائی مسٹر اکبر مسیح وغیرہ مسیح کو خدا نہیں کہتے صرف انسان مانتے ہیں۔ اسلئے وہ اس خیالی دلیل عیسائیوں سے ہاتھ نہیں مار سکے۔ بلکہ بجائے کسی دلیل پیش کرنے کے وہ صرف دعاوی خمسہ مفصلہ ذیل کے مدعی اور اُسپر مکتفی ہوئے ہیں۔

اوّل عصمت انسان کا فطرتی خاصہ ہے جسکے واسطے انسان بنایا گیا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ تین) دوم۔ یہ عصمت انسان کا

* جیسے اہل اسلام کے نزدیک حضرت عزیر کا سو برس زندہ رہنا اور اصحاب کہف کا تین سو برس۔

کمال نوعی ہے ان اللہ اراد بہ ان یصیر خلیفۃ فی الارض یبلغ الی کمالہ النوعی۔ (تاویل الاحادیث شاہ ولی اللہ صاحب) سوم۔ یہ کمال نوعی اول حضرت آدم کو ان کی ابتدار حالت میں حاصل ہوا۔ تو خدا تعالے نے اونکو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور فرشتوں کو اوسکی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ۔ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین۔ اسوقت تک آدم سے خطا ونسیان کا مرتکب نہوا تھا۔ چہارم۔ اسکے بعد وہ نافرمان ہوا تو وہ کمال نوعی اس سے چھینا گیا۔ پھر اوسکی نسل کے تمام انبیاؑ میں مفقود ومسلوب چلا آیا۔ پنجم آخر وہ کمال نوعی حضرت مسیح کو دیا گیا جو آدم ثانی تھا۔ اور اوس کمال نوعی پر پہنچنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

یہ مسٹر اکبر مسیح کی اس کلام کا خلاصہ مع تشریح ہے جو خط ۷۔ جنوری ۱۸۹۶ء میں اونہوں نے کہا ہے۔ اور وہ کشف نمبر ۶ جلد ۲ کے صفحہ ۹۶-۹۷ میں مشتہر ہوا ہے۔ اور اس سے پہلے خط ۲۸۔ نومبر ۱۸۹۶ء میں (جو کشف نمبر ۵ جلد ۲ کے صفحہ ۷۴ میں درج ہوا ہے) اُنھوں نے مسیح کی عصمت کی یہ غلط اور خود تجویزی معنے بیان کئے ہیں۔ کہ ان سے نہ خطا ہوئی نہ نسیان نہ وہ کسی ذنب کے مرتکب ہوئے نہ ترک اولے کی ہر ایک لغزش سے وہ پاک تھے۔

ان دعاوی خمسہ میں سے دعوے اول لغایت سوم میں جنمیں وہ قرآن اور قرآن والوں کے اقوال سے مقتبس ومتمسک ہوئے ہیں۔ اسی قرآن کی برکت سے ثابت قدم رہے۔ اور ٹھیک بولے۔ مگر دعوے چہارم وپنجم میں جو علیسائیت پر مبنی اور اس سے ماخوذ تھی ہم اُسی عیسائیت کی تاثیر سے لغزش کھا گئے۔ وہ دعوے چہارم وپنجم کے وقت اس امر کو بھول گئے۔ کہ وہ حضرت آدم کے لئے اس کمال نوعی کا حصول تسلیم کرکے اُن کو خلیفہ بتا چکے اور اُسپر قرآن کی آیت اور شاہ ولی اللہ صاحب کا قول سند لاچکے ہیں پھر اُسکے برخلاف کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ جس کمال نوعی پر پہنچنے کے لئے انسان پیدا کیا گیا تھا

اس کمال تک صرف مسیح پہنچا۔ اور یہ بات بھی وہ بھول گئے کہ اس کمال نوعی تک حضرت آدم کا پہنچ جانا اور اسوجہ سے خلیفہ و مسجود ملائکہ ہو جانا وہ مان چکے ہیں۔ اور صرف شجرہ ممنوعہ سے کھا لینے کے سبب اس کمال نوعی کا اُن سے چھینا جانا۔ اور منصب خلافت و پیغمبری سے اُنکا اتارا جانا نہ بیبل میں مذکور ہے نہ قرآن میں مسطور۔ پھر وہ کس سند و دلیل سے دعوے پیش کرتے ہیں کہ اس خطا کے سبب جو اُنسے ہوئے وہ کمال نوعی اُن سے چھینا گیا۔ اور ان کی اسامی پر اُن کی تمام اولاد سے آخر مسیح (فل آپ (بھرتی) ہوا۔

• یہ بات بھی وہ خیال میں نہیں لاسکے کہ شجرہ ممنوعہ سے کھا لینا اُنکے نزدیک ایسا ہی گناہ کبیرہ و جرم سنگین و ناقابل معافی و نالائق ضمانت و شفاعت ہے کہ اوس کے سبب وہ کمال نوعی آدم اور اوسکے تمام ذریات سے نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن مسلوب چلا آیا۔ اور اوسکا اثر نسل آدم میں موروث ہو گیا۔ کوئی بھی نسل آدم سے اسکے اثر بد سے بچ نہ سکا تو پھر حضرت مسیح جو بقول مسٹر اکبر مسیح صرف ابن آدم تھے نہ خدا اوس ابائی ورثہ اور جرم موروث کے اثر جو جدا مجد حضرت مسیح یعنے حضرت داؤد تک متوارث چلا آیا تھا کیونکر بچ گئے۔ اور خطاء آدم[۱] خطاءت ذریت کے احاطہ میں کیوں شامل نہوئے

ان اعتراضات و مواخذہ کے جواب میں شاید مسٹر اکبر مسیح یہ کہیں کہ حضرت آدم اور اُنکے ذریات کے اس کمال نوعی سے معزول و محروم و صرف حضرت مسیح کو وارث ہونیکا سر عقلی اور علم فلسفی ہم نہیں جانتے اور نہ بتا سکتے ہیں۔ ہم صرف نقلی شہادت قرآن اور انجیل سے یہ دعوے کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ آیات قرآن و احادیث جو منصوص ناطق ہیں ہم اپنے خط ۷ جنوری ۱۸۹۶ء میں نقل کر چکے ہیں اور آیات انجیل پیش کرنے کو حاضر و تیار ہیں۔ تو اوسکا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں تو آپ کے اعتقاد کا نام و نشان نہیں۔ انکا ایک لفظ ایک حرف اسپر شاہد و ناطق نہیں۔ چنانچہ آپ کو اور ناظرین کو عنقریب ہماری ابحاث آئندہ سے روز روشن کی طرح معلوم ہو جائیگا۔ رہی انجیل سو جب آپ اُسکو

[۱] یہ حدیث نبوی کا ہے جس پر انجیل بھی شاہد ہے دیکھو صفحہ ۴۹ و صفحہ ۲۳۲

پیش کرینگے۔ ہم اس میں نظر کرینگے۔ اور دیکھینگے کہ وہ آپکے دعوے کی کہانتک مصدق ہے جہانتک ہمنے خود انجیل دیکھی اور پڑہی ہے اوس میں یہی*پایا کہ انجیلی مسیح کی زندگی خطاؤں میں بسر ہوئی۔ اس کی تعلیم خطاؤں سے پُرہے اوس کے معجزات خطاؤنکا مجمع ہیں۔ ومہذا قرآنی مسیح ہم اہل اسلام کی نگاہوں میں معصوم ہیں۔ اور اس تعظیم و تکریم سے دیکھے جاتے ہیں جس تعظیم سے دوسرے انبیار۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ یہہ بات بھی ناظرین ہماری ابحاث آئندہ سے واضح ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ۔

بالجملہ حقیقت و معنے عصمت کے بیان میں اور مسیح کے لئے اُسکے اثبات اور دوسرے انبیار سے اوسکی نفی کرنے میں جو کچھ عیسائیوں نے کہاہے وہ دعاوی فارغہ وخیالات باطلہ ہیں جو خود اون کے اصول ومسلمات اتفاقیہ کے برخلاف ہیں۔ اور حق لایق تلقی القبول یہی ہے جو اہل اسلام نے اختیار کر رکھاہے۔ اور وہ اوپر بیان ہواہے۔

تمہید ختم ہوئی اب ہم اس **عصمت** کے متعلق خیالات ومقالات اہل اسلام ومخالفین اسلام بیان کرتے ہیں۔ و از انجملہ قول حق کی تائید و احقاق و قول باطل کی تزئیف و ابطال عمل میں لاتے ہیں۔

اختلف الناس فی عصمة الانبیاء علیهم السلام وضبط الاقوال فیه ان یقال الاختلاف فی هذا الباب یرجع الی اقسام اربعة احدها ما یقع فی باب الاعتقاد وثانیها ما یقع فی باب التبلیغ وثالثها فی باب الاحکام والفتیا و

تفسیر کبیر میں ہے۔ لوگونکا مسئلہ عصمت انبیار میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف میں ضبط اقوال یوں ہوسکتاہے کہ اس اختلاف کا محل چار چیزیں ہیں۔ ایک تو اعتقاد انبیار کہ اُنہیں کفر یا شرک یا اور برائی آسکتی ہے یا نہیں دوم تبلیغ وحی کہ اُنہیں نبی غلطی یا عمداً تصرف کرسکتے ہیں یا نہیں سوم۔ اپنی رائے سے کوئی حکم یا فتوے دینا کہ اُنہیں

* صفحہ (۲۳۲)، نمبر (۸) جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

رابعها ما يقع في افعالهم وسيرتهم
امّا اعتقادهم الكفر والضلال فان
ذلك غير جائز عند اكثر الامة و
قالت الفضلية من الخوارج انهم
قد وقعت منهم الذنوب والذنب
عندهم كفر وشرك فلاجرم قالوا
بوقوع الكفر منهم واجازت الامامية
عليهم اظهار الكفر على سبيل التقية
وامّا النوع الثاني وهو ما يتعلق
بالتبليغ فقد اجمعت الامة على كونهم
معصومين عن الكذب والتحريف
فيما يتعلق بالتبليغ والا لارتفع الوثوق
بالاداء واتفقوا على ان ذلك كما
لا يجوز وقوعه منهم عمدًا لا يجوز
ايضًا سهوًا۔ ومن الناس من جوز
ذلك قالوا لان الاحتراز عنه غير
ممكن۔ وامّا النوع الثالث وهو ما
يتعلق بالفتيا فاجمعوا على انه لا يجوز
خطائهم فيه على سبيل التعمد۔ وامّا
على سبيل السهو فجوزه بعضهم واباه
اخرون۔ وامّا النوع الرابع وهو

غلطی یا کمی زیادتی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ چہارم
انبیاء کے افعال و خصائل ذاتی۔ قسم اوّل میں تو انبیاء
باتفاق اکثر امت معصوم ہیں اُن کے نزدیک
اُنکا مرتکب کفر و شرک ہونا جائز و ممکن نہیں
ہے۔ صرف ایک طائفہ خوارج جو فضلیہ کھلاتے
ہیں قائل ہیں کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہوتے
ہیں اور گناہ کو وہ کفر جانتے ہیں اس سے
لازم آیا کہ وہ انبیاء سے کفر سرزد ہونے کے
بھی مجوز ہیں۔ امامیہ (شیعہ) اس امر کو جائز
رکھتے ہیں کہ وہ بطور تقیہ کفر کا صرف زبان سے اظہار
کریں۔ قسم ثانی کی نسبت بھی یہ اتفاق ہے کہ
نبی تبلیغ میں عمداً کذب و تحریف کرنے سے معصوم
ہیں یہ نہ ہو تو انکی تبلیغ پر وثوق جاتا رہے۔
اس پر بھی اکثر کا اتفاق ہے کہ وہ سہواً بھی تبلیغ میں
تبدیل و تصرف نہیں کرتے بعض لوگ قائل ہیں
کہ سہواً تبدّل و تغیر ہو جانا ممکن ہے۔ اور اس سے
بچنا ناممکن ہے (مگر اُن لوگوں کا اس سہو کی نسبت
یہ بھی خیال و یقین ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اُس
سہو پر قائم نہیں رہتے۔ اور جو ان سے کمی بیشی
ہو جاتی ہے اُسپر فوراً آگاہ کیے جاتے ہیں۔ ولہذا
انکی تبلیغ پر وثوق دور نہیں ہوتا۔) قسم سوم کی

الذي يقع في فعالهم فقد اختلف
الامة فيه على خمسة اقوال احدها
قول من جوز عليهم الكبائر على جهة
العمد وهو قول الحشوية. والثاني
قول من لا يجوز عليهم الكبائر لكنه
يجوز عليهم الصغائر على جهة العمد
الا ما ينفر كالكذب والتطفيف وهذا
قول اكثر المعتزلة - القول الثالث
انه لا يجوز ان يأتوا بصغيرة ولا بكبيرة
على جهة العمد البتة بل على جهة
التاويل وهو قول الجبائي - القول
الرابع انه لا يقع منهم الذنب الا على
جهة السهو والنسيان لكنهم ماخوذون
بما يقع منهم على هذه الجهة وان
كان موضوعا عن امتهم لان معرفتهم
اقوى ودلائلهم اكثر وانهم يقدرون
على التحفظ ما لا يقدر عليه غيرهم. القول
الخامس انه لا يقع منهم الذنب لا الكبيرة
ولا الصغيرة لا على سبيل القصد ولا
على سبيل السهو ولا على سبيل التاويل
والخطاء وهو مذهب الرافضة و

نسبت یہی اتفاق ہے کہ وہ عمداً فتوے اور حکم میں
غلطی نہیں کرتے۔ سہواً غلطی ہو جانے میں اختلاف
ہے بعض قائل و مجوز ہیں بعض منکر۔ مگر جو قائل
ہیں وہ ساتھ اسکے یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ
اس سہو و غلطی پر متنبہ کئے جاتے ہیں۔ اور وہ غلطی
حکم شرعی و دستور العمل نہیں بن جاتی)۔ اب رہا
قسم چہارم سو اسمیں پانچ قول ہیں۔ ایک قول ان
لوگوں کا جو نبیوں کا عمداً مرتکب گناہ کبیرہ (چہ جائے
صغیرہ) ہونا جائز رکھتے ہیں یہ حشویہ کا قول ہے
(حشویہ وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث کے ظاہری
الفاظ سے انکے فہم معانی اور فقاہت کو چھوڑ کر
ہاتھ مارتے ہیں۔ ایسے لوگ خدا کے فضل سے صادق
و اہل علم اتباع ائمہ اربعہ و اصحاب صحاح ستہ میں کوئی
نہیں ہے) قول دوم ان لوگوں کا قول ہے جو گناہ کبیرہ
(جس پر وعید یا شرعی سزا وارد ہو) کا صدور نبیوں سے
جائز نہیں رکھتے صرف صغیرہ کا عمداً صادر ہونا جائز
رکھتے ہیں۔ اسمیں بھی شرط ہے کہ وہ صغیرہ ایسا نہ ہو
جس سے خست ثابت ہو اور نفرت پیدا ہو جیسے
ایک آنہ تول میں کم دینا یا ایک لقمہ چرا لینا یہ قول اکثر
معتزلہ کا ہے۔ قول سوم یہ ہے کہ وہ گناہ کو گناہ سمجھ کر
نہ کبیرہ گناہ کرتے ہیں نہ صغیرہ۔ بلکہ اسمیں وہ تاویل رکھتے ہیں

واختلف الناس فی وقت العصمة على ثلثة اقوال احدها قول من ذهب الى انهم معصومون من وقت مولدهم وهو قول الرافضة وثانيها قول من ذهب الى انهم معصومون وقت بلوغهم ولو يجوّز وامنهم ارتكاب الكفر و الكبيرة قبل النبوة وهو قول كثير من المعتزلة۔ وثالثها قول من ذهب الى ان ذلك لا يجوز وقت النبوة واما قبل النبوة فجائز وهو قول اكثر اصحابنا وقول ابی الهذيل وابی علی من المعتزلة والمختار عندنا انه لم يصدر عنهم الذنب حال النبوة البتة لا الكبيرة ولا الصغيرة ويدل عليه وجوه الى ان ذكرها وعدها الى الثلث عشر

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۵۷ وغیرہ)

جن سے گناہ گناہ نہ رہے۔ یہ قول جبائی (معتزلی) کا ہے۔ قول چہارم یہ ہے کہ اُن سے گناہ عمداً سرزد نہیں ہوتا۔ ہاں سہو ونسیان سے ہو جاتا ہے اسپر بھی انکو مواخذہ ہوتا ہے۔ گو اُمت کیلئے اُسکی معافی ہے۔ کیونکہ انکو دین کی معرفت قوی اور اُنکے پاس دلائل بکثرت ہوتے ہیں جنکے سبب سے وہ خطا سے بچ سکتے ہیں۔ قول پنجم یہ کہ گناہ اُنسے سرزد ہی نہیں ہوتا۔ نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ نہ قصداً و عمداً اور نہ سہواً اور نہ تاویل یا خطا سے۔ یہ رافضیوں کا مذہب ہے (یہی مذہب و اعتقاد مسٹر اکبر مسیح کا ہے۔ جو حضرت مسیح کی نسبت اُنہوں نے ظاہر کیا ہے۔ اور باقی تینوں کی نسبت اس سے دریغ و ظلم روا رکھا ہے) لوگوں کا عصمت کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ اسمیں ایک قول جو رافضیونکا قول ہے یہ ہے کہ انبیاء تولد ہی کے وقت سے معصوم ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ قول جو اکثر معتزلہ کا قول ہے کہ وہ عاقل بالغ ہونے کے وقت سے معصوم ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے بھی کفر اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے۔ قول سوم جو ہمارے اکثر اشعری لوگوں کا قول ہے۔ اور معتزلہ میں سے ابوہذیل و ابوعلی کا قول ہے۔ کہ انبیاء نبوت کے وقت سے کفر و کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔ قبل نبوت کے ہو سکتے ہیں۔

اصول الفقه ان افعال النبی صلی الله علیه وسلم عن قصد علی اربعة اقسام واجب ومستحب ومباح و زلة فاما ما کان یقع من غیر قصد کما یکون من النائم والمخطئ وغیرهما فلا عبرة بها لانها غیر داخلة تحت خطاب ثم الزلة لا یخلو عن القرآن ببیان انها زلة ۔ اما من الفاعل نفسه کقول موسی حین قتل القبطی بوکزه هذا من عمل الشیطان واما من الله کما قال تعالی فی حق آدم علیه السلام وعصی آدم ربه فغوی مع انه قیل کانت زلته قبل نبوته لقوله تعالی ثم اجتباه ربه فتاب علیه وهدی واذا لم تخلو الزلة عن البیان لم یشکل علی احد انها غیر صالح للاقتداء بها فتبقی العبرة للانواع الثلثة وقد ذکر شمس الائمة ایضا نحوا و

حث نا کملا دیں۔ قاضی ابوزید دبوسی نے اپنی کتاب اصول فقہ میں کہا ہے۔ کہ افعال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جو ارادہ سے سرزد ہوئے۔ چار قسم ہیں۔ ایک واجب العمل ہیں دوم مستحب۔ سوم مباح العمل چہارم لغزش اور جو فعل بغیر ارادہ کے ہوتے ہیں جیسے سونیوالا کا فعل یا ارادہ کے برخلاف فعل (مثلاً کسی نے تیر مارا شکار کو لگ گیا کسی انسان کو) سو لائق لحاظ نہیں۔ کیونکہ انکے متعلق کوئی حکم وخطاب الٰہی وارد نہیں۔ پھر وہ لغزش اس سے خالی نہ ہوگی کہ اس امر کا بیان کہ وہ لغزش ہے (فعل لائق اقتدا نہیں ہے) اسکے ساتھ ہو یہ بیان یا تو خود فاعل لغزش سے ہوگا جیسے حضرت موسے نے (جبکہ اُنہوں نے قبطی کو مُکا مارا اور اس سے وہ مرگیا) اپنے اس فعل لغزش کی نسبت خود کہدیا تھا۔ کہ یہ شیطان کا کام ہے۔ اور یا وہ بیان خدا تعالے کی طرف سے ہو۔ جیسا کہ خدا تعالے فعل لغزش آدم کی نسبت فرمادیا کہ آدم سے عدول حکمی ہوئی اور وہ بھٹک گیا۔ اس فعل آدم کی نسبت یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نبوت سے پہلے تھا۔ کیونکہ اس فعل کے بعد خدا تعالے نے انکو منصب اصطفا

فی شرح العقائد ان الانبیاء معصومون عن الکذب خصوصاً فیما یتعلق بامر الشرع وتبلیغ الاحکام وارشاد الامۃ۔ اما عمداً فبالاجماع واما سہواً فعند الاکثرین وفی عصمتہم عن سائر الذنوب تفصیل۔ وھو انہم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ بالاجماع وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمہور خلافاً للحشویۃ واما سہواً فجوزہ الاکثرون واما الصغائر فیجوز عمداً عند الجمہور خلافاً للجبائی واتباعہ ویجوز سہواً بالاتفاق الا ما یدل علی الخسۃ کسرقۃ لقمۃ وتطفیف حبۃ۔ لکن المحققین اشترطوا ان ینبہوا علیہ فینتہوا عنہ ھذا کلہ بعد الوحی واما قبلہ فلا دلیل علی امتناع صدور الکبیرۃ خلافاً للمعتزلۃ ومنع الشیعۃ صدور الصغیرۃ والکبیرۃ قبل الوحی وبعدہ لکنہم

(چن لینے) کا عطا کرنا بیان فرمایا ہے۔ اور جبکہ لغزش کا فعل بیان سے خالی نہ ہوا۔ تو کسی پر یہ شبہ باقی نہیں رہتا کہ وہ فعل لائق اقتدا نہیں ہے۔ اسصورت میں لائق اعتبار وہی تینوں پہلے فعل ہے۔ ایسا ہی شمس الائمۃ نے ذکر کیا ہے۔ اور شرح عقائد میں ہے۔ کہ انبیاء جھوٹ سے اور خاصکر جو امر شرع اور تبلیغ احکام اور ارشاد اُمت کے متعلق ہو حالت تصد میں باتفاق کل معصوم ہیں۔ اور حالت سہو میں باتفاق اکثر اور باقی گناہوں سے اُن کی عصمت میں یہ تفصیل ہے کہ وہ کفر سے اور عمداً کبیرہ گناہ کرنے سے قبل نبوت وبعدازاں معصوم ہوتے ہیں اسمیں صرف حشویہ کو خلاف ہے۔ رہے صغائر سو عمداً سرزد ہونے۔ جمہور کے نزدیک جائز ہیں اسمیں جبائی کو خلاف ہے۔ اور سہواً سرزد ہونے اتفاق سے جائز ہیں۔ مگر ایسے صغیرہ جیسے خست ثابت ہو جیسے ایک لقمہ کی چوری یا ایک دانہ کی کمی۔ لاکن محققین شرط کرتے ہیں۔ کہ اس سہو پر وہ آگاہ کئے جاویں تاکہ وہ آئیندہ اس فعل سے رُک جاویں۔ یہ سب اختلاف اقوال اُن گناہونکی نسبت بھی جو نبوت کے بعد سرزد ہوں

جوّز داظہار الکفر تقیۃ (شرح فقہ اکبر ص۴۷ طبع دہلی)	اور جو گناہ قبل نبوت سرزد ہوں ان کے صدور کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہیں

اسمیں معتزلہ کو خلاف ہے۔ اور شیعہ نبوت سے پہلے اور پیچھے دونو وقت صدور گناہ کو صغیرہ ہو خواہ کبیرہ تجویز نہیں کرتے لیکن وہ اس امر کو جائز رکھتے ہیں کہ وہ لبطور تقیہ اظہار کفر کریں۔"

ان مذاہب مذکورہ بالا سے ہمارا مذہب مختار جاسی دبیروی اپنے اسلاف اہل سنت وجماعت یہ ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام قدرتی و فطرتی طور پر مکارم اخلاق مخلوق ومجبول ہوتے ہیں۔ اور فطرۃً ہی رذائل و فواحش وقبائح سے بری ہوتے ہیں اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو اس منصب رسالت سے کیونکر معزز و مامور کئے جاتے۔ اَللّٰہُ اعلم حیث یجعل رسالتہ ؎ کلاہ خسروی و بادشاہی ؛ بہر کل کے رسد حاشا مگر نبوت سے پہلے انکا مکارم اخلاق کو عمل میں لانا یا بمقتضائے بشریت ہولے جو کسی فطرتی نیکی کا خلاف کرنا محل بحث و لائق لحاظ نہیں ہے۔ ان فطرتی بیوں وہ اصطلاحاً معصوم نہیں کہلا سکتے۔ اور نہ کسی غلطی یا برائی سے وہ شرعاً ماثوم و گنہگار کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت عصمت میں (جو اوپر صفحہ وغیرہ بیان ہوئی ہے) یہ امر ہے کہ وہ امر و نہی کی ہدایت و موافقت سے اور وحی الہی کی مدد و حمایت سے ہوتی اور گناہ کی حقیقت بھی یہ مسلم کل[*] ہے۔ کہ وہ امر و نہی کے عمداً اخلاف کرنے کا نام ہے اور جس حالت میں نبوت سے پہلے امر و نہی وحی کا وجود ہی نہیں ہوتا تو امر و نہی کی موافقت یا مخالفت یا وحی کی مدد وحمایت کیونکر متصور ہے۔ اور فطرتی وعادی میں کوئی شخص معصوم یا ماثوم کیونکر کہلا سکتا ہے۔ وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو ا وعادات نبوت سے پہلے کی نظر سے انبیاء کو اصطلاحاً معصوم یا ماثوم بتلاتے ہیں خصائل و اخلاق بعد نبوت محل بحث و لائق لحاظ ہیں۔ سو انکی نظر سے بیشک ذہا

[*] پولوس کا قول ہے جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ نہیں (رومی باب ۴ آیت ۱۵)

حضرات انبیاء معصوم ہیں ۔ نہ انکے اعتقاد میں کفر و شرک وغیرہ گمراہی پائی جاتی ہے
نہ تبلیغ وحی میں وہ عمداً التصرف یا خطا کرتے ہیں ۔ نہ فتوے و حکم میں وہ حکم الٰہی کا خلاف
کرتے ہیں نہ اپنے افعال وہ عمداً مرتکب گناہ ہوتے ہیں ۔ اُنسے کچھ خطا یا غلطی ہو جائے تو
وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں ۔ اسی تفصیل کا وہ اجمال ہے جو خاکسار نے اپنے خط ۱۵
جنوری ۱۸۹۶ء میں کہا ہے ۔ اور وہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ میں بصفحہ ۱۰۶ مندرج ہو لے ہے
میں انبیاء و ملائکہ کو عام مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق معصوم مانتا ہوں ۔ مگر نہ اس معنے
کہ جو آپ کی مراد ہے ۔ بلکہ ان معنے سے کہ وہ عمداً عصیان سے پاک رہتے ہیں ۔ اور تبلیغ
میں خطا نہیں کرتے ۔ اور اگر اُن سے کچھ خطا ہو جائے تو اُسپر وہ فوراً متنبہ کئے جاتے
ہیں ۔ اور اس میں متبوع غیر نہیں بنائے جاتے ۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح نے بخوبی نہیں سمجھا
اور بیان ہے لفظ "اُنسے کچھ خطا" کو "ایسی کچھ خطا" قرار دیکر خطا کو متعلق تبلیغ کر دیا ۔ اور
تبلیغ متعلق خطا کو انبیاء و ملائکہ دونوں سے شامل کیا ۔ اور پھر ہم پر اپنے خط ۲۹ ۔ فروری
۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۹ جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ میں یہہ اعتراض کر دیا ہے کہ کیا ملائکہ سے بھی
تبلیغ میں خطا ہوتی ہے ؟ اور کہا ہے کہ یہہ امر اس بیان کے مخالف ہے ۔ جو تفسیر
عزیزی میں ہے کہ "جمہور علماء دین اجماع دارند ۔ برآنکہ فرشتہ ہا از جمیع گناہان محفوظ
و معصوم اند" اور کہا ہے کہ جمیع گناہان میں تو کوئی تفریق عمدی و سہوی و تبلیغ
یا غیر تبلیغ کے نہیں ہو سکتی ۔ اور پھر بڑے فخر سے کہا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے
کہ فرشتگان بھی کسی نہ کسی خطا میں مبتلا ہوتے ہیں ۔ تو بھی میرا دعوے ثابت ہے
کہ حضرت مسیح کی عصمت اس معنے میں جسکا میں مدعی ہوں قرآن و حدیث سے ثابت
ہے ۔ اور اسمیں وہ بے مثل ہیں فرشتے بھی برابری نہیں کر سکتے "۔

مسٹر اکبر مسیح کا یہ اعتراض اس غلط فہمی یا غلط خوانی پر مبنی ہے کہ اُنہوں نے ہمارے
لفظ "اُنسے" کو "ایسی" پڑھا یا سمجھا ۔ اور خطا کو تبلیغ کے متعلق کر دیا ۔ اور پھر اس تبلیغ متعلق

حضرات انبیاء معصوم ہیں۔ نہ اُنکے اعتقاد میں کفر و شرک وغیرہ گمراہی پائی جاتی ہے نہ تبلیغ وحی میں وہ عمداً تصرف یا خطا کرتے ہیں۔ نہ فتوے و حکم میں وہ حکم الٰہی کا خلاف کرتے ہیں نہ اپنے افعال وہ عمداً مرتکب گناہ ہوتے ہیں۔ اُنسے کچھ خطا یا غلطی ہو جائے تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں۔ اسی تفصیل کا وہ اجمال ہے جو خاکسار نے اپنے خط ۱۵ جنوری ۱۸۹۷ء میں کہا ہے۔ اور وہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ میں بصفحہ ۱۰۶ مندرج ہوا ہے میں انبیاء و ملائکہ کو عام مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق معصوم مانتا ہوں۔ مگر اس معنے کر آپ کی مراد ہے۔ بلکہ ان معنے سے کہ وہ عمداً عصیان سے پاک رہتے ہیں۔ اور تبلیغ میں خطا نہیں کرتے۔ اور اگر اُن سے کچھ خطا ہو جائے تو اُسپر وہ فوراً متنبہ کئے جاتے ہیں۔ اور اس میں متبوع غیر نہیں بنائے جاتے"۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح نے بخوبی نہیں سمجھا اور ہمارے لفظ "انسے کچھ خطا" کو "ایسی کچھ خطا" قرار دیکر خطا کو متعلق تبلیغ کر دیا۔ اور تبلیغ متعلق خطا کو انبیاء و ملائکہ دونو سے شامل کیا۔ اور پھر ہم پر اپنے خط ۲۹۔ فروری ۱۸۹۷ء مندرجہ کشف نمبر ۹ جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ میں بھی اعتراض کر دیا ہے کہ کیا ملائکہ سے بھی تبلیغ میں خطا ہوتی ہے؟ اور کہا ہے کہ بھی امر اس بیان کے مخالف ہے۔ جو تفسیر عزیزی میں ہے کہ "جمہور علماء دین اجماع دارند بر آنکہ فرشتہ را از جمیع گناہان محفوظ و معصوم اند"۔ اور کہا ہے کہ جمیع گناہان میں تو کوئی تفریق عمدی و سہوی و تبلیغ و غیر تبلیغ کے نہیں ہو سکتی۔ اور پھر بڑے فخر سے کہا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ فرشتگان بھی کسی نہ کسی خطا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو بھی ہمارا دعوے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کی عصمت اس معنے میں جسکا میں مدعی ہوں قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور اسمیں وہ بیمثل ہیں فرشتے بھی برابری نہیں کر سکتے"۔

مسٹر اکبر مسیح کا یہ اعتراض اس غلط فہمی یا غلط خوانی پر مبنی ہے کہ اُنہوں نے ہمارے لفظ "انسے" کو "ایسی" پڑھا یا سمجھا۔ اور خطا کو تبلیغ کے متعلق کر دیا۔ اور پھر اس تبلیغ متعلق

خطا کو فرشتوں اور انبیاء دونوں کے متعلق کر دیا۔ اور غلطی در غلطی کا ارتکاب کیا۔
ہماری کلام مذکور کا (جو معنے عصمت کے متعلق منقول ہوا ہے) یہ مفہوم بلکہ منطوق ہے کہ انبیاء عمداً گناہ نہیں کرتے۔ اور تبلیغ وحی میں خطا نہیں کرتے۔ اور ان سے کچھ (یعنے انکے اقوال و افعال میں نہ تبلیغ وحی میں) خطا ہو جائے۔ تو وہ اُسپر فوراً آگاہ کئے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس خطا میں انکی پیروی نہ کریں۔ اسمیں نہ خطا کو متعلق تبلیغ کیا گیا ہے۔ اور نہ تبلیغ کو انبیاء اور ملائکہ دونوں سے متعلق کیا گیا ہے۔ بیشک ہم اس امر کے قائل ہیں کہ فرشتوں نے پیدائش و خلافت آدم کے باب میں جو کچھ جناب باری میں عرض کیا تھا۔ اسمیں اُن سے خطا ہوئی (جسکو ہم عنقریب قرآن سے ثابت کرینگے*) مگر اس امر کے قائل نہیں کہ اس قول کی وجہ سے فرشتہ گنہگار ہو گئے۔ یا وہ عرفاً معصوم کہلانیکے مستحق اور لایق نہ رہے۔ لہذا شاہ عبد العزیز کا قول یا کسی اور مسلمان کا اعتقاد دربارہ عصمت ملائکہ ہمارے قول و اعتقاد کے مخالف نہیں۔ مسٹر اکبر مسیح اسقدر موٹی اور کھلی بات نہ سمجھ سکے کہ ہمکو صرف اُن کے تجویزی معنے عصمت کی تسلیم سے انکار ہے نہ حقیقت عصمت مسلمہ اہل اسلام سے اور نہ کسی نبی یا ملائکہ پر لفظ عصمت یا معصوم بولنے سے۔ پھر انہوں نے کیوں ناحق و بلا وجہ اس قسم کے اقوال جنمیں انبیاء یا ملائکہ کے حق میں لفظ عصمت بولا گیا ہے نقل کر کے اپنے اوقات کا خون کیا۔ اور ہمارے اوقات کا ان کی جواب نویسی سے خون کرایا۔
ہمنے دو بار خط مورخہ ۱۵۔ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲۔ و خط مورخہ ۲۹۔ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۸ جلد ۲۔ ان کو دوستانہ اور ناصحانہ طور سے سمجھایا۔ کہ آپ نے جو آیات و احادیث و اقوال اہل سنت نقل کئے ہیں۔ وہ میرے عقیدہ کے موافق اور آپ کے دعوے کے موافق و مثبت نہیں آپ کو انکو واپس لے لیں اور اپنے

* صفحہ ۱۵۵ نمبر (۵) جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

دعوے کا کوئی ثبوت پیش کریں۔ مگر اُنہوں نے اوسکو عجز یا گریز پر محمول کیا۔ ناچار ہم کو اُنکی تفصیل جواب میں مجھی قلم اٹھانا پڑا۔ امید ہے ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر وہ سمجھ جائیں گے کہ اُنہوں نے جو کچھ ہمارے خطاب میں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھا تھا وہ سب کا سب غلط فہمی و ناواقفی پر مبنی اور واپس لینے کے لائق تھا۔

مسٹر اکبر مسیح کے رسائل تنقیح الوہیت مسیح وغیرہ ہمنے دیکھے تو وہ ہمکو پسند ہوئے اور ہمنے اُن پر اُن الفاظ سے "ربو بو" کیا کہ "مسٹر اکبر مسیح نے انمیں لیاقت و قابلیت و تحقیق و حق پسندی کا کافی ثبوت دیا ہے"۔ اسکے بعد جب ثبوت عصمت خود تجویز مسیح میں اُنہوں نے خط ۷ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۶ و ۷ جلد ۴ میں اظہار معلومات و خیالات کیا تو ہمکو یقین ہوا کہ اُنکا وہ جوش و خروش و طمطراق تثلیثی عیسائیوں ہی کے مقابلہ میں تھا۔ اور اونکی فہم و لیاقت کا مبلغ منتہی عیسائی مذہب ہی ہے۔ اسلام کے غوامض و دقایق تک اُنکو وصول نہیں ہے۔

ہمارا مذہب مختار ناظرین کو معلوم ہوگیا تو اب ہم اس مذہب کے مخالف مذاہب کا ابطال کرتے ہیں اور ان کے ادلہ کو نقل کرکے اُنکے جوابات قلم میں لاتے ہیں۔ اسی سے بحکم تبیین الاشیاء باضدادھا مذہب مختار کا حق و لائق قبول ہونا ثابت ہو جائے گا ومعہذا اسکے ثبوت میں جداگانہ دلایل کو بھی پیش کیا جائیگا۔ وباللہ التوفیق

پس واضح ہو کہ جو لوگ حضرات انبیاء کا اعتقاد میں گنہگار و مرتکب کفر و شرک ہونا جایز رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اس دعوے پر ایک دلیل وہ آیت قرآن پیش کرتے ہیں جسمیں بیان ہے کہ خدا نے تمکو ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر اوس کی جنس سے اُسکا جوڑا بنایا جب وہ حاملہ ہوئی تو دونوں نے کہا ہم کو خدا نے چنگا بھلا بچہ عطا کیا تو ہم شکر گذار

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ

دَعَوَاللہ رَبَّھُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ فَلَمَّآ اٰتٰاھُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَا فِیْمَآ اٰتٰاھُمَا فَتَعَالَی اللہ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ

ہونگے۔اور جب اُنکو چنگا بھلا بچہ عطا کیا۔ تو اُنھوں نے شرک کیا۔ یعنے نام اُسکا عبدالحارث رکھا دیعنے شیطان کا بندہ۔ کیونکہ حارث شیطان کا نام ہے۔)

اسکا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر جلد اول کے صفحہ ۴۶۱ میں دیا ہے۔ کہ اس آیت کا حضرت آدم کے حق میں ہونا غیر مسلم ہے اور اس آیت میں کوئی دلیل اسپر پائی نہیں جاتی۔ کہ اس سے آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ پھر جلد ۴ میں بصفحہ ۴۸۸ چھ دلائل اسکے برخلاف پیش کئے ہیں۔ اور اُنسے ثابت کر دیا ہے کہ یہ آیت حضرت آدم کے متعلق ہرگز نہیں ہوسکتی۔ پھر اس آیت کے تین معنے اور بیان کئے ہیں۔ از انجملہ ایک معنے یہ ہیں کہ اس آیت سے قریش آل قصی اور انکی اولاد مراد ہیں۔ ایک

والتاویل الثانی بان یکون الخطاب لقریش الذین کانوا فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم آل قصی۔ والمراد من قولہ ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ قصی و جعل من جنسہا زوجہا عربیۃ قرشیۃ لیسکن الیہا فلما اتاھا ماطلبا من الولد الصالح السوی جعلا لہ شرکائی فیما اتاھما حیث سمیا اولادھما الاربعۃ عبد مناف وعبد العزی و

جان ہے جس سے قریش پیدا ہوئے۔ قصی مراد ہے۔ اور اسکے جوڑے سے جو اوسکی جنس قریش سے پیدا ہوا۔ اُسکی عورت مراد ہے اور اونکی اولاد صالحہ پیدا ہونے پر شرک کرنیسے یہ مراد ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنی چاروں اولاد کے نام یہ رکھے۔ عبد مناف۔ عبد العزے۔ عبد قصی عبد اللات۔ پھر اونکی اولاد نے اس فعل میں انکی پیروی کی۔ تو ان سب کی نظر سے یُشْرِکُوْن کا لفظ جو جمع کا صیغہ ہے بولا گیا۔ اس سے آدم حوا مراد ہوتے تو یہ لفظ یُشْرِکُوْن نہ بولا جاتا اور اگر کوئی عیسائی یا نادان مسلمان

عبد قصی وعبد اللات وجعل الضمیر فی یشرکون لھما ولا عقابہ الذین اقتدوا بھما فی الشرک (تفسیر کبیر ص ۴۱۹ جلد ۴)

یہ اعتراض کرے۔ کہ پہلے معنے (جو اعتراض کے ضمن میں مذکور ہیں) بھی اسلامی تفسیروں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور روایات حدیثیہ اسپر شاہد ہیں جنکو بعض نے حسن اور بعض نے صحیح کہا ہے۔ تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایات حدیثیہ میں حضرت آدم کا ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت حوا کے پاس شیطان کا آیا اور اُنکو ڈرایا ہے۔ کہ تیرے پیٹ میں خدا جانے کیا ہے۔ تجھے صحیح سالم بچہ پیدا ہوا۔ اور وہ زندہ رہا تو اُسکا نام عبد الحارث رکھیو۔ اور اُسے حوا نے ایسا کیا۔ حضرت آدم کا اس فعل میں شریک ہونا اُن روایات حدیثیہ میں مذکور نہیں۔ ان روایات حدیثیہ کے ماننے والے مفسروں کو پھر یہ شبہ پیش آیا۔ کہ اس صورت میں پھر قرآن مجید میں جعلا لہ شرکاء فیما اتاھما میں صیغہ تثنیہ کیوں

وفیہ رای فی ھذا الحدیث دلیل علی ان الجاعل شرکاء فیما اتاھما ھو حواء دون آدم وقولہ جعلا لہ شرکاء بصیغۃ التثنیۃ لا ینافی ذلک لانہ قد یسند فعل الواحد الی اثنین بل الی جماعۃ وھو شائع فی کلام العرب وفی الکتاب العزیز من ذلک الکثیر الطیب قال تعالی فتلقی آدم من ربہ کلمات ثم قال فی ھذہ السورۃ قالا ربنا ظلمنا انفسنا

اختیار فرمایا۔ اور کیوں ارشاد کیا۔ کہ ان دونوں نے خدا کے لئے شریک مقرر کیا۔ تو اوسکا جواب اُنہوں نے یہ دیا۔ کہ خدا تعالےٰ نے ایسا فرمانا اس محاورہ عرب عربا کے مطابق ہے۔ کہ وہ ایک کے فعل کو دو شخصوں بلکہ کئی اشخاص کی طرف جو آپس میں میل جول و قرب و اتصال رکھتے ہوں منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس کے نظائر قرآن میں بہت ہیں۔ ازانجملہ یہ قول خداوندی ہے۔ کہ ان دونوں آدم و حوا نے ربنا ظلمنا کہا۔ حالانکہ اس سے پہلے صرف آدم کا ان کلمات کو سیکھنا بیان ہوا ہے۔ و

وقال لاجناح عليهما فيما افتدت
به والمراد به الزوج فقط قاله
الفراء وانما ذكرها لاقترانهما
وقال نسيا حوتهما وانما
الناسى يوشع دون موسى
وقال يخرج منهما اللؤلؤ والمرجان
وانما يخرج من احدهما وهو
المالح - وقال يا معشر الجن
والانس الم ياتكم رسل منكم
وانما الرسل من الانس دون
الجن - لكن لما جمعوا مع الجن
فى الخطاب صح هذا التركيب
وقال تعالى القيا فى جهنم - و
الخطاب لواحد دون اثنين
وفى الحديث المرفوع اذا سافرتما
فاذنا واقيما والمراد احدهما
وقال امرء القيس ؎
قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل ،
وقد اكثر الشعراء من قولهم خليلى
والمراد بها الواحد دون اثنين -
(فتح البيان صفحہ ۱۲۹ جلد ۳)

وازانجملہ یہ قول خدا کہ ان دونو (شوہر و زوجہ) پر گناہ نہیں جو عورت اپنی طلاق کے بدلے دے - حالانکہ مراد صرف شوہر ہے - کہ اگر وہ بدل طلاق عورت سے لے لے تو گنہگار نہ ہوگا - یہ بات فراء نحوی امام نے کہی ہے - وازانجملہ یہ قول خدا کہ وہ دونو (یوشع و موسے) اپنی مچھلی بھول گئے - حالانکہ بھولنے والا صرف یوشع تہا - وازانجملہ یہ قول خدا کہ ان دونو دریائے شور و فرات سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں - حالانکہ وہ صرف ایک دریائے شور سے نکلتے ہیں وازانجملہ یہ قول خدا - اے گروہ جن و انسان تم میں سے رسول تمہارے پاس آئے - حالانکہ رسول صرف انسانوں میں ہوئے ہیں - نہ جنوں سے - لیکن اس خطاب میں انسان جنوں کے ساتھ شامل ہوئے - تو یہ کہنا صحیح ہوگیا - وازانجملہ یہ قول خدا تم دونو (اے ہانکنے والے اور گواہ فرشتو) تم اس مجرم کو آگ میں ڈالو - حالانکہ اس قول میں مخاطب ایک ہے نہ دو - اور صحیح حدیث میں آنحضرت سے مروی ہے - کہ انہوں نے دو ۲ مسافروں کو کہا کہ جب تم سفر کرو تو اذان دو اور تکبیر کہو اور مراد دونوں میں سے امام بنجاوے حالانکہ

دونو میں سے اذان وتکبیر کہنے والا ایک ہوتا ہے۔ نہ دونو۔ اور امرالقیس شاعر جاہلی اپنے شعر میں ایک سے خطاب میں کہتا ہے۔ کہ دونوں کھڑے ہو جاؤ۔ ہم اپنے دوست اور اسکی جگہ کے ذکر سے روئیں۔ اور شاعر بہت جگہ خلیلی (دو دوست) کا لفظ ایک کی جگہ بولتے ہیں۔"

الحاصل اس آیت میں حضرت آدم کے شرک کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور جس حدیث میں یہ واقعہ آدم کے وقت کا بتایا جاتا ہے۔ اسمیں بھی آدم کا نام نہیں۔ صرف حوا کے فعل کا بیان ہے۔ لہذا یہ آیت اسپر دلیل نہیں ہوسکتی۔ کہ حضرت آدم نے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ اور شرک کیا۔ اور اس آیت کے ایسے عمدہ محمل بھی نکلتے اور صحیح معنے ہوسکتے ہیں جنسے حضرت آدم کا کوئی تعلق نہیں۔ و لہذا یہ آیت مخالفین کی دلیل نہیں ہوسکتی ہے۔

ایسی ہی دو آیتیں اور ہیں جنسے مخالفین اپنے اعتقاد باطل پر استدلال کرتے ہیں اور درحقیقت انکے اعتقاد باطل کے وہ دلائل نہیں ہوسکتے ہیں جو دیکھنے چاہے تفسیر کبیر ملاحظہ کرے۔

تبلیغ میں انبیاء کی خطا تجویز کرنے والے اس آیت سے استدلال کرتے

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته فينسخ الله ما يلقى الشيطان ثم يحكم الله اياته والله عليم حكيم (الحج ع ۷)

ہیں۔ جسکے وہ یہ معنے کرتے ہیں۔ کہ ہم نے تجھسے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔ مگر جب اسنے کچھ پڑھا۔ تو شیطان نے اسکے پڑھنے میں کچھ ملا دیا۔ پھر خدا نے شیطان کی ملائی ہوئی بات کو مٹا دیا۔ اور اپنی آیات کو (جو نبی پر اوتارین) محکم کردیا۔ اللہ جاننے والی حکمت والا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ایک دفعہ سورہ نجم پڑھی جب آپ لات و عزیٰ کے ذکر پر پہنچے تو شیطان نے اسمیں یہ

فقرہ ملا دیا۔ تلک الغرانیق العلیٰ ان شفاعتھن لترتجی۔ یعنے یہ بت بلند آبی جانور ہیں ان کی شفاعت کی امید ہے۔ مشرکین نے جو سامعین وحاضرین مجلس تھے یہ سُنا تو خوش ہوگئے۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ اور بولے کہ بس اب ہماری اور محمدؐ کی صلح ہے ہم بھی بتوں کو شفیع ہی سمجھتے ہیں۔ جسکو محمدؐ نے مان لیا ہے۔ نہ خالق ورازق زندہ کرنے مارنے والے کہ وہ بجز خدا کوئی نہیں ہے۔ جب آنحضرت کو اس امر پر اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا رنج ہوا اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور خدا تعالےٰ نے آنحضرت کو تسلی دی۔ کہ یہ معاملہ شیطان کا صرف تمہارے ہی ساتھ نہیں ہوا۔ پہلے نبیوں سے بھی ایسا ہی ہوتا آیا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے اگر یہی معنے اور یہی تفسیر صحیح ہے۔ تو یہ آیت حضرت انبیاء کے عصمت کی دلیل ہے۔ نہ نفی عصمت کی۔ اسمیں صاف یہ بیان کہ نبی کے پڑھنے کے وقت شیطان کچھ ملا دیتا ہے۔ نہ یہ کہ نبی اوس میں از خود عمداً الحاق کرتا ہے۔ یا اس میں غلطی یا خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ بھی صاف بیان کہ جو کچھ شیطان ملا دیتا۔ اوسکو خدا تعالےٰ مٹا دیتا ہے۔ یعنے اُسپر نبی کو آگاہ کر دیتا کہ یہ قول شیطان نے ملا دیا ہے۔ اور اپنی نازل کی ہوئی آیات کو محکم ومحفوظ کر دیتا ہے یہ کہ جو شیطان ملا دیتا ہے وہ اُس میں ملا رہتا ہے۔ اور کلام خدا مشتبہ وملتبس ہو جاتا ہے الشکلین صاحب تفسیر کبیر نے اس معنے اور اس تفسیر آیت کو جو مخالفین نے بیان سات دلائل نقلی قرآنی اور پانچ دلائل عقلی سے **باطل** وبے اعتبار ٹھہرایا ہے۔ اور جو قصہ آنحضرت کے متعلق اس میں بیان کیا گیا ہے۔ اُسکی نسبت امام الائمہ ابن خزیمہ محدث سے نقل کیا ہے۔ کہ یہ قصہ زندیقوں (جیسے مرتدوں) کی بناوٹ ہے۔ اور اس باب میں ایک کتاب مستقل تصنیف کی۔ اور امام بیہقی سے ہے۔ کہ اُنہوں نے کہا کہ۔ یہ قصہ ثابت

روی عن محمد اسحق ابن خزیمہ
انہ سئل عن ھذہ القصۃ
فقال ھذا من وضع الزنادقۃ

قد صنف فیه کتابا - وقال الامام
ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی هذه
القصة غیر ثابتة ثم اخذ یتکلم فی
ان رواة هذه القصة مطعون
فیهم وایضا فقد روی البخاری فی صحیحه
ان النبی صلی الله علیه وسلم قرأ سورة
النجم وسجد فیها المسلمون والمشرکون
والانس والجن ولیس فیه حدیث
الغرانیق وروی هذا الحدیث من
طرق ولیس فیها البتة حدیث الغرانیق
(تفسیر کبیر صفحہ ۲۴۵ جلد ۶)

پھر اسکے راویوں میں جرح کیا - اور اُن کو
مطعون قرار دیا - پھر امام رازی نے کہا کہ
صحیح بخاری میں یہ حدیث کہ آنحضرت نے
سورہ نجم پڑھی - اور اس میں مسلمانوں اور
مشرکوں نے سجدہ کیا - مروی ہے - مگر
اسمیں اس حدیث غرانیق کا ذکر نہیں ہے
اور طریقوں سے بھی یہ حدیث مروی ہے
انہیں بھی اس واہی حدیث کا ذکر نہیں ہے
امام رازی کے اس بیان سے اور
محدثین مفسرین نے بھی اتفاق کیا ہے
اور اس واہی قصہ کو رد کیا ہے - اور
اس تفسیر و معنے کو جو مخالفین بیان کرتے ہیں باطل قرار دیا ہے -
پھر امام رازی نے اس آیت کے صحیح معنے کے بیان میں کہا ہے - کہ اگر تمنی کے
معنے قرأت کے لئے جاویں تو اس آیت سے یہ مراد ہے کہ جب کسی رسول و نبی نے

فالحاصل من هذا البحث ان الامنیة
اما القرأة واما الخاطر اما اذا
فسرناها بالقرأة ففیه قولان الاول
انه تعالی اراد بذلک ما یجوز ان
یسهو الرسول صلی الله علیه وسلم
ویشتبه علی القاری (تفسیر کبیر
صفحہ ۲۴۶ جلد ۶)

قرآن پڑھا ہے تو اس میں اسکو سہو
ہو گیا - اور اشتباہ لگ گیا - جیسا کہ ہر ایک
قرآن پڑھنے والے کو متشابہ آیات کے سبب
اشتباہ ہو جاتا ہے - پھر اسکے مخالف معنے
قرأت کو (جو مخالفین بیان کرتے ہیں)
بیان کیا - اور اسکا ابطال کیا - پھر کہا کہ
اگر ہم تمنی کے معنے خطرہ و خیال کے لیں تو

واما اذا فسرناها بالخاطر و
تمنے القلب فالمعنے ان النبی متی
تمنے بعض مایتمناہ من الامور
وسوس الیه الشیطان بالباطل
ویدعوہ الی ماینبغی ثم ان اللہ
تعالی ینسخ ذلك ویبطله ویهدیه
الی ترك الالتفات الی الوسوسة
الی ان فسرها بوجوہ اربعة
وقال رابعها معنے الآیة اذا تمنے
اراد فعلا متقربا الی اللہ تعالی
القی الشیطان فی فکرہ ما یخالفه
فیرجع الی اللہ فی ذلك- وهو
کقوله ان الذین اتقوا اذا مسهم
طائف من الشیطان تذکروا
فاذا هم مبصرون وکقوله
واما ینزغنك من الشیطان
نزغ فاستعذ باللہ ومن الناس
من قال لا یجوز حمل الامنیة
علی تمنی القلب لانه لو کان
کذلك لم یکن ما یخطر ببال
رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

تو اس آیت کے معنے یہ ہو سکتے ہیں۔ کہ جب
نبی بعض امور کی خواہش کرتا ہے تو شیطان
اوسمیں وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور اوس خواہش
کو ناجایز امور کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ مگر
خدا تعالے اس وسوسہ شیطان کو باطل کرتا ہے
اور نبی کو امر صواب کی ہدایت فرماتا ہے۔
پھر امام رازی نے اس خطرہ و خیال کی چار
صورتیں بیان کیں۔ چہارم یہ کہ آیت کے یہ
معنے کئے جاویں کہ جب نبی کسی فعل کو خدا کا قرب
حاصل کرنے کے لئے کرنا چاہتا ہے۔ تو شیطان
اسکے خیال میں اسکے برخلاف وسوسہ ڈالتا
ہے۔ مگر وہ نبی اللہ کیطرف رجوع کرتا ہے
اس معنے کر اس آیت کی نظیر وہ قول خداوندی
ہے کہ متقیوں کو جب وسوسہ شیطان عارض
ہوتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرکے ہوشیار ہوجاتے
ہیں۔ دوسری نظیر وہ قول خداوندی کہ اگر
تجھے شیطان چوکے دینے (وسوسہ ڈالے)
تو تو خدا کی پناہ میں آجا۔ بعض لوگوں کا
اعتراض ہے کہ اگر اس آیت میں تمنے سے
وسوسہ مراد ہو تو چاہیئے کہ وہ کسی دوسرے
کے گمراہ ہونے کا موجب نہ ہو۔ حالانکہ اس

فتنة للكفار وذلك يبطله قوله تعالى ليجعل مايلقي الشيطٰن فتنة للذين في قلوبهم مرض والقاسية قلوبهم والجواب لايبعد انه اذا قوى التمنى اشتغل الخاطر به فيحصل السهو في الافعال الظاهرة بسبب ذلك فيصير ذلك فتنة للكفار (تفسير کبیر صـــ ۲۴۹)	تمنے کو اس آیت میں دلوں کے بیمار اور سخت دلونکے لئے گمراہی کا موجب قرار دیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔کہ وسوسہ قوی ہو اور دل اس سے مشغول ہو جائے تو اسکے سبب ظاہری افعال میں سہو واقع ہو جاتا ہے۔ اور وہ دوسرے کے لئے موجب گمراہی ہو جاتا ہے۔

بالجملہ اس آیت سے (خواہ اسکے کوئی معنے مراد سمجھو) نبیوں کی عصمت ثابت ہوتی ہے نہ عصمت کی نفی و خلاف۔

اس آیت کے علاوہ دو آیتیں اور ہیں جنسے مخالفین اپنے اعتقاد باطل پہ استدلال کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ انکے خیال باطل کے دلائل نہیں ہو سکتے۔ انکے ملاحظہ کا شایق تفسیر کبیر جلد اول صـــ ۴۶۱ کو دیکھے۔

حکم اور فتوے میں نبیونکی عصمت کے منکرونکی دلیل وہ آیت قرآن ہے جسمیں

وما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض۔ اتريدون عرض الدنيا والله يريد الاخرة والله عزيز حكيم۔ لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب اليم۔ فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا واتقوا الله ان الله غفور رحيم	یہ بیان ہے کہ۔ نبی کو لائق نہیں تھا کہ اُسکے لئے قیدی ہوتے۔ جبتک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی مخالفین نہ کرلیتا۔ لوگو! تم دنیا کی متاع چاہتے ہو۔ اور اللہ تمہارے لئے آخرت چاہتاہے۔ اللہ غالب ہے اور باحکمت اگر اللہ کیطرف سے یہ حکم لکھا نہ گیا ہوتا تو تمکو اس متاع دنیا لینے کے سبب دردناک عذاب پہنچتا۔ اب تم اس مال کو جو تمنے لوٹا ہے

سورہ انفال رکوع ۹ -	تم اسے حلال سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ بخشنے والا مہربان ہے -

وہ لوگ اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں قیدی پکڑے آئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فدیہ (بدلہ کا روپیہ) لے کر ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ جس پر آنحضرت کو یہ خطاب باعتاب کہ "تم دنیا چاہتے ہو۔ اور خدا تمہارے لئے آخرت چاہتا ہے"۔ ہوا۔ اور اس حکم پر عذاب بھی نازل ہونے لگا تھا۔ جو ایک درخت کے قریب پہنچا۔ اور پھر وہ اٹھا لیا گیا تھا۔ اس عذاب سے بچتے تو صرف حضرت عمر بچتے جو اس تجویز کے مخالف تھے۔
یہ عذاب آنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہوا۔ محض خطا یا ترک اولے

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ منکرین عصمت انبیاء کا یہ کہنا کہ اس حکم کے سبب آنحضرت کو وہ خطاب باعتاب ہوا۔ اور اس حکم پر عذاب نازل ہونے لگا تھا محض غلط ہے وہ خطاب صیغہ جمع "تریدون" سے ان بعض اصحاب نبوی کو ہوا تھا۔ جو دشمنوں کی قتل سے ہاتھ اٹھا کر بغرض دنیا انکے قیدی بنانے کے فکر میں پڑے تھے۔ اور انہی اصحاب کے لئے وہ عذاب نازل ہونے لگا تھا۔

اس خطاب میں نہ آنحضرت داخل ہیں نہ آپکے وہ مخلص اکابر اصحاب جنہوں نے قیدی پکڑے جانے کے بعد یہ تجویز نکالی تھی یا پسند کی تھی کہ اگر انسے روپیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائیگا تو امید ہے کہ خدا تعالے انکو ہدایت یاب اور مشرف باسلام کر دیگا اور وہ روپیہ ہمکو دنیا میں اور آئندہ کافروں کے مقابلہ میں مدد دیگا جن اکابر صحابہ نے اس خیال اور اس نیت سے جو سراسر دین ہے قیدیوں کو روپیہ لے کر چھوڑ دینے کی تجویز بتائی۔ اور جس رسول نے اس تجویز کو پسند کیا انکے حقمیں کیونکر یہ خطاب کہ تم دنیا چاہتے ہو سکتا ہے۔ اور انکی اس تجویز و عمل پر نزول عذاب کیونکر متصور ہے۔ یہ خطاب اور یہ نزول عذاب صاف یقین دلاتا ہے کہ اسکے مخاطب ومورد

بعض اصحاب تھے جنکی نیت میں دنیا طلبی تھی۔ ہاں اسمیں شک نہیں کہ اکابر صحابہ کا اس دینی نیت سے قتل کفار پر انکے چھوڑ دینے کو ترجیح دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نیت سے اس تجویز کو پسند کرنا خدا تعالے کے حضور میں امر افضل اور زیادہ پسندیدہ نہ ہوا اور اسی نظر سے آنحضرت کو یہہ خطاب ہوا کہ نبی کو ایسا کرنا لائق نہ تھا۔ بلکہ زیادہ تر لائق و پسندیدہ یہی امر تھا کہ وہ دشمن کفار کو تہ تیغ کرتے جس سے دوسرے دشمن ڈر اور دب جاتے اور آیندہ وہ مسلمانوں کو ایذا رسانی کی جرأت نہ کرتے۔

ولیکن چونکہ اللہ تعالے نے اظہار عدم فضیلت اس فعل کے ساتھ یہہ بھی فرمادیا کہ تمہارا یہ فعل خلاف افضل ہمارے ایک حکم سابق النفاذ (حلت غنائم وفدیہ) کے مطابق ہوا ہے پس جو مال لے چکے ہو انکو ستھرا حلال سمجھکر کھاؤ۔ خدا تمہارے اس ترک افضل کو معاف کرنے والا اور تمپر رحم کرنے والا ہے۔

تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ تجویز اور فعل بھی محض خطا و برخلاف رضائے الہی نہیں ہوا بلکہ فی الجملہ رضائے الہی کے (دوسرے درجہ پر ہی سہی) مطابق ہوا ہے۔ لہذا یہ آیت حکم و فتوے میں عصمت انبیاء کی دلیل ہوئی نہ دلیل عدم عصمت۔

اب ہم اپنے اس بیان کی تائید میں کہ "جن اکابر صحابہ نے اس تجویز کو پیش کیا تھا محض دینی نیت سے کیا تھا۔ نہ دنیا طلبی سے اور اسیکو آنحضرت نے قبول کیا۔ لہذا وہ خطاب و عتاب انکے لئے نہ تھا۔ بلکہ وہ ان بعض اصحاب کے لئے تھا جنہوں نے بغرض دنیا دشمنوں کے قتل سے ہاتھ اٹھا کر انکو گرفتار کیا تھا" واقعات کی شہادت پیش کرتے ہیں۔

تفسیر معالم میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔ کہ جب بدر لڑائی ہوئی (جو ایک دلفیصلہ لڑائی ہے) اور قیدی پکڑ کر لائے گئے تو آنحضرت نے انکے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا یا رسول اللہ

عن عبد اللہ بن مسعود لما کان یوم بدر وجیئ بالاسریٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما

ماتقول فی هؤلاء فقال ابوبکر
قومك واهلك استبقهم واستان
بهم لعل الله ان یتوب علیهم و
خذ منهم فدیة یکون لنا قوة
علی الکفار وقال عمر رض یا رسول الله
کذبوك واخرجوك قدمهم
نضرب اعناقهم مکن علیا من
عقیل فیضرب عنقه ومکنی من فلان
نسیب لعمر فاضرب عنقه فان هؤلاء ائمة
الکفر وقال عبدالله بن رواحه یا رسول الله
انظر وادیا کثیر الحطب فادخلهم فیه
ثم اضرم علیهم نارا فقال له
العباس قطعت رحمك فسکت
رسول الله صلی الله علیه وسلم
لم یجبهم ثم دخل فقال ناس
یأخذ بقول ابی بکر وقال ناس
یأخذ بقول عمر وقال ناس یأخذ
بقول ابن رواحة خرج رسول
الله فقال ان الله لیلین قلوب
رجال حتی یکون الین من اللین
ویشدد قلوب رجال حتی یکون

یہ لوگ تیری قوم ہیں۔ تیرے اہل بیت ہیں
(ان میں ایک حضرت کے چچا عباس رض تھے جو اس وقت
مقابلہ میں آئے تھے۔ دوسرے عقیل حضرت
علی کے بھائی۔ تیسرے ابوالعاص بن ربیع
آنحضرت کے داماد (علی ہذالقیاس) ان کو
زندہ رہنے دے۔ اور اُنپر ترس کیا (ناظرین!
دیکھنا یہ قوم پروری و صلہ رحمی کا مشورہ ہے
جو عین دین ہے۔ یا دنیا طلبی کا) حضرت
عمر بولے یا رسول اللہ اُنہوں نے آپ کو
جھٹلایا۔ وطن سے نکالا ان کو ہمارے آگے
کریئے۔ ہم ان کی گردن ماریں۔ عقیل کو (اُنکے
بھائی) علی کے حوالہ کر کہ وہ اوس کی گردن
مارے۔ اور مجھے فلان (اُنکا رشتہ دار)
سپرد کر کہ میں اوسکو ماروں۔ عبداللہ بن رواحہ
بولے۔ یا رسول اللہ ان سب کو ایک ایسے جنگل
میں جہاں بہت سا ایندھن ہو داخل کر اور
پھر اوس میں آگ لگا دے۔ اسیر عباس رض
بولے تو نے (اے عبداللہ) اس تجویز سے
قطع رحمی کی۔ آنحضرت خاموش رہے۔ اور
گھر میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے مختلف
خیال کئے کہ فلان یا فلان کے قول پر آپ

اشد من الحجارة۔ وان مثلك يا
ابابكر مثل ابراهيم قال فمن
تبعني فانه مني ومن عصاني
فانك غفور رحيم۔ ومثلك يا
ابابكر مثل عيسى قال ان تعذبهم
فانهم عبادك وان تغفرلهم
فانك انت العزيز الحكيم۔ وان
مثلك يا عمر مثل نوح قال رب
لا تذر على الارض من الكفرين ديارا و
مثلك مثل موسى قال ربنا اطمس
على اموالهم واشدد على قلوبهم
فلا يومنوا حتى يروا العذاب الاليم
ثم قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم انتم اليوم عالة فلا
يفلتن منهم احد الا بفداء۔
(تفسیر معالم صـــ)

عمل کرینگے۔ آنحضرت گھر سے نکلے تو فرمایا کہ اللہ تعالے کسی کے دل کو دودھ سے زیادہ نرم کرتا ہے کسی کے دل کو پتھر سے زیادہ سخت کرتا ہے۔ تیری نظیر اے ابوبکر (ایک حضرت ابراہیم نبی ہیں جنہوں نے کہا تھا۔ خدایا جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہی ہے جس نے میری نافرمانی کی ہے۔ تو (اسکے لیے) غفور رحیم (بن جا) دوسرے حضرت عیسے نبی ہیں جنہوں نے کہا تھا خداوندا اگر تو ان کافروں مشرکوں کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے۔ یعنے اختیار میں ہیں اور اگر تو انکے گناہ بخش دے تو تو غالب باحکمت ہے۔ اور تیری نظیر اے عمر (ایک) نوح نبی ہے جسنے کہا تھا۔ خدایا زمین پر ایک کافر کو بھی چلتا پھرتا نہ چھوڑیو۔ دوسرے موسے جنہوں نے کہا تھا۔ خداوندا فرعون والوں کے مال مٹادے۔ اور انکے دل سخت کردے۔ وہ ایمان نہ لائیں گے جب تک عذاب دردناک نہ دیکھیں۔ پھر آنحضرت نے ابوبکر کی رائے کو پسند کیا۔ اور فرمایا کہ قیدیوں میں سے کوئی نہ چھوٹے جب تک اپنے بدلے روپیہ نہ دے یا مارا جائے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں منکرین عصمت کے اس اعتراض کہ قرآن میں کفار کی

گردن مارنے کا حکم آیت فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان میں صاف آپ کا تھا۔ قید کرنے سے اسکا خلاف ہوا جو گناہ ہے"۔ کے جواب میں کہا ہے کہ اس حکم میں اصحاب مخاطب تھے۔ کیونکہ بالاتفاق آنحضرت بذات خود قتل کفار سے مامور نہ تھے۔ اس حکم میں صحابہ مخاطب ٹھہرے۔ تو جب اُنہوں نے قتل کو

ان ھذا الخطاب انما کان مع الصحابة لاجماع المسلمین علی انہ علیہ السلام ما کان مامورًا ان یباشر قتل الکفار بنفسہ واذا کان ھذا الخطاب مختصًا بالصحابة فھم لما ترکوا القتل واقدموا علی الاسر کان الذنب صادرًا منھم لا من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و نقل ان الصحابة لما ھزموا الکفار وقتلوا منھم جمعا عظیما والکفار فروا ذھب الصحابة خلفھم و تباعدوا عن الرسول واسروا اولئٰک الاقوام ولم یعلم الرسول باقدامھم علی الاسر الا بعد رجوع الصحابة الی حضرتہ وھو علیہ السلام ما اسر وما امر بالاسر فزال السؤال۔ فان قالوا ھب ان

ترک کرکے کفار کو قیدی بنانے کی طرف توجہ کی تو یہ گناہ اُنسے سرزد ہوا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ روایت ہے کہ جب اصحاب نے کفار کو بھگا دیا اور بہت سے لوگوں کو اُن میں سے تہ تیغ کیا۔ اور کفار بھاگنے لگ گئے۔ تو اصحاب اُنکے پیچھے دوڑے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دور چھوڑ گئے اور اون لوگوں کو قیدی بنالیا۔ آنحضرت صلعم کو اُن کے اس فعل سے اسیوقت اطلاع ہوئی جب وہ انکو قیدی بناکر آنحضرت کے حضور میں لے آئے۔ آں حضرت نے کسی کو نہ خود قید کیا۔ نہ کسی کو قیدی بنانے کا حکم دیا۔ پس آں حضرت سے اعتراض دفع ہوا۔ اگر منکر یہ کہیں کہ ہاں یہ بیان واقعہ تو مسلم ہے۔ مگر جب قیدی آنحضرت کے حضور پہنچائے گئے تو پھر آنحضرت نے انکے قتل کا حکم کیوں نہ دیا تاکہ اس قول خداوندیکا۔ کہ اُن کی گردنیں

الامر كذلك لكنهم لما حملوا
الاسارى الى حضرته فلو لم يامر
قتلهم امتثالا بقوله فاضربوا
فوق الاعناق قلنا ان قوله فاضربوا
تكليف مختص بحالة الحرب عند
اشتغال الكفار بالحرب فاما
بعد انقضاء الحرب فهذا التكليف
ما كان متناولا له والدليل القاطع
عليه انه عليه السلام استشار
الصحابة فى انه بماذا يعاملهم
ولو كان النص متناولا لتلك الحالة
لكان مع قيام النص تاركا للحكم
وطالبا ذلك الحكم من مشاورة
الصحابة وذلك محال وايضا فقوله
فاضربوا فوق الاعناق امر والامر
لا يفيد الا المرة الواحدة وثبت
بالاجماع ان هذا المعنى كان واجبا
حال المحاربة فوجب ان يبقى
هذه الدلالة على ما وراء وقت
المحاربة - والجواب عما ذكروه
ثالثا وهو قولهم انه عليه الصلوٰة

مار و عمل ہوجاتا - تو اوسکے جواب میں ہم کہینگے
گردنیں مارنے کا حکم مذکور اسحالت میں ہے
کہ کفار لڑ رہے ہوں - نہ اسحالت میں کہ
لڑائی بند اور ختم ہوچکی ہو - اسپر قطعی دلیل
ہے کہ اسحالت بندش کے وقت آنحضرت
نے قیدیوں کی بابت اصحاب سے مشورہ
لیا - کہ اون سے کیا سلوک کیا جاوے -
اگر اسوقت گردنیں مارنے کا حکم ہوتا تو آنحضرت
اس حکم کو چھوڑ کر انکی بابت اصحاب سے
کیوں مشورہ لیتے - اور نیز گردنیں مارنیکے
حکم کی تعمیل ایک دفعہ کی خونریزی سے جو
بوقت جنگ ہوئی تھی ہوچکی - اس حکم میں
یہ نہیں پایا جاتا کہ لڑائی کے ختم
ہوجانے کے بعد بھی گردنیں مارتے رہو - اور
منکرین کے اس اعتراض کہ فدیہ (بدلہ کا روپیہ)
لینا حرام تھا" کے جواب میں کہا ہے کہ یہ
امر لائق تسلیم نہیں اور آیت "تریدون عرض
الدنیا" سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فدیہ
مطلقاً حرام ہے - اوّلاً اسلئے کہ وہ عذاب
جو انپر نازل ہونے لگا تھا وہ قتل چھوڑ کر
قید کی طرف متوجہ ہونے پر تھا - اس سے

والسلام حکم باخذ الفداء واخذ
الفداء محرم فنقول لانسلم ان
اخذ الفداء محرم واما قوله تریدون
عرض الدنیا فنقول هذا لایدل
علی قولهم وبیانه من وجهین الاول
المراد من هذه الآیة حصول العتاب
علی الاسر لغرض الفداء وذلك لا
یدل علی ان اخذ الفداء محرم
مطلقا۔ والثانی ان ابابکر قال
الاولی ان ناخذ الفداء لتقوی
العسکریة علی الجهاد وذلك
یدل انهم طلبوا ذلك الفداء
المتقوی به علی الدین۔ وهذه الآیة تدل
علی ذم من طلب الفداء لمحض غرض
الدنیا ولا تعلق لاحد البابین بالثانی
وهذا الجوابان بعینهما هما الجوابان
عن تمسکهم بقوله تعالی لولا کتب
من الله سبق لمسکم فیما اخذتم
فیه عذاب عظیم۔ والجواب عما
ذکروه۔ رابعًا ان بکاء الرسول علیه
السلام یحتمل ان یکون لاجل ان

یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ فدیہ جو موقوفی لڑائی
کے بعد قیدیوں سے لیا گیا تھا۔ لینا ہی
حرام تھا۔ ثانیاً اسلئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ
کہا تھا۔ کہ بہتر یہ ہے کہ ہم ان سے فدیہ
لے کر جہاد کفار پر جرءت و قوت پائیں
اس قول سے ثابت ہے کہ فدیہ لینا دین
کی قوت حاصل کرنے کے لئے تھا۔ اور
آیت مذکورہ سے صرف اس فدیہ لینے
کی مذمت سمجھی جاتی ہے۔ جو بغرض دنیا
اور ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے
یہی دو نو جواب بعینہ اس آیت سے تمسک
منکرین کے جواب میں جسمیں بیان ہے
کہ تیر فدیہ لینے کے سبب عذاب نازل
ہوتا (حاصل جواب یہ کہ قتل چھوڑ کر
فدیہ کے طالب ہونا۔ اور طلب فدیہ محض
دنیا کی غرض سے نہ دین کی نیت سے ہوتا
سبب نزول عذاب ہوتا) اور منکرین
عصمت کے اس اعتراض کہ آنحضرت و
ابوبکر عذاب دیکھکر رونے لگے" کے جواب
میں کہا ہے کہ یہ رونا ان لوگوں پر عذاب
نازل ہونے کے خوف سے تھا۔ جو قتل

بعض الصحابة لما خالفوا امر الله
في القتل واشتغل بالاسر
استوجب العذاب - والجواب
عما ذكروه خامسًا ان ذلك
العذاب انما نزل بسبب ان
اولئك الاقوام خالفوا امر الله
بالقتل واقدموا على الاسر
حال ما وجب عليهم الاشتغال
بالقتل (تفسیر کبیر ۳۶۸ جلد ۴)

کو چھوڑ کر قیدی بنانے کی طرف متوجہ ہوگئے
تھے۔ وہی لوگ مستحق عذاب تھے نہ حضرت
ابوبکر جنہوں نے فدیہ کی تجویز نکالی تھی۔ اور
نہ آنحضرت جنہوں نے تجویز قبول و پسند فرمائی
یہی جواب اس اعتراض منکرین کا جواب ہے
کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو اس سے بجز عمرؓ و سعدؓ
کوئی نہ بچتا۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ انہی لوگوں
کے سبب عذاب آنے لگا تھا۔ جنہوں نے
قتل چھوڑ کر بغرض دنیا قیدی بنانے کا
لالچ کیا۔ ان ہی میں سے کوئی نہ بچتا۔ مگر ایک حضرت عمرؓ جنہوں نے انکے فعل و منشاء
کے برخلاف عمل کیا اور اسکا مشورہ دیا۔

بالجملہ اس آیت سے آنحضرت کا حکم فدیہ میں گناہ کرنا یا خطاءِ محض کرنا ثابت نہیں
ہوتا۔ اس آیت سے جس فعل کی مذمت مفہوم ہوتی ہے وہ آنحضرت کا فعل نہیں ہے
بلکہ اور لوگوں کا فعل ہے۔

ایسی ہی دو آئیں اور منکرین عصمت پیش کرتے ہیں جنسے انبیاء کا حکم و فتوے
میں خطا کرنا بزعم خود ثابت کرتے ہیں۔ اور درحقیقت انسے انکا گناہ یا خطا ثابت
نہیں ہوتا۔ شائق ملاحظہ تفسیر کبیر جلد اول دیکھے۔

افعال میں گناہ کرنے انبیاء کے ثبوت میں منکرین عصمت بہت
سے واقعات اور دلائل پیش کرتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک واقعہ حضرت
آدم علیہ السلام ہے کہ اُنہوں نے شجرۂ ممنوعہ سے کھالیا۔ اس فعل کے گناہ کبیرہ ہونے پر
وہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں (۱) خدا تعالے نے اس فعل کے سبب حضرت آدم کو عاصی کہا

(۲) غاوی فرمایا۔ (۳) ان کی توبہ کا ذکر کیا گنہگار کرتا ہے۔ (۴) آدم ایک ایسے فعل کا مرتکب ہوا جس سے اوسکو منع کیا گیا تھا۔ (۵) اوسکو ظالم کہا گیا۔ (۶) اسکو خاسر کہا گیا ہے۔ (۷) آخر اوسکو اس قصور کی سزا میں جنت سے نکالا گیا ہے۔

امام رازی نے ان وجوہات ہفتگانہ کے جواب میں کہا ہے۔ کہ منکرین کا مدعا تب ثابت ہو۔ جبکہ آدم کا اسوقت نبی ہونا ثابت ہو۔ اور یہ امر مسلم نہیں اور کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ پھر کہا ہم نے یہ بھی فرض کیا کہ وہ اسوقت نبی تھے تب بھی وہ اس فعل سے مرتکب کبیرہ نہیں ہوسکتے اس فعل کے وقت یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس حکم خداوندی کو کہ "اس درخت کے نزدیک نہ جانا" بھول گئے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ فعل اون سے عمداً وقوع میں آیا ہو۔ اول احتمال کے ایک جماعت متکلمین قائل ہے ان کی دلیل آدم کے بھول جانے پر یہ قول خداوندی ہے کہ ہمنے آدم کو ایک حکم دیا پھر وہ اسکو بھول گیا۔ انہوں نے آدم کی نظیر اس روزہ دار کو قرار دیا ہے جو کسی کام میں مشغول ہوکر اپنے روزہ دار ہونے کو بھول جاتا ہے۔ اور خوب کھا پی لیتا ہے۔ اسپر

والجواب المعتمد عن الوجوہ السبعة عندنا ان نقول کلامکم انما یتم لو ثبت بالدلالة علی ان ذلک کان حال النبوة و ذلک ممنوع فلم لا یجوز ان یقال ان آدم حال ما صدرت عنه هذه الزلة ما کان نبیا ثم بعد ذلک صار نبیا ونحن قد بینا انه لا دلیل علی هذا المقام لنفرض انه صدر ذلک الفعل عن آدم بعد النبوة فاقدامه علی ذلک الفعل اما ان یکون حال کونه ناسیا او حال کونه ذاکرا۔ اما الاول وهو انه فعله ناسیا فهو قول طائفة من المتکلمین و احتجوا بقوله تعالی فنسی ولم نجد له عزما ومثلوه بالصائم

يشتغل بامر يستغرقه ويغلب عليه فيصير ساهيا عن الصوم ويأكل في اثناء ذلك السهو عن قصد لا يقال هذا باطل من وجهين الاول ان قوله تعالى ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة الا ان تكونا ملكين وقوله وقاسمهما اني لكما لمن الناصحين - يدل على انه ما نسي النهي حال الاقدام؛ الثاني لو كان ناسيا لما عوتب على ذلك الفعل؛ اما الجواب عن الوجه الاول فهو انا لا نسلم ان آدم وحوا قبلا من ابليس ذلك الكلام ولا صدقاه لانهما لو صدقاه لكانت معصيتهما في ذلك التصديق اعظم من اكل الشجرة لان ابليس لما قال لهما ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة الا ان تكونا ملكين او تكونا من الخالدين - فقد القى اليهما سوء الظن بالله ودعاهما

دو وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے - اوّل یہ کہ قرآن میں صاف آچکا ہے کہ شیطان نے آدم و حوّا کو کہا - کہ خدا تعالےٰ نے تمکو اس درخت سے کھا لینے سے اسلئے روکا ہے کہ اوسکو کھا کر تم کبھی فرشتے نہ بن جاؤ - یا اس بہشت میں ہمیشہ کے لئے نہ رہ پڑو اور پھر اسپر شیطان نے قسم بھی کھائی کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں - وجہ دوم یہ کہ اگر یہ فعل سہو و نسیان سے ہوتا تو اسپر عتاب نہ ہوتا - کیونکہ سہو و نسیان پر مواخذہ نہیں ہے - ان وجوہات سے وجہ اوّل کا جواب یہ ہے کہ یہ امر لائق تسلیم نہیں ہے کہ آدم و حوّا نے شیطان کی اس بات کو تصدیق کرلیا اور مان لیا تھا - اور اسی حالت تصدیق و تسلیم میں وہ فعل کیا ایسا ہوتا تو اس تصدیق و تسلیم کے سبب وہ درخت کھا لینے کی نسبت زیادہ گنہگار متصور ہوتے - اور اسپر زیادہ مورد عتاب ہوتے - کیونکہ جب اون کو ابلیس نے یہ کہا - کہ تم اسلئے اس درخت سے روکے گئے ہو کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ - یا ہمیشہ

الی ترك التسلیم لامره والرضا بحكمه والی ان یعتقد فیه كون ابلیس ناصحا لهما وان الرب قد غشهما ولاشك ان هذه الاشیاء اعظم من اكل الشجرة فوجب ان تكون المعاتبة فی ذلك اشد وایضا فكان آدم عالماً بتمرد ابلیس عن السجود وكونه مبغضا له وحاسدا له علی ما آتاهما الله من النعم فكیف یجوز من العاقل ان یقبل قول عدوه مع هذه القرائن ولیس فی الآیة انهما اقدما علی ذلك عند ذلك الكلام اوبعده ویدل علی ان آدم كان عالما بعداوته قوله تعالی ان هذا عدو لك ولزوجك فلا یخرجنكما من الجنة فتشقی (تفسیر كبیر جلد اول ص۴۶۳ مصر)

بہشت میں نہ رہ پڑو۔ اور میں تمہارا اس کہنے میں خیر خواہ ہوں۔ تو اُن دونوں کو خدا کی طرف سے بدظن کیا۔ اور یہ کہا کہ خدا نے تمکو دہوکہ دیا یا تم سے کھوٹ کرنا چاہا ہے۔ اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اس کی ان باتوں کو آدم و حوا نے مان لیا تو درخت کھانے سے بڑھ کر جرم کیا۔ لہذا ان باتوں کے قبول کرنے پر اوس کو زیادہ عتاب ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ اون پر کچھ عتاب نہیں ہوا۔ اور نیز حضرت آدمؑ کو شیطان کا سجدہ سے سرکشی کرنا اور حضرت آدمؑ کی انعام و اکرام پر اُنسے حسد عداوت کرنا بھی معلوم تھا۔ خدا تعالی نے خود اونکو فرما دیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تمکو بہشت سے نہ نکال دے۔ پھر (حضرت آدم جیسے) عاقل سے کیونکر متصور تھا کہ اوس کی باتوں کو وہ مان لیتا۔ اور ان باتوں کو سنکر وہ اس فعل کا مرتکب ہوتا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ درخت کھانے کے وقت خدا کے حکم ممانعت اور شیطان کی ان باتوں سب کو بھول گئے تھے۔

واما الجواب عن الثانی فهو ان العتاب انما حصل علی ترك التحفظ

وجہ دوم کا جواب یہ کہ یہ عتاب نسیان و سہو پر نہیں ہوا۔ بلکہ اس قصور پر ہوا۔ کہ انہوں نے

من اسباب النسيان وهذا
الضرب من السهو موضوع عن
المسلمين وقد كان يجوز ان يواخذوا
به وليس بموضوع عن الانبياء
لعظم خطرهم وعلوه بقوله
يا نساء النبي لستن كاحد من النساء
ثم قال من يات منكن بفاحشة
مبينة يضاعف لها العذاب
ضعفين۔ وقال عليه السلام
اشد الناس بلاء الانبياء ثم
الاولياء ثم الامثل فالامثل فان
قيل كيف يوثر عظم حالهم وعلو
منزلتهم في حصول شرط في تكليفهم
دون تكليف غيرهم قلنا لما سمعت
حسنات الابرار سيئات
المقربين ولقد كان على النبي
صلى الله عليه وسلم من التشديدات
في التكليف مالم يكن على غيره
اما القول الثاني وهو انه عليه
السلام فعله عامدا فههنا اربعة
اقوال × × ×

ایسے اسباب وسائل کیوں نہ بہم پہنچا رکھے
کہ وہ ان کو نسیان سے بچاتے (جیسے
کوئی دوسرے کو کہہ دیتا ہے کہ فلاں امر
مجھے یاد کرا دینا۔ یا اوسکو نوٹ کر لیتا ہے
یا اُسکے لئے پہرہ بٹھا دیتا ہے) اس قسم کا
سہو و نسیان اگرچہ عام مسلمانوں کو معاف
ہے۔ اور اُنپر اُن کو مواخذہ نہیں (گو اخذ
ہو تو جائز ہے) مگر ایسا نسیان انبیاء کے
لئے معاف نہیں۔ کیونکہ اون کی شان و درجہ
بلند ہے۔ اوس کی مثال وہ قول خداوندی
ہے کہ اے نبی کی بیویاں تم اور عورتوں کی
مانند نہیں ہو۔ پھر اُن کو فرمایا تم میں سے
کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اوسکو
دوسری عورتوں کی نسبت دوگنا عذاب
ہوگا۔ اور آنحضرت نے فرمایا ہے۔ کہ سب سے
زیادہ محل بلا و امتحان انبیاء ہوتے ہیں۔ پھر
اولیاء پھر جو افضل ہو۔ ان کے بعد جو افضل ہو
اگر سوال کرو کہ نبی کا عالی رتبہ اُن کو ایسی
سختی سے مکلف ہونے کا باعث کیوں ہوا
تو اوسکے جواب میں ہم کہیں گے تم نے یہ
نہیں سُنا عام نیکوں کی بھلائیاں خاص

القول الرابع هو اختيار اكثر المعتزلة انه اقدم على الاكل بسبب اجتهاد اخطاء فيه وذلك لا يقتضي كون الذنب كبيرة بيان الاجتهاد الخطاء انه لما قيل له ولا تقربا هذه الشجرة فلفظ هذه قد يشار به الى الشخص وقد يشار به الى النوع۔ وروى انه عليه السلام اخذ حريرا وذهبا بيده فقال هذان حل لاناث امتي حرام على ذكورهم واراد به نوعهما ولما سمع ادم قوله ولا تقربا ظن ان النهي انما يتناول تلك الشجرة المعينة وتناول من شجرة اخرى من ذلك النوع لانه كان مخطيا في ذلك الاجتهاد لان مراد الله تعالى من كلمه هذه كان النوع لا الشخص فان اعترض عليه بوجوه منها انه كيف صار هذا القدر من الخطاء سببا لان نزع عن ادم

مقربین کی برائیاں متصور ہوتی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف احکام میں اس قدر سختیاں تھیں کہ وہ کسی دوسرے پر نہ تھیں (جیسے آنحضرت کا روزہ میں وصال کرنا۔ یعنے روزہ پر روزہ رکھنا اور بیچ میں کچھ نہ کھانا۔ یا نماز تہجد کا آپ پر فرض ہونا۔ یا موجودہ عورتوں (جنمیں اکثر پیر سالہ تھیں) کے بعد کسی عورت کو نکاح میں نہ لانا یا آپ کے اہل و اولاد کا زیور و لباس زینت دنیا سے محترز رہنا وغیرہ) دوسرے احتمال میں کہ وہ فعل عمداً ہوا ہے چار قول ہیں۔

از انجملہ چہارم قول جو اکثر معتزلہ کا قول ہے۔ یہ ہے۔ کہ وہ فعل حضرت آدم سے غلطی اجتہاد سے ہوا ہے جس سے لازم نہیں آتا کہ اسمیں انہوں نے گناہ کبیرہ کیا ہو۔ خدا نے جب فرمایا کہ اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ۔ تو انہوں نے اس سے ایک خاص درخت سمجھ لیا۔ "ہذہ" یا "اوس"۔ کا لفظ بولا جاتا ہے تو کبھی اس سے کوئی خاص چیز مراد ہوتی ہے۔ کبھی اس جنس کی عام چیزیں جیسے

لباسه واخرج عن الجنة ثم اجاب عنه بان ذالك يجوز يختلف باختلاف الاشخاص كما ان الرسول عليه السلام مخصوص بامور كثيرة فى باب التشديد فكذا ههنا (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۴۶۴ وغیرہ مختصرا غاية الاختصار

آنحضرت نے ایک دفعہ ریشمی کپڑا اور سونا ہاتھ میں لیا۔ اور کہا کہ یہ دو تو میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ مردوں کیلئے حرام۔ حضرت آدم نے جب لفظ اس درخت کا سُنا تو یہ سمجھ لیا کہ یہ حکم ممانعت خاص ایک درخت کے متعلق ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ اور اوسکو چھوڑکر دوسرے درخت سے کھالیا۔ اور اسمیں خطا کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ خدا کی مراد اس سے جنس درخت تھی نہ خاص کوئی درخت۔

پھر اس قول پر کئی وجوہ سے اعتراض کیا۔ ازانجملہ ایک یہ کہ فعل آدم اجتہادی سے ہوتا تو اُسپر اسقدر عتاب کیوں ہوتا۔ کہ اُنکا لباس اوتارا گیا اور اون کو بہشت سے نکالا گیا۔ پھر اسکا جواب یہ دیا کہ یہ عتاب ان کے علو رتبہ کی وجہ سے ہوا۔ اور یہ امر بنظر اختلاف اشخاص مکلفین جائز ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے امور تکلیفی میں سختیوں سے مخصوص تھے۔ ویسے حضرت آدم ہوسے لئے بڑوں کی چھوٹی بات بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ اور اُسپر انکو ایسی سخت سزا ملتی ہے جو چھوٹوں کو بڑی بات پر نہیں ملتی۔)

تجویز۔ یہان حضرت آدم پر شاید کوئی اعتراض کرے کہ اسصورت میں اس فعل حضرت آدم میں شیطان کا کچھ دخل نہوا۔ پھر آیات منقولہ حاشیہ میں

فازلهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كان فيه (البقرہ۔ ع ۴۔)

اس فعل آدم اور اوسکے نتیجہ خروج از بہشت کو شیطان کی طرف منسوب کیوں کیا گیا ہے۔

فوسوس لهما الشیطان لیبدی عنهما (اعراف ع ۲) یبنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ (اعراف ع ۳)

اسکا جواب یہہ ہے۔ کہ گو بوقت عین اقدام فعل حضرت آدم کو نسیان لاحق ہوا مگر اس سے پیشتر ابلیس لعین بھی ان کے اخراج و اغوا کے فکر میں رہا۔ اور وسوسہ پیش کرتا رہا۔ اسکے اس فعل اور نیت کی وجہ سے یہ فعل اور اُسکا نتیجہ اسکی طرف منسوب ہوا۔ تو کیا بُرا ہوا۔

اور چونکہ ہر بُرائی اور خطا یا غلطی در اصل شیطان ہی کی ڈیوٹی یا خصلت ہر اور نیکی یا صواب و راست روی ملکی صفت۔ بنائً علیہ ابن آدم برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اسمیں اسی کا پیروکار کہلاتا ہے۔ نیکی کرتا ہے تو وہ اس صفت میں نائب ملک کہلاتا ہے۔ لہذا الہامی کتاب کا عام محاورہ ہے کہ اسمیں ہر برائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص خواہ کوئی فعل بد کرے اوس کو شیطان کا فعل بتایا جاتا ہے۔ حضرت یوشع بن نون حضرت موسے کے ساتھی اپنے سفر دریا میں مچھلی کا حال حضرت موسے سے کہنا بھول گئے تو وہ بھی یہی لفظ بولے کہ مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا۔ کہ میں اوسکا حال آپ کے پاس ذکر کروں حالانکہ

ارایت اذا اوینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسانیہ الا الشیطان ان اذکرہ (کہف۔ ع۔ ۹۔)

وہاں اسوقت ان کے پاس نہ شیطان اپنی صورت میں یا بصورت انسان آیا۔ اور نہ اونکو اُسنے کسی اور خیال یا باتوں جیتوں میں لگاکر مچھلی کا ذکر بھلایا۔ ایسا ہوتا تو قرآن یا حدیث میں یا مفسرین کی تفسیروں میں اسکا ذکر ہوتا اسوجہ سے بھی اس فعل آدم اور اُسکے نتیجہ کو شیطان کی طرف منسوب کرنا غلط اور ناروا نہیں ہے۔

بالجملہ اس بحث و بیان سے بخوبی ثابت ہوا۔ کہ حضرت آدم نے اس درخت کھانے

کے وقت دیدہ دانستہ خدا کا گناہ نہیں کیا - اون کو اس فعل کے وقت نسیان عارض ہو گیا تھا - یا اسمیں اُن سے خطا اجتہادی کا ارتکاب ہوا جس سے اون کی معصومیت کا بطلان نہیں ہوتا - جو لوگ اس فعل حضرت آدم سے انکا غیر معصوم ہونا نکالتے ہیں اور اس فعل میں اپنے باپ کو گنہگار بناتے ہیں - وہ اپنے باپ کے ناشکر ہیں - اور ناخلف اولاد کہلانے کے مستحق ہیں -

ہاں بھول چوک کی تجویز سے چارہ نہیں - اور نہ اُسپر اولاد کی طرف سے حضرت آدم پر کچھ طعن یا مذمت ہو سکتی ہے - یہ بھول چوک حضرت آدم سے ہوئی - تو اون کی اولاد سے بھی ہولی لازم ہے - اور باپ کی وراثت اولاد کو پہنچنا ضروری ہے - حضرت نے فرمایا ہے نسی ادم فاکل من الشجرۃ فنسیت ذریتہ وخطاء ادم فخطاءت ذریتہ (مشکوٰۃ صفا) اور یہ بھی کہا گیا ہے اوّل الناس اوّل ناس پھر اس بھول چوک کے سبب آدم پر وہ طعن کر سکتا ہے جو اولاد آدم سے خارج ہو اور ابن آدم نہ کہلاوے -

وازانجملہ قصہ حضرت نوح علیہ السّلام ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم کے لئے بد دعا کی - پھر حسب مدعا اُن کے عذاب طوفان آگیا تو آپ نے لڑکا فرزند کے لیئے نجات کی دعا کی منکرین عصمت کہتے ہیں کہ یہ دونو فعل نوح کے معصیت ہوئے جسکے لئے اُنہوں نے بعد ان فعلوں کے خدا سے بخشش بھی مانگی اور قیامت کے دن اپنے اس گناہ کو یاد کر کے وہ شفاعت کے لائق ہونے سے انکار کرینگے - چنانچہ حدیث مشہور شفاعت میں یہ تصریح آچکی ہے -

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا - رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ (سورۃ نوح - ع ۲) رب ان ابنی من اھلی وان وعدك الحق وانت احکم الحاکمین - قال یا نوح انہ لیس من اھلك انہ عمل غیر صالح

فلاتسئلن عمّا لیس لك به علم
انّی اعظك ان تکون من الجاهلین
قال ربّ انّی اعوذ بك اَنْ اسئلك
ما لیس لی به علم وان لا تغفرلی
وترحمنی اکن من الخسرین (سورہ
ہود ع ۴۔)
فیأتون نوحًا فیقول انّی قد کانت
لی دعوۃ دعوت بها علی قومی
نفسی نفسی (تیسیر الوصول ومشکوۃ ص۴۸۸)
ولفظ المشکوۃ یذکر خطیئته التی
اصاب سواله ربه بغیر علم
قال قتادۃ دعا علیهم بعد ان
اوحی الیه انه لن یؤمن من قومك
الا من قد امن فاجاب الله دعاءہ
واغرقهم (فتح البیان صفحہ ۹۶ جلد ۲)
قال ابن عباس لما جاءہ هذا من
عند الله دعا علی قومه (تفسیر کبیر
صفحہ ۱۸۔ جلد ۵۔)
لما دعا علی الکفار قال بعدہ رب
اغفرلی ای فیما صدر عنی من ترك
الافضل (تفسیر کبیر جلد ۸۔ صفحہ ۲۱۲۔)

اسکا جواب یہ ہے کہ ان دونو نقلوں
(بد دعا اور دعا) میں حضرت نوح نے کسی
امر یا نہی کا دیدہ دانستہ خلاف نہیں کیا
بلکہ یہ دعا تو انہوں نے اسوقت کی تھی جبکہ
خدا تعالے نے اُن کو فرما چکا تھا کہ اب تیری
قوم سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ یہ بات
ابن عباس وقتادہ وغیرہ نے کہی ہے لہذا
اُن کی ہلاکت کے لئے اُن کا بد دعا کرنا
ظاہرًا عین اتباع وتوافق اس قول خداوندی
کا تھا۔ ہاں اس سے بہتر وافضل یہ امر تھا
کہ (چنانچہ امام رازی نے کہا ہے) وہ شان
ابراہیمی وخلق مسیحی کے مطابق جسکا ذکر ص۳۷
میں ہو چکا ہے۔ پھر بھی اون پر رحم کرتے اور
اس رحم کے تقاضا سے وہ ظاہر اس قول
خداوندی میں "کہ اب کوئی ایمان نہیں لائیگا"
تخصیص کرکے تاویل کرتے اور یہ خیال فرماتے
کہ یہ ایک قول عام طور پر کہا گیا ہے۔ اور
ممکن ہے کہ اسمیں بعض لوگ خدا کے علم میں
مخصوص ومستثنے ہوں۔ اور اون کو خدا تعالے
ہدایت کرے۔ اس خیال سے وہ قوم کے لئے
دعا ہدایت ونجات کرتے۔ جیسا کہ اسی خیال

ثم لما علم نوح بان سؤاله لم يطابق الواقع وان دعاءه ناش عن وهم كان يتوهم بادر الى الاعتراف بالخطاء و طلب المغفرة والرحمة۔ وليس فى الاية ما يقتضى صدور ذنب ومعصية من نوح سوى تأويله واقدامه على سوال مالم يؤذن له فيه وهذا ليس بذنب ومعصية قال الخطيب اخطاء فى ذلك الاجتهاد كما ذنح لادم فى الاكل من الشجرة (فتح البيان ص۴۳۸ جلد ۲)

حمل هذه الوجوه على ترك الافضل والاكمل حسنات الابرار سيئات المقربين والا استغفار قد يكون بسبب ترك الافضل (تفسیر کبیر ص۹۳ جلد ۵)

غالبًا اُنہوں نے بیٹے کے لئے دعاء نجات کی تھی اور اس کے اخیر میں یہ بات بھی عرض کر دی تھی۔ کہ خداوند تو سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔ تو جو چاہے حکم کرسکتا ہے۔ یعنے جس قوم کے لئے تیرا حکم ہلاکت ہوچکا ہو۔ اس قوم سے تو بعض کو مخصوص و مستثنے کرسکتا ہے اور اس اصول پر تو میرے بیٹے کو گو وہ بظاہر مجھ سے منکر و غائب ہوگیا ہے۔ اور میرے اور اسکے بیچ میں طوفان کی موج آڑ ہوگئی ہے۔ تو توفیق ایمان عطا فرما کر غرق ہونے سے نجات بخشنے پر قادر ہے۔ اور اسلئے یہ دعا معصیت نہیں ہوسکتی ہے مگر جبکہ حضرت نوح نے قوم کیلئے ایسا نہ کیا بلکہ ظاہری عموم قول خداوندی سے متمسک ہوکر شان موسوی کے (جسکا ذکر (۲۳) صفحہ میں ہوا) مطابق قوم کیلئے بددعا کی تو آخر اس سے آپکو افسوس ہوا اور یہ خیال آیا کہ مجھ سے خلاف رحم اور ترک افضل ہوا۔ میں نے اپنے بیٹے کی مانند قوم کے حق میں کیوں دعاء نجات نہ کی جس پر اپنے خدا سے بخشش مانگی۔ اور جب خدا تعالے نے بیٹے کے حق میں دعاء کرنے سے اون کو منع کیا۔ اور صاف فرما دیا کہ وہ تیرا اہل (یعنے تیرے طریق پر) نہیں یعنے وہ ایمان نہیں لائیگا تو اوسکے لئے دعاء و سوال نہ کر۔ تو اوس سے آپ کو یقین ہوا۔ کہ وہ قول خداوندی

کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اپنے عموم پر ہے۔ اور میرا اسمیں تخصیص تجویز کرکے تاویل کرنا خطا ہے۔ لہذا اس فعل پر آپنے خدا سے بخشش مانگی۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ ان دونو فعلوں میں اُنہوں نے کسی امر یا نہی کا دیدہ و دانستہ صریح خلاف نہیں کیا۔ بلکہ اپنے خیال میں عین اتباع و توافق کیا تھا۔ مگر اپنے فعل (بددعا) میں آپسے ترک اولےٰ ہوا۔ اور دوسرے فعل دعار فرزند میں آپ سے خطا کا ارتکاب ہوا۔ جسکو گناہ و معصیت ہرگز نہیں کہا جاتا۔ ان ہی افعال ترک اولےٰ یا خطا کو آپ موقع شفاعت پر گناہ قرار دینگے۔ اور اون کی وجہ سے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے یہ آپکا کمال درجہ کا انقار ہے۔ اور چھوٹی بات (ترک افضل یا خطار) کو بڑا گناہ سمجھنا اہل کمال کا کام ہے۔ اور کسر نفسی اور فروتنی ان ہی کا شیوہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین عام نیکوں کی بھلائیاں خاص مقربین کی برائیاں متصور ہوتی ہیں۔ اور اس پر یہ سمجھنا اور نکال لینا کہ وہ واقعہ میں گنہگار تھے۔ ان لوگوں کا کام ہے جنکو مفاہیم کلام میں دخل نہیں۔ اور درجات و مراتب انبیاء و دیگر اہل کمالات کے علم سے حصہ نہیں۔

یہ جواب اگرچہ علمائے کرام کے اقوال و اشارات سے جو منقول ہوئے مستفاد و مفہوم ہوتا ہے مگر جو تقریر جواب اور اوس کی وجوہات مرقوم ہوئی ہیں وہ اس خاکسار کو خدا تعالےٰ نے الہام فرمائی ہیں۔

علمار کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ بددعا میں حضرت نوح نے ترک افضل کیا۔ مگر اسکی وجہ بیان نہیں کی۔ کہ کفار کے حق میں بعد الہام آلہی کہ وہ مومن نہ ہوں گے دعار ہلاکت کیوں خلاف افضل ہے یہ بھی علمار نے کہا ہے کہ حضرت نوح فرزند کے لیئے دعار کرنے میں خطار اجتہادی اور تاویل کی۔ مگر یہ نہ بتایا کہ حضرت نوح کے فرزند کو کشتی میں سوار ہونے اور کافروں کے ساتھ نہ رہنے کے لیئے بلانے اور بیٹے کے اس بیٹے

تکذیب و استہزاء کے ساتھ انکار کرنے اور انکے بیچ میں موج طوفان کے حائل ہو جانے اور لڑکے کے غرق ہو جانے کے بعدہ دعار نجات یا ایمان کا محل کیونکر ہو سکتا تھا۔ اور اس میں انہوں نے کونسی تاویل کی تھی جسمیں اُنسے خطا ہوئی۔ یہ دونو وجہیں خدا تعالےٰ نے خاکسار کو سجھائی ہیں۔ فللہ الحمد

وازانجملہ قصہ حضرت ابراہیم ہے۔ کہ اُنہوں نے تین جھوٹ بولے۔ ایک

فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم (والصافات - ع - ۳ -)
بل فعلہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون (الانبیاء - ع - ۵ -)
لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات ثنتان فی ذات اللہ تعالیٰ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا وقولہ لسارۃ ھی اختی (بخاری و مسلم)
وفی حدیث الشفاعۃ انی قد کنت کذبت ثلث کذبات فذکرھا نفسی نفسی (تیسیر الوصول ومشکوٰۃ ۴۸۰)
فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی الایۃ (انعام - ع - ۹ -)

اُنکا قوم کو جب اُنہوں نے اون کو اپنے میلہ میں لیجانا چاہا ستارہ دیکھ کر "انی سقیم" یعنے میں بیمار ہوں۔ کہنا۔ دوسرا انکا بتوں کو خود توڑنا۔ اور پھر کہنا بڑے بت نے اونکو توڑا ہے۔ تیسری اپنے بیوی سارہ کو بہن کہدینا۔ ان تینوں باتوں کو حدیث صحیح میں کذب کہا گیا ہے۔ اور خود حضرت ابراہیم شفاعت کے موقعہ پر اپنے یہ تینوں جھوٹ یاد کر کے نفسی نفسی کہیں گے۔ اور ان کی وجہ سے اپنا لائق شفاعت نہ ہونا بیان کرینگے چنانچہ حدیث شفاعت میں صاف آچکا ہے ایک جھوٹ اور بھی حضرت ابراہیم کے ذمہ منکرین عصمت لگاتے ہیں۔ بلکہ اوسکو انکے اعتقادی گناہ (کفر) شمار کرتے ہیں۔ وہ انکا ستارہ اور چاند سورج کو ھذا ربی کہنا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ پہلے تینوں جھوٹ گو صورت میں جھوٹ کے مشابہ

ہیں۔ اور ایک معنے ظاہری کی نظر سے اونکو جھوٹ کہا جا سکتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ صحیح معانی و تاویلات بھی رکھتے ہیں جنکی نظر سے اونکو سچ اور بالکل سچ کہا جا سکتا ہے اور یقیناً و قطعاً حضرت ابراہیم نے ان ہی معانی کے ارادہ سے وہ تینوں قول فرمائے ہیں۔ اور اُن معانی کی مراد ہونے سے آپ سچے تھے۔ گو اُنکے مخاطبوں نے وہ معنے انکے نہیں سمجھے۔ اور نہ وہ معانی حضرت نے اپنے مخاطبین کو سمجھانے چاہے۔ اور اُن ہی معنے کی مراد سمجھی جانے سے وہ اقوال جھوٹ اور خلاف واقعہ قرار دیئے گئے ہیں۔

غرض ان اقوال کے دو معنے ہیں۔ ایک وہ جو حضرت ابراہیم نے مراد رکھے جنکی نظر سے وہ اقوال سچے ہیں۔ دوسرے وہ معنے جو مخاطبین کو آپ نے سمجھائے اور اونہوں نے سمجھے۔ ان معانی کی نظر سے وہ الفاظ جھوٹ کہلاتے ہیں۔ ایسے دو معنے (یا بقول عوام ذو معنے) کلام توریہ و تعریض کہلاتی ہے۔ جسکا شرع محمدی میں یہ حکم ہے کہ ضرورت کے وقت (جبکہ اس سے اپنے حق کو بچانا یا حاصل کرنا مقصود ہو) اسکا استعمال جائز ہے۔ بغیر حالت ضرورت میں جب ایسی کلام سے کسی کو نقصان پہنچانا یا اُسکا حق تلف کرنا مقصود ہو جائز نہیں ہے۔

اسکی ایک دو مثالیں ہم اپنی بول چال میں بیان کرتے ہیں۔ پھر ان اقوال ثلثہ کے صحیح معانی کی تشریح کریں گے۔

تم سے ایک شخص ناحق اور ظلم سے کچھ روپیہ لے کر دبانا چاہتا ہے۔ تو تم اوسکے جواب میں اگر یہ کہو کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور اس سے یہ مراد رکھو کہ میری جیب یا ہاتھ میں نہیں گو صندوق میں بہت کچھ ہو۔ تو یہ کلام جائز اور سچ ہے۔ گو ان معنے کی نظر سے جو مخاطب نے اس سے سمجھے ہوں جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔

وہی روپیہ اگر واجبی اس شخص کا حق ہو اور پھر تم اپنی جیب یا ہاتھ میں نہ ہونے کی نیت و مراد سے یہ کہدو کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے تو یہ تمہارا کلام جائز نہیں ہے

اور سراسر جھوٹ اور دہوکہ بازی ہے۔ گو تمہاری نیت اور معنے مراد سے وہ سچا ہو۔

دوسری مثال ایک ظالم ایک شخص کو ظلماً مارنا چاہتا ہے۔ اور وہ مظلوم تمہارے گھر آکر چھپ گیا تم اگر عندالاستفسار ظالم سے یہ کہدو کہ وہ یہاں نہیں ہے اور اس سے مراد وہ خاص ٹکڑا زمین کا جہاں تم کھڑے ہو یا جہاں تم نے انگل یا ہاتھ رکھ دیا ہو دل میں ٹھہرالو۔ تو تمہارا یہ قول سچ اور جائز ہے۔ اور اگر وہ شخص ظالم ہے جسکو تم نے چھپایا ہے اور پکڑنے والا مظلوم ہے تو عندالاستفسار تمہارا یہ کہنا کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اور اس سے مراد وہ ٹکڑا زمین یا وہ جگہ جہاں تمہارا ہاتھ ہو ٹھیرا لینا جائز نہیں ہے۔ اور اس سے وہ کلام سچ اور جائز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ سراسر جھوٹ اور ظلم ہے۔

اور اسکے وہی معنے مراد سمجھے جانے متعین اور ضروری ہیں جو تمہارے مخاطب مظلوم نے سمجھے ہیں۔ ایسے مواقع پر جہاں کوئی بلا ضرورت و ناحق تعریض کرے اور کلام کے ظاہری معنے چھوڑ کر کوئی اور معنے دل میں ٹھیرالے۔ اور اُسپر قسم کھا جائے شریعت محمدی میں اُسکا حکم یہ آچکا ہے۔ کہ اوس کلام کے وہی معنے مراد سمجھے جائیں گے

یمینك علی ما یصدقك صاحبك (صحیح مسلم مشکوۃ ص ۳۰۰)

جو مخاطب نے سمجھے۔ اور ان ہی معنے کی نظر سے اوسکو جھوٹا (اگر مطابق واقعہ نہ ہوں) یا سچا (اگر وہ مطابق واقعہ ہوں) قرار دیا جائیگا۔

ان تمثیلات سے تعریض کے معنے اور حکم ناظرین امید ہے سمجھ لینگے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ان **اقوال ثلثہ** حضرت ابراہیم کے صحیح معنے جنکی نیت و مراد سے انہوں نے وہ اقوال فرمائے تھے۔ اور ان معنے کر وہ اقوال سچ اور صحیح ہوسکتے ہیں۔ کیا ہیں۔

آپ کا پہلا قول انی سقیم یعنے میں بیمار ہوں۔ اس نیت و مراد سے

قوله ان سقيم اى مريض القلب
بسبب اطباق ذلك الجمع
العظيم على الكفر والشرك
(تفسیر کبیر صفحہ ۱۵ جلد ۷)
وهذا تورية وتعريض لما
قال للملك حين ساله عن سارة
هى اختى يعنى اخوة الدين
وقال سعيد بن جبير اشار لهم
الى مرض يسقم ويعدى
وهو الطاعون وكانوا يهربون
من ذلك قال ابن عباس سقيم
اى مريض وقال الحسن مطعون
وهذا قال فتولوا عنه مدبرين
اى تركوه وذهبوا مخافة العدوى
(فتح البیان صفحہ ۔۔۔)

کہا گیا تھا۔ کہ اگر میں تمہارے بتوں کے
میلہ میں جاؤنگا تو دل کی بیماری سے
بیمار یعنے گہنگار یا غمزدہ ہو جاؤں گا اور
اون کے مخاطبون نے اس کلام سے یہ
مطلب سمجھا۔ کہ اوسکو کوئی ایسا وبائی
مرض ہے یا ہونے والا ہے۔ جو متعدی
ہوتا ہے۔ یہ معنے سمجھ کر وہ آپ کو چھوڑ گئے
اور میلہ میں نہ لے گئے۔ یہی اس کلام
کے ظاہری معنے سمجھانے سے حضرت ابراہیم
کا مقصود تھا۔ وہ لوگ میلے میں چلے
گئے۔ تو آپ نے اون کے بتوں کا کام
تمام کیا۔ اور سب کو توڑ پھوڑ کے تبر
کلہاڑہ کو بڑے بت کے کندھے پر
رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ یہ فعل اسی نے
کیا ہے۔

آپ کا یہ قول دوم۔ کہ یہ فعل بڑے بت نے کیا ہے۔ اس نیت و امراد سے

ان تصد ابراهيم عليه السلام
لم يكن الى ان ينسب الفعل
الصادر عنه الى الصنم وانما قصد
تقريره لنفسه واثباته لها على اسلوب
تعريضى يبلغ فيه غرضه من

فرمایا گیا تھا کہ یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ فعل
میں نے کیا ہے۔ مگر یہ کہنا تعریض اور رمزی کے
طور پر ہوا ہے تاکہ وہ اس قول کے ظاہری
معنے سمجھ کر اوسکا اثر بتوں میں نہ پا کر شرمندہ
و ذلیل ہوں اور ان پر حجت پوری ہو۔

الزامهم الحجة وتبكيتهم وهذا
كما لو قال لك صاحبك وقد كتب
كتابا بخط رشيق وانت شهير بحسن
الخط اءنت كتبت هذا وصاحبك
امي لا يحسن الخط ولا يقدر الا على
خرمشة فاسدة قلت له بل
كتبت انت قصدك بهذا
الجواب تقريره لك مع الاستهزاء
به لا نفيه عنك واثباته للامي
(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۳)

اُس کی مثال ایک خوشنویس کا ایک
بدخط کو جس نے خوشنویس کے ایک کتبہ
کی نسبت پوچھا ہو کہ کیا یہ تم نے لکھا ہے
یہ کہنا کہ نہیں تمہارا لکھا ہے جس سے اُسکا مقصود یہ ہوتا ہے
کہ تو پوچھتا کیا ہے۔ یہ میرا لکھا نہیں تو تیرا لکھا ہے؟ اس قول کے
ظاہری معنے ہیں جو اس فعل کے بت کیطرف
نسبت ہوئی۔ تو اوسکو سُن کر مخاطبین شرمندہ
ہوئے اور صحیح معنے اس قول کے سمجھ گئے
کہ یہ ہم سے ہنسی کرتا ہے۔ اور یہ کہہ رہا ہے
کہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر آخر عناد و جہل
سے اس سمجھ پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔ کہ وہ قول ابراہیم کو

فرجعوا الى انفسهم اى رجع بعضهم
الى بعض وذلك انهم تنبهوا و
فهموا عند هذه المقالة ان من
لا يقدر على دفع المضرة عن
نفسه يستحيل ان يكون مستحقا
للعبادة فقالوا انكم انتم الظلمون
لانفسكم بعبادة هذه الجمادات
ثم نكسوا على رؤسهم رجعوا
الى جهلهم وعنادهم شبه سبحانه
عودهم الى الباطل بصيرورة

سُن کر وہ اپنے جی میں سوچنے لگے۔ اور آپس میں
بولے کہ ظالم تم ہی ہو۔ پھر اوندھے ہو کر
گرے۔ اور بولے تو جانتا ہے کہ بت
تو نہیں بولتے۔ پھر حضرت ابراہیم بولے
پھر کیا اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہو
جو کچھ نفع نہ دے اور نہ نقصان پہنچا دے
تف ہے تم کو اور تمہارے معبودوں کو
تم عقلمند نہیں بنتے۔
تیسرے قول (بیوی کو بہن کہنے)
کے صحیح معنے و دلی مراد حضرت ابراہیم

اسفل الشئ اعلاہ لقد علمت ماھو لاء ینطقون (فتح البیان ص ـ)

اپنی زبان مبارک سے بذات خود بتا گئے ہیں کسی دوسرے کی توجیہ وتاویل کی حاجت باقی نہیں چھوڑ گئے۔

صحیح مسلم میں اس حدیث کے ضمن میں آنحضرت سے مروی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ثلث کذبات ابراھیم وواحدۃ فی شان سارۃ فانہ قدم ارض جبار ومعہ سارۃ کانت احسن الناس فقال لھا ان ھذا الجبار ان علم انک امرأتی یغلبنی علیک فان سألک فاخبریہ انک اختی فانک اختی فی الاسلام فانی لا اعلم فی الارض مسلمًا غیری وغیرک (صحیح مسلم ص۲۶۶ جلد۲-) فسألہ عنھا فقال من ھذہ قال اختی فاتی سارۃ فقال یا سارۃ لیس علی وجہ الارض مؤمن غیری وغیرک وان ھذا سألنی فاخبرتہ انک اختی فلا تکذبینی (صحیح بخاری ص۴۷۴-)

کان من عادۃ ذلک الجبار ان لا

ایک جابر (ظالم) بادشاہ کے علاقہ میں گئے اور اون کی بیوی سارہ آپ کے ساتھ تھی جو بہت خوبصورت تھی۔ حضرت ابراہیم نے اوسکو کہا یہاں ایک ظالم بادشاہ ہے وہ اگر یہ جان لے گا کہ تو میری بیوی ہے تو وہ مجھ پر غلبہ کرکے تجھے لیجائے گا۔ لہذا اگر وہ پوچھے تو تم یہ کہدینا کہ میں اوس کی بہن ہوں۔ اور واقعہ میں تو دین اسلام میں تو میری بہن ہے۔ اس زمین میں میرے اور تیرے سوا کوئی مسلمان نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں اس موقعہ پر یوں آیا ہے کہ اوس جبار نے پہلے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو آپ نے کہدیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پیچھے سارہ کو آپ نے وہ بات کہی جو اوپر بیان ہوئی۔ اور آپ نے یہ فرمایا کہ میرے اور تیرے سوا یہاں مومن کوئی نہیں۔ تجھکو بادشاہ پوچھے تو

تعرض الالذات الزوج ؛ (فتح الباری شرح صحیح البخاری)	تمنے مجھے نہ جھٹلانا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے

کہ اس ظالم کی عادت یہ تھی کہ وہ بجز شوہر والی عورت کے کسی دوسرے سے تعرض نہ کرتا تھا۔

ان تینوں اقوال ابراہیمی کے صحیح اور سچے معنے جنکی نظر سے یہ اقوال سچ ہوسکتے ہیں ناظرین کو معلوم ہوئے تو اس ان کو یقین ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اقوال حقیقت اور نفس الامر میں اور حضرت ابراہیم کی نیت اور دلی مراد کی نظر سے کذب نہیں ہوسکتے۔ ان کو جو حدیث میں کذب کہا گیا ہے تو صرف اُن کی ظاہری صورت اور ان معنے کی نظر سے

المراد بالكذب الكذب بصورة لا حقيقة فيؤول ذلك بانه كذب بالنسبة الى فهم السامعين اما فى نفس الامر فلا ؛ (خیر جاری شرح صحیح بخاری)	جو سامعین نے سمجھے۔ اور وہی معنے حضرت ابراہیم نے اون کو سمجھانے چاہے۔ جسپر اون کو ضرورت باعث ہوئی۔ اور اوس ضرورت کی وجہ سے اون کو ایسا کرنا جائز ہوا۔

اب رہا جواب اس سوال کا کہ حضرت ابراہیم خود ان اقوال ثلثہ کو کذب کہینگے اور ان کی وجہ سے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے۔ اگر یہ قول ان کی نیت و مراد کی نظر سے سچے اقوال ہوسکتے تو وہ اون کو ایسا کیوں سمجھنے۔ سو جواب یہ ہے کہ انکا ایسا سمجھنا اون کے علو درجہ توحید و نبوت و خلت کی نظر سے ہے حضرت ابراہیم ایسے موحد اور ظاہری اسباب دنیا پر اعتماد نہ کرنے والے صرف خدا تعالے پر بھروسہ کرنے والے تھے۔ کہ جب وہ جلتی آگ میں ڈالے جلنے کو تیار کئے گئے تو آگے پاس ہوا اور بارش کے فرشتے پہنچے۔ اور خواستگار ہوئے کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس آگ کو بجھادیں۔ اور اوڑادیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری طرف کوئی

فلما ارادوا القائه فی النار اتاه
خازن المیاه فقال ان اردت اخمدت
النار واتاه خازن الریاح فقال
ان شئت طیرت النار فی الھواء
فقال ابراھیم لا حاجة لی الیکم
حسبی الله ونعم الوکیل
(معالم ص۹۸۵)
فاتاه جبریل علیه السلام وقال
یا ابراھیم ھل لک حاجة فقال
اما الیک فلا قال فاسئل ربک
قال حسبی من سوالی علمه
بحالی (تفسیر کبیر ص۱۶۵ جلد ۶)

حاجت نہیں میرا اللہ میرے لئے کافی ہے۔ پھر حضرت جبریل آئے اور بولے کہ کچھ حاجت ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری حاجت نہیں پھر اُنہوں نے کہا خدا ہی سے عرض والتجا کرو۔ آپ نے فرمایا۔ میرے سوال والتجا کی جگہ خدا کا میرے حال کو جاننا کافی ہے۔

اون کی اس توحید اور اعتماد اسباب دنیا اٹھاکر خدا پر بھروسہ کرنے کا مقتضا اور لازمہ یہہ تھا۔ کہ وہ تینوں موقعہ پر اپنے مخالفوں اور مخاطبوں کے ایذا کا خوف اوٹھاکر اون کو ایک معنے والے صاف لفظوں میں دندان شکن جواب دیتے۔ او صاف کہتے کہ بتوں کے میلہ میں نہیں جائیگا۔ (۲) اون کو میں نے توڑا ہے۔ (۳) یہ میری عورت ہے۔ اور ذومعانی الفاظ جنکے ظاہری معنے بلحاظ فہم مخاطبین جھوٹ تھے۔ نہ بولتے اور اسمیں شرعی جواز کیطرف رجوع نہ کرتے۔ اونہوں نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ کافروں و مخالفوں کے خوف ایذا و وحشت کے خوف سے ایسا کلام بولا جو عام مسلمانوں کے لئے جائز تھا۔ تو اون کو اپنے اعلےٰ مقام توحید و خُلت کا لحاظ ہوا۔ اور ڈر لگا۔ پس انہوں نے بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین۔ اوسکو اتنا بڑا گناہ قرار دیا۔ کہ اسکی وجہ سے اپنے آپ کو لائق شفاعت نہ سمجھا۔ اس سے ہرگز اور کسیطور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ میں بھی وہ گناہ ہے

اور اس ورجہ کا جرم ہے کہ وہ لائق شفاعت نہ رہنے نہ دے۔

کذب چہارم جو اُن کے ذمہ لگایا جاتا ہے جس سے اُنکا بداعتقاد ہونا بھی ثابت کیا جاتا ہے۔اس سے بھی اُنکا گنہگار رہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ بداعتقاد ہونا۔

امام رازی نے تفسیر میں فرمایا ہے۔ آپ کا یہ قول ستاروں کو هذا

بقی ههنا احتمالان - الاوّل ان یقال هذا کلام ابراهیم بعد البلوغ ولاکن لیس الغرض منه اثبات ربوبیة الکواکب وکان مذهبهم ان الکواکب ربهم والهم فذکر ابراهیم ذلك القول الذی قالوه بلفظهم وعبارتهم حتی یرجع الیه فیبطله ومثاله ان الواحد منا اذا ناظر من یقول بقدم الجسم فیقول الجسم قدیم الخ والوجه الثانی فی لتاویل معناه هذا ربی فی زعمکو واعتقادکم ونظیره ان یقول الوحد للمجسم علی سبیل الاستهزا ان الهه جسم محدود ای فی زعمه واعتقاده . قال تعالی و

ربی کہنا، دو احتمال رکھتا ہے۔

احتمال اوّل یہ کہ یہ قول حضرت ابراہیم نے حد کمال کو پہنچنے کے بعد فرمایا ہو۔ لیکن اس صورت میں آپ کی غرض اس قول سے یہ نہیں کہ ستاروں کا رب ہونا ثابت کریں بلکہ سات تاویلات و وجوہات سے کوئی نہ کوئی اس قول کی وجہ تاویل ہوسکتی ہے۔ اوّل یہ کہ آپ کا مباحثہ اُن لوگوں سے تھا جو ستاروں کو رب اور معبود سمجھتے تھے۔ اس قول میں آپ نے اُنہی کا قول انکے الفاظ میں نقل کیا۔ تاکہ پھر اس قول کا رد کریں جو آخر کیا۔ اسکی مثال یہ کہ ہم کسی جسم کو قدیم ماننے والے سے مباحثہ کرتے ہیں تو پہلے یہ کہتے ہیں کہ جسم قدیم ہے۔ پھر اوس کو دلائل سے باطل کرتے ہیں۔

وجہ دوم۔ یہ کہ اس قول کے معنے یہ ہوں کہ یہ ستارہ تمہارے خیال میں رب ہے۔

وانظر الی الهك الذی ظلت
علیه عاکفاً۔ وقال تعالی یوم
ینادیهم فیقول این شرکائی۔ و
کان صلوات الله علیه یقول
یا اله الالهة والمراد انه تعالی
اله الالهة فی زعمهم وقال
ذق انك انت العزیز الکریم
الوجه السادس انه صلی الله علیه
وسلم اراد ان یبطل قولهم بربوبیة
الکواکب الا انه لو صرح بالدعوة
الی الله لم یقبلوا ولم یلتفتوا الیه
فمال الی طریق به یستدرجهم
الی استماع الحجة وذلك بان ذکر
کلاما یوهم کونه مساعدا علی
مذهبهم مع ان قلبه کان مطمئنا
بالایمان ومقصوده من ذلك
تمکنه من الدلیل علی ابطاله
واما الاحتمال الثانی وهو انه
ذکره قبل البلوغ وعند القرب
منه تقریره انه تعالی کان قد خص
ابراهیم بالعقل الکامل والقریحة

اسکی مثال کسی موحد کا مجسم کو معنی کے طور
پر یہ کہنا کہ تمہارا خدا جسم محدود ہے یعنے
اوس کے خیال واعتقاد میں۔
اسکی دوسری مثال حضرت موسے کا
سامری کو یہ کہنا کہ دیکھ اپنے معبود کو جس پر
تو جم رہا ہے (یعنے گوسالہ کو) میں اوسکو
جلاتا ہوں۔
تیسری مثال خدا کا فرمانا کہاں ہیں میرے
شریک (یعنے تمہارے خیال میں)
چوتھی مثال آنحضرت کا فرمانا یا اله الالهه
یعنے۔ جو لوگوں کے خیال میں معبود
ہیں تو انکا معبود ہے۔
پانچویں مثال دوزخی کو کہنا عذاب چکھ
تو عزت والا شریف ہے (یعنے اپنے خیال
میں) ایسے ہی امام نے تیسری چوتھی جو
بیان کیں۔ پھر فرمایا
چھٹی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اون کا
خیال ستارون کو رب سمجھنے کا باطل کرنا
چاہا۔ مگر پہلے ہی سے صاف طور پر خدا
کی طرف بلاتے تو وہ نہ سنتے۔ لہذا آپ
ایسے طریق کی طرف مائل ہے جس سے

الصانیه فخطر بباله قبل بلوغه اثبات الصانع فتفکر فرأی النجم فقال هذا ربی فلما شاهد حرکته قال لا احب الافلین ثم انه تعالی اکمل بلوغه فی اثناء هذا البحث فقال فی الحال انی بریٔ مما تشرکون - فهذا الاحتمال لا باس وان کان الاحتمال الاول اولی بالقبول (تفسیر کبیر صفحہ ۱۱۱و ۱۱۲ وغیرہ جلد ۴)

سہولت سے اون کو خدا کے رب ماننے کی دلیل کی طرف کھینچ لائیں پہلے انہوں نے ایک لفظ بولا جس سے وہ لوگ خیال کریں کہ یہ بھی ہمارے خیال کے موافق ہے۔ حالانکہ دل سے آپ خوب مطمئن تھے کہ اُنکا رب خدا تعالے ہی ہے۔ اس لفظ بولنے سے آپ کا مقصود یہ تھا۔ کہ ستاروں کے رب ہونے کو باطل کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

دوسرا احتمال کہ وہ قول اپنے قبل بلوغ بولا ہے۔ اسکی تقریر یوں ہو سکتی ہے۔ کہ آپکی طبیعت صاف اور عقل کامل خدا نے بنائی تھی۔ بلوغ کے پہلے یا اسکے قریب آپ کو اثبات خدا ثابت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور ستارہ نظر آیا تو آپ نے اوسکو رب کہدیا جب اوسکی حرکت دیکھی تو کہا میں اوسکو نہیں چاہتا۔ اسی اثنا میں خدا نے آپ کے رشد و بلوغ کو پورا کر دیا۔ تو آپ نے فوڑا کہدیا۔ اے قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم شریک خدا بتاتے ہو۔ اس احتمال میں بھی کوئی برائی نہیں۔ اگرچہ پہلا احتمال زیادہ لایق قبول ہے۔

الحاصل یہ قول اگر آپ کے زمانہ نبوت و کمال کے بعد واقعہ ہوا۔ فرض کریں تو اوسکے عمدہ محامل و معانی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جو امام رازی نے بیان کئے ہیں اور اگر یہ نبوت سے پہلے اور زمانہ بلوغ سے پیشتر تلاش حق کے وقت کا ہے تو یہ کسی اعتراض کا محل نہیں ہے۔ اور یہ منافی عصمت ہرگز نہیں ہو سکتا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم جب پیدا ہوئے۔ تو بخوف قتل جو اسوقت کے بادشاہ نمرود کے حکم سے جاری تھا۔ وہ ایک غار چھپائے گئے تھے اور وہیں پرورش پائی۔ جب وہاں سے نکلے تو وہ رات کا وقت تھا۔ آپ کی نظر پہلے ستارہ پر پڑی۔ پھر چاند نکلا تو دیکھا۔ پھر دن نکلا تو سورج نظر آیا تب آپ نے وہ کلمہ فرمائے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس قصہ کا بارہ دلائل سے ابطال کیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ قول آپ نے قوم کے مباحثہ و مقابلہ میں کہا ہے۔ یا کمال بلوغ سے پہلے تلاش حق کے وقت چنانچہ منقول ہوا۔

ازانجملہ قصہ حضرت موسے ہے۔ کہ آپ نے ایک قبطی کو مکا مار کر قتل کیا۔ اور اسکو عمل شیطان بتایا۔ پھر خدا سے اس قصور کی بخشش مانگی تو قصور معاف ہوا اسکو عصمت کہتے ہیں یہ فعل موسے کبیرہ گناہ ہوا

> فوکزہ موسی فقضی علیہ قال هذا من عمل الشیطان انه عدو مضل مبین۔ (قصص ع-۲-)

اسی واسطے حضرت موسے نے شفاعت کے موقعہ پر اس فعل کو یاد کر کے اپنے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے۔ چنانچہ حدیث شفاعت میں آچکا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ قتل عمداً واقعہ نہیں ہوا۔ اور ایک مکہ سے غالبا آدمی مارا بھی نہیں جاتا۔ حضرت موسے نے اس فعل سے صرف مقتول کو ایک مظلوم پر حملہ کرنے سے روکنا چاہا تھا۔ نہ مار ڈالنا وہ کمزور ہونے کے سبب مکہ سے مرگیا تو اس میں حضرت موسے کا گناہ ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تو یہ فعل آپکا نبوت سے پہلے تھا۔ یہ امر نص قرآن

> لم یقصد موسی قتل القبطی وانما قصد دفعه فاتی ذالك علی نفسه خطاءً فندم ودفنه فی الرمل والوکزة لا تقتل غالبا۔ هذه التاویلات محافظة علی ما تقرر

من عصمت الانبیاء ولا شك انهم معصومون عن الکبائر والقتل الواقع منه لم یکن عن عمد۔ فلیس کبیرۃ لان الوکزۃ غالبا لا تقتل و قیل بل کان من قبیل دفع الصائل وھو لا اثم فیه

(فتح البیان صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶- جلد-۴-)

قتلتھا اذا وانا من الضالین ای الجاھلین قال ابن عباس فنفی عن نفسه الکفر وانه فعل ذلك علی الجھل قبل ان یاتیه العلم الذی علمه الله (فتح البیان ص ۲۵ جلد-۴-)

علی ان ان سلمنا دلالة ھذہ الایة علی صدور المعصیة لکنا بینا انه لا دلیل علی انه کان رسولا فی ذلك الوقت فیکون ذلك صادرا منه قبل النبوۃ وذلك لا نزاع فیه

(تفسیر کبیر ص ۹۵ جلد - ۶ -)

سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ شعرا میں بیان ہے کہ فرعون نے موسے کو اس قتل کا الزام دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ مجھ سے جس وقت اس قتل کا وقوع ہوا ہے۔ اسوقت میں بھولا ہوا یا نادان تھا۔ (خدا نے مجھے وہ علم نہ دیا تھا۔ جو بعد میں آیا) پس خدا نے مجھے حکم عطا کیا اور رسولوں میں داخل کیا اسصورت میں یہ فعل کسی اعتراض کا محل نہیں ہوسکتا۔ اور اس سے عصمت موسے علیہ السلام کا ابطال نہیں ہوسکتا۔

اب رہا سوال کہ حضرت موسے نے اس فعل کو گناہ اور ظلم سمجھا۔ اور دنیا میں اس کی معافی طلب کی۔ اور قیامت میں اسکے سبب وہ لائق شفاعت ہونے سے انکار کرینگے اسکا وہی جواب ہے کہ اونکا ایسا کرنا انکے کمال درجہ اتقا و منصب نبوت کے تقاضا سے ہے۔ بحکم حسنات الابرار سیات المقربین انہوں نے ایک جائز اور بلحاظ نیت ایک بہتر فعل کو گناہ سمجھا۔ اس سے دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اس فعل کو گناہ کہے۔ اور اس سے انکی عصمت پر قدح و اعتراض کرے۔

از انجملہ قصہ حضرت یوسف ہے جسمیں یہ بیان ہے۔ کہ عزیز کی عورت (زلیخا)

ولقد همت به وهم بها لولا ان رأی برهان ربه کذلک لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصین (یوسف ع-۳)

نے یوسف کو چاہا۔ اور اس نے اس عورت کو چاہا۔ اگر یہ نہوتا کہ اُسنے خدا کی دلیل دیکھی یہ اسلئے ہوا کہ ہم اس سے برائی اور بیحیائی کو پھیر لیں۔

منکرین عصمت بدست آویز نقل و بیان تفسیر واحدی وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف زلیخا سے فعل بد پر آمادہ ہوگئے تھے خدا نے اون کو جبراً اس فعل سے ہٹایا۔ اور بچایا۔ اون کی طرف سے تو عصمت میں فرق آچکا تھا۔ اسیوجہ سے انہوں نے کہا ہے۔ کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا یہ نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے۔

اسکا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر میں عمدہ تفصیل سے دیا ہے۔ اور واحدی وغیرہ کی نقل و بیان کا اچھی طرح سے ابطال کیا ہے۔ (جزاہ اللہ خیرا) ہم واحدی وغیرہ کی اس لغو و بیہودہ روایات کو اسمقام میں تفصیل نقل کرنا۔ پھر اسکا جواب دینا فضول جانتے ہیں جو دیکھنے کا شایق ہو وہ تفسیر کبیر ملاحظہ کرے۔

اسمقام میں ہم صرف وہ آیات قرآن نقل کرتے ہیں جنسے حضرت یوسف کی اس فعل سوء برأت ثابت ہوتی ہے۔ نہ کوئی امر خلاف عصمت اول تو یہی آیت جس سے منکرین کا تمسک ہوا ہے۔ حضرت یوسف کی برأت کی دلیل ہے۔ اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ کہ عورت نے یوسف کو چاہا۔ یوسف بھی چاہتا۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اوس نے خدا کی دلیل (رہنمائی کرنے والی بات) دیکھ لی یعنے خدا تعالےٰ نے اوسکے دل میں اپنی خشیت اور یہ خیال پیدا کیا۔ کہ یہ فعل جو زلیخا چاہتی ہے بد ہے۔ اور غیر کی عورت سے خصوصاً جو محسن و مربی کی ہو اس فعل کا قصد کرنا ظلم ہے۔ اور خدا کو ظلم پسند نہیں ہے۔ اس معنی آیت کی مؤید اس سے پہلی آیت ہے جسمیں بیان ہے کہ

وراودته التی هو فی بیتها وغلقت الابواب وقالت هیت لک قال معاذ الله انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظلمون (یوسف ع ۲)	اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اسکے نفس کا مطالبہ کیا۔ اور دروازے بند کردیئے۔ اور بولی آ میں تجھے کہتے ہوں۔ وہ بولا خدا کی پناہ وہ (تیرا

شوہر میرا مربی ہے (میں سمجھے چاہکر ظالم ہوں؟) ظالم نجات نہیں پاتے۔

آیت زیر بحث میں اسی امر کی حکایت ہوئی ہے۔ اور یہ بات فرمائی گئی ہے کہ زلیخا نے تو بہت چاہا۔ اور اسکا سامان بھی کیا۔ مگر یوسف نے نہ چاہا۔ اور اس سے انکار کیا۔ وہ بھی چاہتا اگر خدا اسکو وہ اپنی دلیل نہ سوجھاتا۔ اس معنے وتفسیر کی رو سے لولا ان رای شرط مؤخر ہے اور ھم بھا اوسکی جزا مقدم۔

اور اگر اس آیت زیر بحث کو پہلی آیت کی حکایت اور اوسکے مضمون کی مؤید نہ کہیں بلکہ مطابق زعم منکرین عصمت اس آیت کو پہلی آیت کے مخالف اور اوس کے مضمون کی مکذب قرار دیں اور کہیں کہ پہلی آیت میں خدا نے حضرت یوسف کی برأت ظاہر کی تھی اور اس دوسری آیت میں اوسکے برخلاف انکا ارادہ ارتکاب گناہ بتایا ہے۔ تو اسصورت علاوہ تناقض وتضاد مضمون دونو آیتوں کے ایک بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر اس آیت سے مضمون پہلی آیت کے برخلاف حضرت یوسف کے مرتکب گناہ ہونے کا قصد وارادہ بتانا منظور تھا۔ تو پھر اس آیت کے اخیر میں حضرت یوسف کی تعریف کیوں کردی کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔ اور ہمنے اوس سے برائی اور بیحیائی کو دور کرنا چاہا۔ یہ بھی کوئی عاقل کرتا ہے کہ مقصود برائی بیان کرتا ہو۔ اور کردیں تعریف چہ جائے رب العالمین احکم الحاکمین اس نکتہ کو وہ لوگ جنہوں نے ھم بہ سے حضرت یوسف کے ارادہ وقصد گناہ کے معنے مراد بتائے ہیں سمجھتے تو ہرگز یہ مراد نہ بتاتے لولا شرط کو مؤخر اور اوسکی جزا ھم بھا

کو مقدم کہنے پر زجاج نحوی نے دو اعتراض کئے تھے (۱) فصیح محاورہ عرب میں لولا کا جواب مقدم نہیں ہوتا۔ (۲) اسکے جواب میں لام آتا ہے جو آیت میں نہیں ہے

امام رازی نے ان دونوں کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے۔ کہ قرآن کی دوسری

ثم انا نذکر آیة اخری تدل علی فساد قول الزجاج فی هذین السوالین وهو قوله تعالی ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها (قصص ع ۱)

آیت میں یہ دونوں امر پائے گئے ہیں جنمیں یہ بیان ہے کہ بیشک قریب تھا کہ موسیٰ کی ماں اسکا حال ظاہر کر دیتی۔ اگر نہ ہوتا یہ کہ ہمنے اسکے دل کو مضبوط رکھا۔

اس جواب کے مؤید عرب کے پرانے اشعار بھی موجود ہیں جنمیں لولا کا جواب مقدم ہوا ہے اور لام سے خالی ہے

امرء القیس کا شعر ہے یغالین فیه الجزء لولا هواجر ÷ جنادبها صرعی لهن قصیص

(العقد الثمین فی دواوین الشعراء الجاهلین صفحہ ۱۲۶)

زہیر کا شعر ہے۔ المجاء فی غیرهم لولا ماثره ÷ وصبره نفسه والحرب تستعر

(العقد الثمین فی دواوین الشعراء الجاهلین صفحہ ۵۹)

متنبی کا ایک شعر ہے۔ لعبت بمشیته الشمول وجردت ÷ صنما من الاصنام لولا الروح ÷

(دیوان متنبی صفحہ ۳) اوسیکا دوسرا شعر ہے۔

ولا ینفع الامکان لولا سخائه ÷ وهل نافع لولا الاکف القنا السمر ÷ (دیوان متنبی صفحہ ۱۰۹)

ان چاروں شعروں میں جزاء لولا پر مقدم بھی ہے۔ اور لام سے بھی معرّی ہے

اس آیت زیر بحث کے مابعد کی آیت میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ دونو دروازہ کو دوڑے

واستبقا الباب وقدت قمیصه من دبر والفیا سیدها لدی الباب۔ قالت ما جزاء من اراد

(یعنے آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور زلیخا نے پیچھے سے یوسف کا کرتہ (کھینچکر) پھاڑ دیا۔ اور دروازہ کے پاس میاں

باهلك سوءً الا ان يسجن او
عذاب اليم۔ قال هي راودتني
عن نفسي وشهد شاهد من اهلها
ان كان قميصه قد من قبل
فصدقت وهو من الكذبين
وان كان قميصه قد من دبر
فكذبت وهو من الصادقين
فلما رأى قميصه قد من دبر
قال انه من كيدكن ان
كيدكن عظيم۔ يوسف اعرض
عن هذا واستغفري لذنبك
انك كنت من الخاطئين ٥
(سورہ یوسف۔ ع ۔۳۔)

(عزیز مصر) کو پایا۔ زلیخا بولی جس نے تیری
گھر والی سے بُرائی کا ارادہ کیا ہے۔ اوسکی
سزا یہی ہے کہ وہ قید کیا جاوے۔ یا اوسکو
دُکھ کی مار ہو۔ یوسف نے کہا اسی نے مجھ سے
اس فعل کا مطالبہ کیا ہے۔ اسکے گھر میں سے
ایک گواہ بولا۔ اگر کورتہ آگے سے پھٹا
ہوا ہے (جس سے یوسف کا سامنے کو آنا
ثابت ہوتا ہے) تو زلیخا سچی ہے۔ اور اگر
پیچھے سے پھٹا ہے (جس سے یوسف کا پیٹھ
دیکر بھاگنا ثابت ہوتا ہے) تو یوسف سچا
ہے۔ اور جب اوس نے کورتہ کو پیچھے سے
پھٹا ہوا دیکھا تو بولا (اے عورت) یہ تمہارا
ہی مکر ہے۔ تمہارے مکر بڑے ہوتے ہیں۔ اے
یوسف تو ایسے قصہ کو جانے دے۔ اے زلیخا تو گناہ کی بخشش مانگ خطار کار تو ہے

ان آیات میں چار شہادتیں اور حضرت یوسف کی برات بربان ہوئی ہیں +
(۱) حضرت یوسف کا زلیخا سے بھاگ کر دوڑنا۔ اور زلیخا کا پیچھے بھاگ کر کورتہ کو پھاڑنا (۲) اور گھر میں سے ایک گواہ کا حضرت یوسف کو بری کرنا (۳) پھر حضرت یوسف کا عزیز کے سامنے اس فعل کے ارادہ سے انکار کرنا۔ (۴) اور عزیز کا اوسکو تصدیق کرکے زلیخا کو خطا کار ٹھیرانا۔ پھر خاتمہ قصہ پر ارشاد ہوا ہے۔ کہ

قال ما خطبكن اذ راودتن
يوسف عن نفسه قلن حاش لله

جب عزیز یا بادشاہ نے عورتوں سے
جنہوں نے یوسف کو دیکھ کر بے خودی

ما علمنا علیه من سوء قالت امراة العزیز الان حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصٰدقین (یوسف - ع - ۶)

اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، پوچھا تو وہ بولیں ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں دیکھی تب زلیخا نے کہا اب حق کھل گیا میں نے ہی اس سے اس فعل کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ سچا ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ان آیات سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے

الرابع ان کل من له تعلق بتلك الواقعة فقد شهد ببراءة یوسف علیه السلام من المعصیة واعلم ان الذین هم تعلق بهذه الواقعة یوسف علیه السلام وتلك المراة وزوجها والنسوة والشهود ورب العلمین شهد ببراءته عن الذنب وابلیس اقر ایضا ببراءته عن المعصیة فاذا کان الامر کذلك فحینئذ لم یبق للمسلم توقف فی هذا الباب الی ان نفصلها۔ ثم قال وعند هذا نقول ان هؤلاء الجهال الذین نسبوا الی یوسف هذه الفضیحة ان کانوا من اتباع دین الله فلیقبلوا شهادة الله علی

کہ یوسف علیہ السلام اس جرم سے بری ہیں اور کہا ہے کہ جس شخص کو اس واقعہ سے تعلق تھا اُسنے حضرت یوسف کی برأت سے شہادت دی ہے اس واقعہ کے والے حضرت یوسف علیہ السلام خود ہیں زلیخا۔ اور وہ عورتیں جنہوں نے یوسف کو دیکھ کر بے خودی سے ہاتھ کاٹ لئے اور گواہ گھر کا اور خود رب العلمین اور شیطان پھر ان سب کی شہادت تو نکو بیان کیا اور ان آیتوں سے جو ہمنے نقل کی ہیں ان شہادتوں نکو ثابت کیا شیطان کی شہادت میں وہ آیت پیش کی جسمیں شیطان کا یہ قول بیان ہے۔ کہ تیرے مخلص بندوں پر میرا زور نہیں چلتا۔ اور قرآن سے یہ نقل کیا کہ یوسف مخلص بندوں سے تھا۔ پھر امام نے فرمایا۔ کہ اب جو شخص دین سے تعلق رکھتا ہے

طہارتہ دا کانوا من اتباع ابلیس فلیقبلوا
شہادۃ ابلیس علی طہارتہ
(تفسیر کبیر صـ۱۷ جلد ۵)

وہ خدا کی شہادت قبول کرے۔ اور جو شیطان
کا پیرو ہے وہ شیطان کی گواہی مانے۔
اب رہا یہ سوال کہ اگر حضرت یوسف
اس معاملہ میں بالکل بے گناہ تھے۔ اور انہوں نے ارادہ فعل بھی نہ کیا تو پھر کیوں کہا
"میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔ یہ نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے" سو اسکا جواب
یہ ہے کہ انکا کہنا اُن غیر مصمم خطرات اور غیر اختیاری حالات کی نظر سے تھا۔ جو انسان
کے دل میں ایک چیز مرغوب طبع دیکھ کر پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا کے خوف و تقوے
سے وہ روک لئے جاتے ہیں۔ اور ایسے خطرات موجب گناہ و محل مواخذہ نہیں ہوتے
حضرت یوسف سے ھم واقعہ ہونے بھی اگر اُسکو لو لا کی خبر مقدم قرار نہ دیں یہی ھم مراد
لے نہ قصد اور عزم مصمم۔
امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے۔ بصورت تسلیم اس امر کے کہ حضرت

الثالث ان یفسر الھم بحدیث
النفس وذلک لان المرأۃ الفائقہ
فی الحسن والجمال اذا تزینت و
تھیئت للرجل الشاب القوے
فلابد وان یقع ھناک بین الحکمۃ
والشھوۃ الطبعیۃ وبین النفس و
العقل مجاذبات ومنازعات
فتارۃ تقوی جانب داعیۃ الطبعیۃ
والشھوۃ وتارۃ داعیۃ العقل
والحکمۃ فالھم عبارۃ عن جاذبۃ

یوسف سے ھم واقعہ ہوا۔ ھم کی تفسیر دل کے
خیالات و خطرات ہیں۔ کیونکہ جب خوبصورت
عورت کسی قوی اور جوان مرد کے لئے بن ٹھن کر
طیار ہوتی ہے تو ایسے موقع پر دانائی اور
خواہش طبعی اور نفس اور عقل میں کھینچا کھانچی
ہوتی ہے۔ پھر کبھی طبیعت کا داعیہ و
تقاضا غالب ہو جاتا ہے۔ کبھی عقل و دانائی
کا۔ پس یہاں ھم سے وہی جاذبہ طبیعت
کا مراد ہے۔ اور دلیل دیکھنے سے جاذبہ
عبودیت و عقل کا۔ اسکی مثال یہ کہ جب

الطبيعة ونرديةالبرهان عبارة عن جواذب العبودية ومثال ذلك ان الرجل الصالح الصائم فی الصیف الصائف اذا رای الجلاب المبرد بالثلج فان طبعته تحمله علی شربه الا ان دینه و هداه یمنعه منه فهذا لا یدل علی حصول الذنب بل کلما کانت هذه الحالة اشد کانت القوة للوازم العبودیة اقوی واکمل (تفسیر کبیر صفحہ ۱۷ جلد ۵)

وفی البیضاوی المراد بهمه علیه السلام میل الطبع ومنازعة الشهوة لا القصد الاختیاری و ذلك مما لا یدخل تحت التکلیف بل الحقیق بالمدح والاجر الجزیل من الله من یکف نفسه عن الفعل عند قیام الهم (فتح البیان ص ۵۰۲)

وذا النون اذ ذهب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیه فنادی فی الظلمات ان لا اله الا انت سبحنك

ایک نیک شخص روزہ دار سخت گرمی کے موسم میں ٹھنڈا پانی برف ملی ہوئی دیکھتا ہے تو اوسکا جی اوسکو پی لینے کو چاہتا ہے مگر اوس کا دین اس سے مانع ہوتا ہے ایسی خواہش بے اختیاری جسکو روکا جائے گناہ نہیں ہوتی۔ بلکہ جسقدر ایسی حالت زیادہ ہو۔ اسیقدر لوازم عبودیت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

بیضاوی میں کہا ہے۔ حضرت یوسف کے ھم سے یہی میلان طبعی اور خواہش کی منازعت مراد ہے نہ اختیاری اور مصمم قصد ایسی خواہش طبعی محل تکلیف نہیں ہے۔ بلکہ وہ شخص لائق مدح و سزا اور اجر ہوتا ہے جو اپنے کو ایسی خواہش و خیالات پیدا ہونے کے روکتا ہے

وازانجملہ قصہ حضرت یونس علیہ السلام ہے جسکا آیت مفصل حاشیہ میں بیان ہے۔ اور اوس کا ترجمہ منکرین عصمت یوں کرتے ہیں۔ یونس کا حال سنا دی جبکہ وہ خدا تعالے سے خفہ ہو کر قوم کے بیچ میں سے نکل گیا پس اوس نے گمان

انی کنت من الظلمین (سورہ انبیاء ع ۶)	کیا کہ ہم اسپر قدرت وقابو نہ پائیں گے

پس اوسنے اندھیروں میں خدا کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں ظالموں سے ہوں

منکرین عصمت کہتے ہیں حضرت یونس کا گنہگار ہونا اس آیت اور دیگر آیات سے بچند وجوہ ثابت ہوتا ہے (۱) وہ خدا تعالےٰ سے خفہ ہو گئے جو صریح گناہ (۲) انہوں نے سمجھا۔ کہ اب خدا کے قابو میں نہ آئیں گے جو کفر ہے۔ (۳) انہوں نے اس آیت میں اپنے آپ کو ظالم کہا جو گنہگار کو کہا جاتا ہے (۴) وہ گنہگار نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں کیوں ڈالے جاتے۔ (۵) ایک اور آیت میں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتے تھے۔ اور ملامت گناہ پر ہوتی ہے۔ (۶ و ۷) اور آیات میں آنحضرت کو فرمایا گیا ہے کہ تو خدا کے حکم پر جا رہ جیسے اولو العزم رسول جمے رہے ہیں۔ اور تو یونس کیطرح بے صبر نہ ہو جائیو۔ منکرین کہتے ہیں قوم کو چھوڑ کر نکل جانا بھی بے صبری اور گناہ تھا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت یونس خدا تعالےٰ سے خفہ ہونا اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ ان کا غصہ ہونا قوم پر تھا۔ یا بادشاہ وقت پر یا دونوں پر۔ اور قوم پر غصہ کرنا یا اونکو چھوڑ کر چلا جانا گناہ نہ تھا۔ جیسا کہ منکرین کو دعوے ہے۔ کیونکہ تعالیٰ نے اونکو اس فعل سے منع کیا تھا۔ لہذا انہوں نے اس فعل کو جائز خیال کیا۔ لیکن افضل امر یہی تھا کہ وہ قوم کے انکار و اصرار پر صبر کرتے۔ اور آپ نہ خفہ ہوکر بلا اذن الٰہی اون کو چھوڑ نہ جاتے اسی امر افضل کا آنحضرت کو ارشاد ہوا ہے کہ تو یونس کی طرح نہ کریو۔ اولو العزم رسولوں کی مانند صبر کو اختیار کریو۔ اس ارشاد میں خدا تعالےٰ آنحضرت کو افضل و اعلےٰ درجہ پر پہنچانا چاہا۔ اور حضرت یونس نے خدا تعالےٰ کے حق میں یہ گمان نہ کیا تھا۔ کہ وہ خدا کی قابو یا قدرت میں نہ آئیں گے۔ یہ منکرین عصمت کے ترجمہ کی غلطی ہے۔ لن نقدر قدرت سے مشتق نہیں بلکہ قدر سے ہے۔ جو تنگی کے معنے رکھتا ہے۔ اور اس لفظ کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم اسپر اس چلے جانے کے سبب کوئی تنگی و

ومواخذہ نہ کریں گے۔ ان جوابات کی تفصیل ہم بہ نقل تفسیر کبیر اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۱۶ میں بصفحہ ۸۶ وغیرہ کرچکے ہیں۔ اسمقام میں اُنکا اعادہ نہیں کرتے اور حضرت یونس علیہ السلام کا اس فعل میں اپنے آپ کو ظالم کہنا اور ملامت کرنا۔ اُنکے کمال درجہ اتقار کے سبب تھا۔ اتقیا رمقربین اپنی ترک افضل کو بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ اور

لاشك انه كان تاركاً للافضل مع القدرة على تحصيل الافضل فكان ظلماً۔ ان الملامة كانت بسبب ترك الافضل اما قوله كنت من الظلمين فالمعنے ظلمت نفسي بفراري من قومي بغير اذنك كانه قال كنت من الظلمين وانا الآن من التائبين والنادمين۔ (تفسیر کبیر صـ ۱۹ وغیرہ۔ جلد ۶)

اوسپر ویسے ہی نادم ہوتے اور اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں جیسے عام مسلمان بڑے گناہوں پر۔ اور مچھلی کے پیٹ میں انکا رہنا بھی انکے علو درجہ کی نظر سے تھا۔ بڑوں کا چھوٹا قصور بھی چھوٹوں کے بڑے قصور کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ بالجملہ حضرت یونس نے قوم کو چھوڑ جانے میں کسی امر یا نہی کا خلاف نہیں کیا (جسکو گناہ کہا جائے) صرف ترک افضل کیا۔ جسپر اون کے عالی مرتبہ کے موافق سخت مؤاخذہ ہوا۔ اور جو فعل گناہ صریح (خدا پر غصہ کرنا یا خدا کو قابو پانے سے عاجز جاننا) آپ کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ یہ منکرین عصمت کی غلط فہمی ہے اس سے حضرت یونس علیہ السلام پاک تھے۔ لہذا اس آیت سے اون کی عدم عصمت ثابت نہیں ہوتی۔

وازانجملہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام ہے۔ جسکا آیت میں بیان ہے کہ داؤد

وهل اتاك نبؤا الخصم اذ تسوروا المحراب اذ دخلوا على داود

کے پاس دو جھگڑنے والے دیوار کود کر آئے اور بولے (ہم میں سے) ایک نے

نفزع منھم قالوا لا تخف خصمان بغی بعضنا علی بعض الآیۃ (سورہ ص - ع ۲)	دوسرے پر زیادتی کی ہے - یہ میرا بھائی ہے اسکی ننانوے دنبیاں ہیں - اور میرے پاس صرف ایک دنبی - یہ کہتا ہے یہ

(ایک بھی) میرے حوالہ کردے - اور مجھ پر بات میں زیادتی کرتا ہے - داؤد بولے اسنے تجھ پر ظلم کیا ہے کہ تیری دنبی بھی مانگتا ہے - اور اکثر شریک ایسا ہی ظلم کیا کرتے ہیں - پر جو مومن اور نیک ہوں - اور ایسے تھوڑے ہوتے ہیں - (یہ کہکر) داؤد سمجھا کہ ہمنے (اس فیصلہ سے) اوسکو جانچا ہے - پھر بخشش مانگنے لگا اپنے رب سے اور جھک کر گر گیا - اور رجوع ہوا -

منکرین عصمت کہتے ہیں کہ حضرت داؤد ایک شخص اوریا کی عورت پر عاشق ہوگئے اور اوسکو بار بار لڑائی میں بھیجوا کر قتل کراکے اس عورت کو نکاح میں لائے - جسپر خدا تعالے نے ان دو فرشتوں کو حضرت داؤد کے پاس بھیجوایا جنہوں نے بطور فرضی تمثیل کے وہ سوال کیا - جب وہ جواب دیچکے تو انہوں نے کہدیا - کہ تمنے اپنے نفس کا خود فیصلہ کردیا ہے - جسپر آپ نادم ہوئے اور بخشش مانگنے لگے -

یہ قصہ اسطور پر بلکہ اس سے بڑھ کر برائیوں اور بیحیائیوں کا متضمن بیبل میں آیا ہے اوسی سے بعض اخباری مسلمانوں نے جو اہل کتاب سے روایت کرنیکے عادی تھے اس قصہ کو نقل کیا ہے اور اُن سے مفسروں نے اخذ کرکے اسلامی تفسیروں میں اسکو داخل کردیا ہے - جو ناواقف مسلمانوں کے ابتلا کا باعث ہوا ہے -

محققین اسلام کیا محدثین اور کیا مفسرین اس قصہ کو اس عنوان وبیان سے کذب اور یہودیوں کا افترا جانتے ہیں - اور بدلائل عقلیہ ونقلیہ اسکو رد کرتے ہیں -

علامہ زمخشری صاحب **تفسیر کشاف** نے جو مشہور مفسر ہے - اس قصہ کو نقل کرکے کہا ہے یہ قصہ اور جو اس کی مثل ہو کسی ادنے مسلمان سے جو صلاحیت

قال صاحب الکشاف بعد ذکر
هذه القصة هذا ونحوه مما یقبح
ان یحدث به عن بعض المتسمین
بالصلاح من ابناء المسلمین فضلا
عن بعض اعلام الانبیاء (کشاف
صفحه ۱۲۳۹)

وقال القاضی عیاض لا یجوز ان
یلتفت الی ما سطره الاخباریون
من اهل الکتاب الذین بدلوا و
غیروا ونقله بعض المفسرین و
لم ینص الله علی شئ من ذلک ولا
ورد فی حدیث صحیح والذی نص
علیه الله فی قصة داؤد وظن داؤد
انما فتناه ولیس فی قصة داؤد
واوریا خبر ثابت وهذا هو الذی
ینبغی ان یعول علیه من امر داؤد

وعن علی بن ابی طالب انه قال
من حدثکم بحدیث داؤد علی ما
یرویه القصاص جلدته مائة
وثمانین جلدة وهو حد الفریة علی
الانبیاء (فتح البیان صفحه ۱۰۱ جلد ۸)

کی صفت و نشان رکھتا ہو روایت کرنا
ایک قبیح امر ہے۔ چہ جائے انبیاء اعلام۔

قاضی عیاض نے جو بڑے مشہور
محدث تھے فرمایا ہے کہ جو اہل کتاب سے
(جنھوں نے اپنی کتابوں کو بدل دیا ہے)
روایات نقل کرنے والے اخباریوں نے
لکھا ہے اور اوسکو بعض مفسرین نے نقل
کیا ہے۔ اسکی طرف التفات و توجہ کرنا
جائز نہیں ہے۔ اس باب میں خدا تعالیٰ
نے قرآن میں کچھ فرمایا ہے۔ نہ حدیث
میں آیا ہے۔ قرآن میں صرف اتنا ہے
کہ داؤد نے سمجھ لیا کہ ہم نے اونکو جانچا
اور قصہ داؤد و اوریا میں کوئی حدیث ثابت
نہیں ہے۔ اور یہی امر لائق اعتماد کرنے کے ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ سے منقول ہے کہ
آپ نے فرمایا جو شخص داؤد کا قصہ
بیان کرے گا۔ جو قصہ گو بیان کرتے ہیں
اوس کو ایک سو ساٹھ کوڑے مارونگا
جو نبیوں پر تہمت کرنے کی سزا ہے۔
ایسا ہی فتح البیان میں ہے۔

ابو السعود مفسر نے یہ قصہ مشہور

۲ جلد ۱۷

وانما ما يذكر من انه **
فذلك مبتدع مكروه ومكر
مخترع بئس ما مكروه تمجه الاسماع
وتنفر عنه الطباع ويل لمن ابتدعه
واشاعه وتبا لمن اخترعه واذاعه

(تفسیر ابوالسعود صفحہ ۱۸۵۶ جلد ۷)

عنوان سے نقل کر کے کہا ہے۔ کہ یہ کذب ہے۔
مکروہ بدعت اور مکر ہے۔ اپنا گھڑا ہوا
کان اس کو دفع کرتے ہیں۔ یعنے سن نہیں
سکتے۔ طبیعتیں اس سے متنفر ہوتی ہیں
اسکو خرابی یا عذاب جہنم ہو جسنے ایسی یہ
بدعت نکالی ہے۔ اور ہلاکت ہو جسنے اسکو
از خود گھڑا اور شایع کیا۔ پھر وہ قول علی مرتضیٰ نقل کیا۔ جو فتح البیان سے منقول ہوا
امام رازی نے تفسیر کبیر میں بہت شدت کے ساتھ اس قصہ کا ردّ کیا ہے

والذی اذهب اليه وادين الله
به ان ذلك باطل ويدل عليه
وجوه الاول ان هذه الحكاية
لو نسبت الى افسق الناس واشد
هم فجورا لاستنكف منها و
الرجل الحشوي الخبيث الذي
يقرر تلك القصة لو نسب له
مثل هذا العمل لبالغ في تنزيه
نفسه وربما لعن من ينسبه
اليها واذا كان كذلك فكيف
يليق بالعاقل نسبة المعصوم
اليه الثاني ان حاصل القصة
يرجع الى امرين الى السعي في قتل

اور کہا ہے۔ ہمارا دین و ایمان یہ ہے کہ یہ
قصہ باطل ہے اور دس دلائل عقلی و نقلی
اور بیس شواہد قرآنی سے اسکا ابطال کیا گیا
آپ فرماتے ہیں یہ قصہ کئی وجوہات سے
باطل ہے۔ وجہ اول یہ کہ ایسی بات کسی
بڑے فاسق و سخت بدکار کی طرف منسوب
ہو تو وہ بھی اس سے نفرت کرے وہ
خبیث حشوی جو اس قصہ کو ثابت بتاتا
ہے اوسکی طرف ایسا عمل منسوب ہو تو
وہ اپنی پاکی اور صفائی میں بڑی کوشش
کرے اور کہنے والے کو لعنت کرے
جب وہ اپنے نفس کے لئے اسکی نسبت
کو پسند نہیں کرتا تو ایک نبی معصوم

رجل مسلم والی الطمع فی
زوجتہ اما الاول فامر منکر
قال صلی اللہ علیہ وسلم من سعی
فی قتل رجل مسلم ولو بشطر
کلمۃ جاء یوم القیمۃ مکتوب
بین عینیہ آیس من رحمۃ اللہ
واما الثانی فمنکر عظیم قال
صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم
المسلمون من لسانہ ویدہ
واوریا لم یسلم من داؤد لا
فی روحہ ولا فی منکوحہ
الثالث ان اللہ تعالی وصف
داؤد قبل ھذہ القصۃ بالصفات
العشرۃ المذکورۃ ووصفہ ایضا
بصفات کثیرۃ بعد ذکر ھذہ
القصۃ وکل ھذہ الصفات
بینا فی کونہ علیہ السلام موصوفا
بھذا الفعل المنکر والعمل القبیح
ولا بأس باعادۃ ھذہ الصفات
لاجل المبالغۃ فی البیان فنقول
اما الصفۃ الاولی فھی انہ تعالی

کی طرف اُسکی نسبت کیونکر مناسب ہے
وجہ دوم یہ کہ اس قصہ میں دو امر بد بیان
ہوئے ہیں۔ ایک مسلمانوں کو قتل کرنا
دوسرا اسکی زوجہ کی طمع کرنا۔ پہلا تو ایسا بد ہے
کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جو کسی مسلمان کے
قتل میں کوشش کریگا۔ آدھا ہی کلمہ کہکر
کیوں نہ ہو۔ قیامت کو وہ ایسی صورت
میں آئیگا کہ اوسکی دو آنکھوں کے مابین
لکھا ہوگا۔ یہ خدا کی رحمت سے نا امید ہوا
دوسرا بھی ایسا ہی بد ہے۔ آنحضرت نے
فرمایا ہے مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ
سے مسلمان بچ رہیں۔ اور اس قصہ کی رو سے
اوریا داؤد کے ہاتھ اور زبان سے نہ بچا
نہ اوسکی جان نہ اوسکی زوجہ۔ وجہ سوم یہ کہ
خدا تعالے نے اس قصہ سے پہلے داؤد
کی دس صفتیں بیان کی ہیں۔ اور اس قصہ
کے بعد بھی بہت سی صفتیں بیان کی ہیں
یہ صفتیں سب کی سب اس امر کے مخالف ہیں
کہ داؤد اس فعل قبیح کا موصوف ہوسکے
وہ صفتیں پہلے بھی بیان ہو چکی۔ اب انکا
اعادہ کیا جاتا ہے۔ پہلی صفت اُنکی یہ کہ

امر محمدا بان یقتدی بداؤد من المصابرة
علی المکابدة ولو قلنا ان داؤد لم یصبر
علی مخالفة النفس بل سعی فی اراقة
دم امرأ مسلم بغرض شہوتہ فکیف
یلیق باحکم الحاکمین ان یامر محمدا
افضل الرسل بان یقتدی بداؤد فی
الصبر علی الطاعة واما الصفة الثانیة
فہی انہ وصفہ بکونہ عبدًا لہ وقد
بینا ان المقصود من ہذا الوصف
بیان کون ذلک الموصوف کاملا
فی وصف العبودیة تامًا فی القیام باداء
الطاعات والاحتراز عن المحظورات
ولو قلنا ان داؤد اشتغل بتلک الا
اعمال الباطلة فحینئذٍ ما کان
کاملاً فی طاعة الہوی والشہوت
الصفة الثالثة ہو قولہ ذا الاید
ای ذا القوة ولا شک ان المراد بہ
القوة فی الدین لان القوة فی غیر
الدین کانت موجودة فی ملوک الکفار
ولا معنے للقوة فی الدین الا القوة
الکاملة علی اداء الواجبات والا

آنحضرت کو سختیوں پر صبر کرنے میں
داؤد کی پیروی کا حکم ہوا۔ اور اگر
ہم یہ کہیں کہ داؤد نفس کی مخالفت پر
صبر نکر سکا بلکہ خونریزی مسلمان میں بغرض
شہوت ساعی ہوا۔ تو پھر کیونکر مناسب ہے
کہ احکم الحاکمین آنحضرت جیسے افضل الرسل کو
اون کی پیروی کا حکم کرے۔ دوسری
صفت آپ کی یہ کہ آپ خدا کے بندہ
تھے جس سے مقصود یہ ہے۔ کہ اس
صفت عبودیت میں کامل خدا کی طاعت
ادا کرنے اور ممنوعات سے بچنے میں
پوری قایم اور اگر ہم یہ کہیں کہ وہ ان
اعمال باطلہ (قتل فسق) میں مشغول
ہوئے تو عبودیت میں کامل نہ ٹھہرے
بلکہ خواہش نفس کی اطاعت اور شہوت
میں کامل ہوئے تیسری صفت آپکی
یہ کہ آپ صاحب بازو تھے۔ یعنے
صاحب قوت اسمیں شک نہیں کہ
قوت سے دین کی قوت مراد ہے
کیونکہ دین کے سوا اور قوت کفار بادشاہوں
میں بھی موجود تھے۔ اور قوت دین

جتناب عن المحظورات وای
قوة لمن لم يملك نفسه عن القتل
والرغبة في زوجة المسلم
الصفة الرابعة كونه اوابا كثير
الرجوع الى الله فكيف يليق هذا
من يكون قلبه مشغوفا بالقتل
والفجور- الصفة الخامسة
انا سخرنا الجبال معه افترى
انه سخرت له الجبال ليتخذ وسيلة
الى القتل والفجور الصفة السادسة
قوله والطير محشورة وقيل انه
كان محرما عليه صيد شئ من الطير
وكيف يعقل ان يكون الطير امنا
منه ولا ينجو منه الرجل المسلم
على وجهه ومنكوحه الصفة
السابعة قوله وشددنا ملكه
ومحال ان يكون المراد انه تعالى
شد ملكه باسباب الدنيا بل
المراد انه شد ملكه بما يقوى الدين
واسباب سعادة الآخرة والمراد
تشديد ملكه في الدين والدنيا

بھی وہ مراد ہونی چاہیئے۔ جو ادائے واجبات
اور ترک ممنوعات میں کامل طور پر ہو۔ اور جو شخص
آپ کو کسی کے قتل کرنے اور اسکی زوجہ میں
رغبت کرنے سے نہ بچ سکا ہو اسمیں ایسی
قوت کہاں اور کیونکر ہوئی۔ چوتھی صفت
آپ کی یہ کہ وہ خدا کی طرف بڑے رجوع
کرنے والے تھے۔ اور جس شخص کا دل قتل
اور فسق کے ڈہنکا ہوا ہو وہ خدا کی طرف
کیونکر رجوع ہو سکتا ہے۔ پانچویں صفت
آپ کیلئے پہاڑوں کا مسخر ہونا کیا تم سمجھے
ہو کہ پہاڑوں کو اسیواسطے آپ کے لئے
مسخر کیا گیا تہا کہ وہ ناحق قتل کریں۔ اور
پرائی عورتوں سے بدکاری کریں۔ چھٹی
صفت یہ بیان ہوئی کہ پرند جانور آپکے
لئے جمع رہتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے
کہ وہ اُنکا شکار نہیں کرتے پھر کیونکر سمجھ میں
آتا ہے کہ جانور تو اُنسے بچ جاویں۔ مگر ایک
مسلمان اور اسکی زوجہ اُنسے نہ بچے۔
ساتویں صفت یہ کہ خدا نے اون کی
بادشاہی کو مضبوط کیا۔ اور یہ محال ہے کہ یہاں
مضبوطی سے دنیاوی اسباب کی مضبوطی مراد ہو بلکہ مراد دین

ومن لا يملك نفسه عن القتل و
والفجور كيف يليق به - الصفة
الثامنة قوله اتيناه الحكمة و
فصل الخطاب والحكمة اسم
جامع لكل ما ينبغي علماً وعملاً
فكيف يجوز ان يقول الله انا
اتيناه الحكمة وفصل الخطاب
مع اصراره على ما يستنكف عنه
الخبيث الشيطان من مزاحمة
خلص اصحابه في الروح والمنكوح
لهذه الصفات المذكورة قبل
شرح تلك القصة دالة على براءة
ساحته عن تلك الاكاذيب واما الصفات
المذكورة بعد ذكر القصة فهي عشرة
الاول قوله وان له عندنا
لزلفى وحسن مآب وذكر هذا
انما يناسب لو دلت القصة
المتقدمة على قوته في طاعة الله و
اما لو كانت القصة المتقدمة دالة
على سعيه في القتل والفجور لم يكن
قوله وان له عندنا لزلفى لائقاً به

بادشاہی کی مضبوطی ہے جو دین میں قوت
دے۔ اور اسباب سعادت آخرت کو پختہ
کرے۔ اور جو شخص قتل و فسق سے نہ
بچ سکے اوسکے لئے یہ صفت کیونکر مناسب
ہے۔ آٹھویں صفت خدا کا یہ فرمانا ہے
کہ ہمنے اوسکو حکمت اور چکوتے حکم عطا کیے
اور جب وہ ایسے خبیث فعل پر مصر تھے جس سے
شیطان بھی نفرت کرے۔ کہ مخلص دوستوں
کی جان اور زوجہ سے مزاحم ہوئے۔ تو
کیونکر جائز تھا کہ خدا تعالے اون کو اس
صفت سے موصوف فرماتا۔ یہ وہ صفات
ہیں جنسے وہ اس قصہ کے بیان سے پہلے
موصوف ہوئے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ
وہ ان اکاذیب سے بری تھے۔ اور جو صفات
بعد بیان قصہ آپ کی نسبت بیان ہوئی
ہیں وہ بھی دس ہیں۔ پہلی صفت خدا
تعالے یہ فرمانا کہ آپ کو ہماری جناب میں
قرب تھا۔ اور اچھی بازگشت۔ انکے حق میں یہ
کہنا اسصورت میں مناسب ہے کہ اس سے
پہلے قصہ میں انکی طاعت کا بیان مسلم ہو
اور اگر اس قصہ میں ان کے فسق و فجور کا

الثانی هو قوله تعالی یاداود
انا جعلناك خلیفة فی الارض
وهذا یدل علی کذب تلك
القصة من وجوه احدهما
ان الملك الکبیر اذا حکی عن بعض
عبیده انه قصد دماء الناس
واموالهم وازواجهم فبعد
فراغه من شرح تلك القصة علی
ملأ من الناس یقبح منه ان یقول
عقبه ایها العبد انی فوضت الیك
خلافتی ونیابتی وذلك لان ذکر
تلك القبائح والافعال المنکرة
یناسب الزجر والحجر فاما جعله
نائبا وخلیفة لنفسه فذلك
البتة مما لا یلیق - وثانیهما انه
ثبت فی اصول الفقه ان ذکر الحکم
عقیب الوصف یدل علی کون
ذلك الحکم معللا بذلك الوصف
فلما حکی الله تعالی فیه تلك الواقعة
القبیحة ثم قال بعده انا جعلناك
خلیفة فی الارض اشعر هذا بان

بیان مراد ہو تو پھر اسکے بعد اُن کی مد
میں قرب و عمدہ بازگشت کا ذکر منا
نہیں ہے ۔ دوسری صفت یہ قول ح
ہے کہ اے داؤد ہمنے تجھے زمین میں خ
بنایا ۔ یہ صفت بتاتی ہے کہ وہ قصہ مح
جھوٹا ہے ۔ اسکی تفصیل کئی وجہ سے ہے
اول کہ اگر مثلاً کوئی بڑا بادشاہ اپنے بعض غلا
کی یہ حالت بیان کرے کہ وہ لوگوں ک
خونریزی کرتا ہے اور انکے مال و بیویوں ک
نہیں چھوڑتا اور یہ کہکر پھر مجمع عام میں
کہدے کہ اس غلام کو ہمنے اپنا خلیفہ بنا
کیا ۔ تو یہ قول نامناسب قبیح معلوم ہوگا
حالات کے ذکر و بیان کے بعد اوسکو
زجر کرنا اور اسکے اختیارات کو بند کرنا
مناسب تھا ۔ نہ اپنا خلیفہ بنالینا
اوسکو عزت بخشنا ۔ دوسری وجہ کہ علم اص
فقہ میں ثابت ہوچکاہے کہ کسی صفت کے
بعد ایک حکم کا بیان اس امر کی دلیل ہوتا ہے
کہ وہ صفت اس حکم کی علت ہے اور
وہ حکم اس علت کا معلول اب اگر فرض
کیا جائے کہ خدا تعالے نے اس واقعہ

ب لتفويض هذه الخلافة
وإتيانه بتلك الافعال المنكرة
علوم ان هذا فاسد اما لو ذكر
ن القصة على وجوه تدل على
ه ساحته عن المعاصي والذنوب
لى شدة مصابرته على طاعة
تعالى فحينئذ يناسب ان يذكر
يه انا جعلناك خليفة في
ض ثبت ان هذا الذي نختاره
ى والثالث وهو انه لما كانت
ل الآية دالة على مدح داود
ه السلام وتعظيمه ومؤخرتها
دالة على ذلك فلو كانت
اسطة دالة على القبائح والمعا
ى مجرى ان يقال فلان عظيم
جة عالي الرتبة في طاعة الله
تل ويزني ويسرق وقد جعله
ليفة في الارض وصوب احكام
لما ان هذا الكلام مما لا يليق
قائل فكذا هذا ومن المعلوم
ن ذكر العشق والسعي في القتل

اس قبیح معنے و مراد سے بیان فرمایا ہے
اور اسکے بعد فرمایا ہے کہ ہمنے تجھے اپنا خلیفہ
بنایا تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو
خلافت انہی افعال قبیحہ قتل و فسق کے سبب
انکے صلہ میں عطا ہوئی ہے۔ اور یہ امر
صریح فاسد اور باطل ہے۔ اور اگر اس
قصہ کے معنے و مراد وہ بیان ہو جس سے
حضرت داؤد کی برأت ثابت ہوتی ہے
تو اس صورت میں اس قصہ کے بعد خلافت
کا ذکر مناسب ہے جس سے ثابت ہوتا ہے
کہ جو معنے اس قصہ کے ہم بیان کرتے ہیں
وہی بہتر ہیں۔ تیسری وجہ یہ کہ ان آیات
کا پہلا حصہ (واذکر عبدنا داؤد)
حضرت داؤد کی مدح و تعظیم ظاہر کر رہا ہے
اور آخری حصہ میں (یا داؤد انا
جعلناک خلیفۃ) بھی انکی مدح کا بیان
ہے۔ اب اگر بیچ والا حصہ (جسمیں اس
قصہ کا بیان ہے) آپ کے عیوب قبائح
کا متضمن ٹھہرایا جاوے تو اوس کی مثال
بعینہ ایسی ہی ہے کہ کوئی کہے کہ فلان شخص
خدا کی طاعت میں عالی درجہ بلند رتبہ

من اعظم ابواب العیوب۔ ÷
والرابع ان القائلین ہذا القول
ذکروا فی ہذہ الروایۃ ان داؤد
تمنٰے ان یحصل لہ فی الدین کما
حصل للانبیاء المتقدمین من
المنازل العالیۃ۔ ÷ فنقول قول
حکایتھم یدل علی ان اللہ یبتلیہ
بالبلاء الذی یزید فی منقبتہ
فالسعی فی قتل النفس بغیر الحق
کیف یلیق بہذہ الحالۃ۔ ÷
العاشران بعضھم ذکر ہذہ
القصۃ علی ما فی کتاب اللہ تعالی
فقال لا ینبغی ان یزاد علیھا وان
کانت الواقعۃ علی ما ذکرت ثم
انہ تعالی لم یذکرھا لاجل ان یستر
تلک الواقعۃ علی داؤد علیہ السلام
فلا یجوز للعاقل ان یسعی فی ہتک ذلک
الستر بمائۃ سنۃ او اقل واکثر
فقال عمر سماعی ہذا الکلام احب
الی مما طلعت علیہ الشمس فثبت
ہذہ الوجوہ التی ذکرناہا ان القصۃ

قاتل ہے زانی ہے چور ہے۔ خدا نے اوسکو
اپنی زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ اور اوسکے
احکام کو درست بتایا ہے۔ اور یہ کلام ایسا ہے
جو کسی عقلمند انسان کے لائق حال نہیں
چہ جائے کہ خدا تعالے کیطرف منسوب ہو
اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیگانی عورتوں سے
عشق اور قتل بڑے بھاری عیوب سے
ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ جعلی کے
قایل کہتے ہیں کہ حضرت داؤد نے خود
آرزو کی تھی کہ خدا میرا امتحان کرکے مجھے
انبیاء کا سا عالی رتبہ دے۔ ہم کہتے ہیں کہ
اسصورت میں کب مناسب تھا کہ خدا اوسکو
قتل اور فسق میں مبتلا کرتا۔ بقول اونکے اس
قصہ کا ابتدا بیان اسکے اخیر کا مکذب ہے
پھر امام نے وجہ نہم لغایت نہم کو بیان کیا
اور پھر کہا کہ بعض علماء کا قول ہے فرض
کیا یہ واقعہ یوں ہی وقوع میں آیا ہے
جیسے یہ کذاب بیان کرتے ہیں۔ مگر جب
اللہ تعالے نے اسکا ذکر نہیں کیا۔ اور
حضرت داؤد کے اس حال کو چھپایا۔ تو
پھر کسی اور کو کب پہنچتا ہے کہ انکا ہتک

التی ذکروها فاسدة باطلة ؛
(تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۸۵ وغیرہ)

پردہ کرے۔ اور نزول قرآن سے ہزار برس یا اس سے کم وبیش کے بعد ان حالات لغفہ یہ کو شائع کرے۔ عمر بن عبد العزیز نے یہ قول سُنا تو کہا کہ تمام دنیا سے مجھے یہ قول پیارا ہے۔

اس **اتفاق** کے بعد کہ جُو اس مشہور قصہ میں بیان ہوا ہے وہ کذب ہے۔ بعض محدثین ومفسرین کا اس امر کے بیان میں **اختلاف** ہے کہ وہ کونسا امر ہے جسکا اس آیت میں ذکر ہے اور اسکے سبب حضرت داؤد جانچے گئے۔ اور بخشش کے طالب ہوئے۔ اسمیں علماء کے **تین قول** ہیں۔ **ایک یہ** کہ

قال القائلون بتنزیه الانبیاء فی هذه القصة ان ذنب داؤد انما کان انه تمنّی ان تکون امرأة اوریا حلالاً له فاتفق غزوة اوریا۔ وتقدمه فی الحرب فهلک فلما بلغ قتله لم یجزع علیه کما جزع علی غیره من جنده ثم تزوج امرأته فعاتبه الله علی ذلک لان ذنوب الانبیاء وان صغرت فهی عظیمة عند الله تعالیٰ۔ وقیل کان ذنب داؤد ان اوریا خطب تلک المرأة ووطن نفسه علیها فلما غاب فی غزاته خطبها داؤد فتزوجت منه

حضرت داؤد نے اوریا کی عورت کو اتفاقاً وناگہانی طور پر دیکھا تو اون کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ وہ عورت اون پر حلال ہو جائے (یعنے اُنکے نکاح میں آئے) پھر حسب اتفاق وہ لڑائی میں گیا۔ اور مارا گیا۔ تو حضرت داؤد نے اوس کے موت پر رنج ظاہر نہ کیا جیسے اور لشکر کے مُردوں پر کیا تھا۔ اور اوسکی عورت سے نکاح کر لیا۔ اسپر خدا نے اون پر عتاب کیا۔ کیونکہ انبیا کے گناہ اگرچہ چھوٹے ہوں پر وہ اللہ کے نزدیک بڑے ہوتے ہیں۔ **دوسرا یہ قول** کہ اوریا نے اس عورت سے خطبہ کیا (یعنے پیام نکاح

لجلالته فاغتم لذلك اوريا فعاتبه انه على ذلك حيث لم يترك هذه الواحدة لخاطبها وعنده تسع و تسعون امرأة (معالم التنزيل صفحه ۷۰)

واصل القصة ان داود عليه السلام رأى امرأة رجل يقال له اوريا فمال قلبه اليها فسأله ان يطلقها فاستحيى ان يرده ففعل فتزوجها وهي ام سليمان وكان ذلك جائزا في شريعته معتادا فيما بين امته غير مخل بالمروة حيث كان يسئل بعضهم بعضا ان ينزل له عن امرأته فتزوجها اذا اعجبته وقد كان للانصار في صدر الاسلام يواسون المهاجرين بمثل ذلك من غير نكير خلا انه عليه السلام لعظم منزلته وارتفاع مرتبته وعلو شانه نبّه بالتمثيل على انه لم يكن ينبغي له ان يتعاطى ما يتعاطاه احاد امته ويسئل رجلا ليس له الا امرأة واحدة ان ينزل عنها

بھیجا تھا) اور اوسکا دل اوس کی طرف مائل ہوچکا تھا۔ کہ اوسکو لڑائی میں جانیکا اتفاق ہوگیا۔ جب وہ چلا گیا تو داؤد نے اس عورت سے خطبہ کیا (جو اسوقت جائز تھا۔) اوس عورت نے حضرت داؤد کو ان کی جلالت رتبہ کی نظر سے پسند کیا اس سے اوریا کو رنج وغم ہوا۔ اوس پر خدا تعالے نے حضرت داؤد پر عتاب کیا کہ تمہاری ننانوے بیویاں تھیں تسپر بھی تم نے اس بیچارہ کی ایک مخطوبہ کو نہ چھوڑا۔ **تیسرا قول** یہ کہ حضرت داؤد نے اس عورت کو دیکھا تو اُسکے شوہر سے طلاق کا سوال کیا۔ اوس نے آپکے لحاظ سے طلاق دیدی۔ تو آپ نے اوس سے نکاح کرلیا۔ جس سے حضرت سلیمان پیدا ہوئے۔ یہ امر اون کی شریعت میں جائز اور بلا انکار مروج تھا۔ جب کوئی کسی عورت کو پسند کرتا تو اوسکے شوہر سے طلاق کی درخواست کرتا۔ پھر وہ اسے چھوڑ دیتا تو وہ نکاح کرلیتا۔ جیسا کہ اسلام کے شروع میں قوم انصار میں یہ رواج تھا کہ

فيتزوجها مع كثرة نسائه

(ابوالسعود صفحہ ۱۸۲ جلد ۷)

الضار رہا جرین کی خاطر سے عورتوں کو چھوڑ دیتے اور وہ اُنسے نکاح کر لیتے۔ مگر حضرت داؤد علیہ السلام چونکہ بڑے عالی منزلت اور بلند رتبہ تھے اُنھوں نے ایسا کیا تو اون کو اس مثال سے جو فرشتوں نے پیش کی تھی متنبہ کیا گیا کہ آپ کو ایسا مناسب نہ تھا۔ جیساکہ آپکی امت کے عوام میں مروج تھا۔ کہ ایک شخص سے جسکے پاس صرف ایک عورت تھی درخواست طلاق کرتے۔ اور باوجود کثرت عورتوں کے اُسکو نکاح میں لاتے

امام رازی نے ان تینوں وجوہات وتاویلات کو نقل کرکے اور اتفاقی نظر

اما وقوع بصره عليها من غير قصد فذلك ليس بذنب واما حصول الميل عقيب النظر فليس ايضاً ذنباً لان الميل ليس في وسعه فلا يكون مكلفاً به و هذا اي خطبته وان كان جائزا في ظاهر الشريعة الا انه لا يليق بك فان حسنات الابرار سيئات المقربين هذه وجوه ثلثة لو حملنا القصة على واحدة منها لم يلزم في حق داؤد الا ترك الافضل والاولى - واما الاحتمال الثالث وهو ان هذه القصة على وجه لا يلزم الحاق الكبيرة و

پڑ جانے سے کسی عورت کی طرف میلان خاطر ہو جانے کا گناہ نہ ہونا ثابت کرکے کہا ہے کہ یہ (تیسرا امر خطبہ پر خطبہ کرنا) اگرچہ اون کی ظاہر شریعت میں جائز تھا۔ ولیکن بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین یہ امر ان کی شان کے لئے مناسب نہ تھا۔ ان وجوہ ثلثہ سے جس وجہ سے اس قصہ کی تفسیر کریں۔ اس سے یہی ثابت ہوگا کہ حضرت داؤد نے ایک امر افضل و اولے کو ترک کیا تھا ان وجوہات کو بیان و تسلیم کرنے کے ساتھ امام رازی نے ایک معنے اس آیت کے ایسے بیان کئے ہیں جس کی نظر سے یہ فعل داؤد ترک افضل و خلاف اولے بھی نہیں رہتا بلکہ امر افضل و لائق مدح و ثنا بن جاتا ہے۔

الصغیرة بداؤد علیه السلام بل یوجب اعظم انواع المدح والثناء به وهو ان نقول روی ان جماعة من الاعداء طمعوا فی ان یقتلوا نبی الله داؤد وکان له یوم یخلو فیه بنفسه ویشتغل بطاعت ربه فانتهزوا الفرصة فی ذلك الیوم فتسوروا المحراب فلما دخلوا علیه وجدوا عنده اقواما یمنعونه منهم فخافوا فوضعوا کذبا فقالوا خصمان الخ ولیس فی لفظ القران ما یمکن ان یحتج به فی الحاق الذنب بداؤد الا الفاظ اربعة احدها فظن داؤد انما فتناه و ثانیها قوله فاستغفر ربه وثالثها قوله اناب ورابعها فغفرنا له ذلك ثم نقول وهذه الالفاظ لا تدل علی شیٔ منها علی ما ذکروه وتقریره من وجوه الاول انهم لما دخلوا علیه لطلب قتله بهذا الطریق وعلم داؤد ذلك دعاه الغضب الی ان

وہ یہ کہ ایک دشمنوں کی جماعت نے آپکو قتل کرنا چاہا۔ آپ کا ایک دن ایسا تھا جسمیں آپ اکیلے ہوکر عبادت میں مشغول ہوتے۔ اسدن دشمنوں نے فرصت پائی اور مسجد کی دیوار کود کر مارنے کو آپڑے وہاں جب اور لوگوں کو دیکھا جو اون کو قتل سے بچا سکیں تو اونہوں نے یہ جھوٹی بات بنائی۔ کہ ہم دو جھگڑنے والے ہیں جسکا قرآن میں بیان ہوا ہے۔ آب یہاں یہ سوال ہوتا تھا کہ اس صورت میں وہ کونسا امر ہوا جس سے وہ جانچے گئے۔ اور حضرت داؤد کا گناہ کیا تھا جس سے انہوں نے بخشش مانگی۔ تو اسکا جواب امام رازی نے یہ دیا ہے کہ جن الفاظ سے حضرت داؤد کا گناہ نکالا جاسکتا ہے وہ صرف چار لفظ ہیں۔ فتناہ۔ فاستغفر اناب۔ فغفرنا له۔ مگر ان الفاظ اربعہ سے وہ گناہ ثابت نہیں ہوتا جو منکرین عصمت بیان کرتے ہیں۔ ان الفاظ کی کئی وجہ کر ایسی تقریر ہوسکتی ہے۔ کہ حضرت داؤد کا دیسا گناہ لازم نہ آئے۔ وجہ اول یہ کہ

یشتغل بالانتقام منهم الا انه مال الی الصفح والتجاوز عنهم طلبا لمرضاة الله وکانت هذه الواقعة هی الفتنة لانها جاریة مجری الابتلاء والامتحان ثم انه استغفر ربه فیما همّ من الانتقام منهم وتاب عن ذلک واناب فغفر له ذلک القدر من الهم والعزم (تفسیر کبیر ص ۱۹۰ جلد ۷)

جب وہ لوگ قتل کے ارادہ سے مسجد میں داخل ہوئے - اور حضرت داؤد کو اسکا علم ہوگیا تو اون کو غصہ اس امر پر باعث ہوا کہ وہ اس ارادہ کے انتقام میں اون کو قتل کردیں پھر وہ اس غصہ کو ضبط کرکے درگذر کیطرف مائل ہوئے - اور خدا کی رضامندی کے لئے اون کے قصور کو معاف کیا - یہی امر اون کی آزمایش کا تھا - ایمیں آپ کا جانچنا اور امتحان کرنا تھا - کہ وہ درگذر کرتے ہیں یا بدلہ لیتے ہیں - پھر اونھوں نے اپنے اس ارادہ قتل و انتقام کی خدا سے معافی چاہی - اور اس سے توبہ کی - اور اسی کے لئے سربسجود ہوئے - اور خدا کی طرف رجوع ہوئے اور اسی کو خدا تعالےٰ نے معاف کیا -

اس وجہ کے علاوہ تین وجہ اور امام صاحب نے بیان کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے

ثبت بهذه البیانات انا اذا حملنا هذه الآیات علی هذا الوجه فانه لا یلزم اسناد شیٔ من الذنوب الی داؤد علیه السلام بل ذلک یوجب اسناد اعظم الطاعات ثم نقول حمل الآیة علیه اولی بوجوه الی ان فصلها باربعة وجوه (تفسیر کبیر ص ۱۹۰ جلد ۷)

کہ ان الفاظ اربعہ سے حضرت داؤد کا مرتکب گناہ ہونا نہیں نکلتا اسکے بعد امام نے کہا ہے کہ جب آیت کے یہ معنے ہوں کہ جو لوگ آپ کے پاس آئے تھے وہ دشمن تھے تو اس سے کسی قسم کا گناہ (نہ صغیرہ نہ کبیرہ) حضرت داؤد کیطرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ یہ معنے ان کے بڑے بھاری طاعت ثابت کرتے ہیں - پھر امام نے فرمایا کہ ان آیت

یہی معنے مراد لینا دوسرے معنے مراد لینے سے بہتر ہے۔ اور اس امر کو چار دلیل سے ثابت کیا۔ جسکا ذکر ہمنے طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔

بالجملہ حضرت داؤد اس نقل میں جو کہ اس آیت مذکورہ میں منقول ہوا ہے کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک امر خلاف افضل کے جس سے اون کی عصمت باطل نہیں ہوتی۔ یا ایک ایسے امر کے مودی ہوئے ہیں جو افضل تھا۔ اور اس سے اون کی عصمت کی تائید نکلتی ہے۔

وازانجملہ قصہ حضرت سلیمان ہے۔ جسکا اس آیت میں ذکر کہ ہمنے سلیمان کو جانچا۔ اور اوسکے تخت پر ایک دہڑ ڈال دیا پھر وہ خدا کی طرف رجوع ہوا۔ اور بولا اے میرے رب میرا گناہ معاف کر۔

ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدًا ثم اناب فقال رب اغفرلی۔ (ص - ع - ۳ -)

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے عجیب عجیب قصے نقل کئے ہیں کہ حضرت سلیمان کی بیوی تصویر پرست تھی۔ آپ نے اس سے غفلت کی تو آپ پر یہ بلا پڑی کہ جو انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں تھی اور اسی کے سبب آپ بادشاہی کیا کرتے تھے۔ وہ صخر جنی کے ہاتھ آگئی۔ وہ اُس انگوٹھی کو پہن کر سلیمان کی شکل بن گیا۔ اور آپکی جگہ تخت پر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہی کرنے لگا۔ اور معاذ اللہ آپ کی عورتوں سے ہمبستری کرتا رہا حیض کی حالت میں بھی اون کو نہ چھوڑتا تھا۔ حضرت سلیمان ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ اور مدتوں بھاڑ جھونکتے رہے۔ یا مچھلی پکڑنیوالے شکاریوں کی نوکری کرتے رہے۔ جب وہ انگوٹھی شراب کے نشہ میں صخر کے ہاتھ سے دریا میں گر گئی۔ اور اوسکو مچھلی نگل گئی۔ اور وہ مچھلی پکڑنے والوں کے ذریعے حضرت سلیمان کے ہاتھ میں آئی تو پھر حضرت کو بادشاہی ملی۔ اس مضمون کی تین چکایتیں اور ہیں جو مفسرین نے نقل کی ہیں۔

ان حکایات کی دست آویز سے منکرین عصمت انبیاء حضرت سلیمان کا گنہگار ہونا اور اس گناہ کے بدلے سزا پانا نکالتے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ حکایتیں اور روائتیں سب کی سب محض کذب ہیں۔ اور یہودیوں کے افترا ہیں۔ اسلام کی تفسیروں میں ان حکایتوں کا داخل ہوجانا ان لوگوں کی بدولت ہوا ہے۔ جو اہل کتاب اور یہودیوں سے روایات نقل کرنے کے عادی تھے۔ اور درحقیقت حضرت سلیمان کا جانچا جانا (جسکا اس آیت میں ذکر ہے) ایک ایسے خفیف امر کے سبب ہوا تھا۔ جو صرف سہو و نسیان پر مبنی تھا۔ نہ کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کی وجہ سے اور وہ امر بھی ان ہی تفسیروں (جنمیں وہ حکایات مفتریات منقول ہیں) ذکر کیا گیا ہے۔ اور حدیث کی کتاب صحیح بخاری میں جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانی جاتی ہے۔ وہ امر مروی ہے۔ پھر تعجب صد تعجب ہزار تعجب کہ ان مفسرین نے باوجود علم و نقل و بیان اس امر کے ان جھوٹی حکایتوں کو بھی اپنی تفسیروں میں نقل کردیا۔ اور اُن کے سبب ناواقف مسلمانوں کو دھوکہ اور غلطی میں ڈالا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ان ہی مفسروں میں ایسے لوگ بھی ہوگذرے ہیں جو ان حکایتوں کو موضوع اور مکذوب بتا چکے ہیں۔ اور اپنے بھائی مفسروں کے گناہ (نقل و بیان) کا کفارہ ادا کرچکے ہیں۔

ہم پہلے ان حکایات کے موضوع و مفتری ہونے پر ان مفسرین کی شہادت پیش کرتے ہیں پھر وہ امر بیان کریں گے جس کے سبب حضرت سلیمان جانچے گئے تھے اور وہ امر سہو و نسیان سے بڑھ کر نہیں ہے۔

صاحب کشاف نے کہا ہے کہ "جو انگوٹھی اور شیطان اور حضرت سلیمان کے گھر میں صورت پرستی کی حدیث نقل کیجاتی ہے۔ اوس کی صحت کا علم خدا ہی کو

اما ما یروی من حدیث الخاتم والشیطان وعبادۃ الوثن

فی بیت سلیمان فالله اعلم بصحته
والی ان روی الحدیث بطوله ثم
قال ولقد ابی العلماء المتقنون قبوله
وقال هذا من اباطیل الیهود و
الشیاطین لا یتمکنون من مثل
هذه الافاعیل وتسلیط الله ایاهم
علی عباده حتی یقعوا فی تغییر
الاحکام وعلی نساء الانبیاء حتی
یفجروا بهن قبیح (کشاف ص ۱۲۳)
قال العلامة النسفی فی المدارك
واما ما روی من حدیث الخاتم
والشیطان وعبادة الوثن فی
بیت سلیمان فمن اباطیل الیهود
(فتح البیان ص ۲۳ جلد ۴ -)

ہے پھر اسحدیث کو نقل کیا - پھر کہا کہ
علماء جو حدیث میں مضبوطی رکھتے ہیں
اس حدیث کی صحت سے انکاری ہیں
اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث یہودیوں کی
باطل من گھڑت ہے - اور شیطانوں کو
ایسی قدرت نہیں ہے - اور خدا تعالے
کا ان کو اپنے بندوں پر ایسا تسلط دیدینا کہ
کہ وہ احکام شرع کو بدل دیں - اور نبیوں
کی بیویوں سے بدکاری کریں - قبیح امر
ہے" یعنے خدا کی شان اور لطف سے بعید
ہے -

ایسا ہی علامہ نسفی صاحب مدارک نے
کہا ہے - چنانچہ فتح البیان میں اُنکے
نقل کیا ہے -

فتح البیان میں جو اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس آیت کو یہودیوں کی باطل روائیتوں سے شمار کرنا مناسب نہیں - کیونکہ اسحدیث کو نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے - اور سیوطی نے اسکی سند کو قوی کہا ہے - چنانچہ آئندہ بیان ہوگا یہ تعجب کا محل ہے - نسائی کا اسحدیث کو روائیت کرنا اور سیوطی کا اسکی سند کو قوی کہنا یا حاکم کا اوسکو صحیح کہدینا - اس حکایت کو لائق اعتبار نہیں بنا دیتا - اور اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ وہ یہودیوں کا افترا ہو - صحیحین کے سوا ان کتابوں میں جو صحاح ستہ کہلاتے ہیں یا جو اور تیسرے یا چوتھے طبقہ کی

کتابیں ہیں صحت کا التزام نہیں ہے۔ اون میں ایسی بھی حدیثین ہیں جنکو آئمہ حدیث نے موضوع کہا ہے۔ (موضوعات ابن الجوزی ملاحظہ ہو) اور کسی حدیث کی سند صحیح یا قوی ہونے سے اوسکی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ متن اور علتوں سے محفوظ نہ ہو اور خاصکر سیوطی کا کسی سند کو قوی کہنا کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اور حاکم کے تصحیح لائق اعتماد نہیں۔ ان مسائل کی دلیل و تفصیل کتب اصول حدیث مقدمہ ابن الصلاح وغیرہ میں ہے۔ اور جلد ہی گذشتہ اشاعۃ السنۃ میں بھی ہو چکی ہے۔ لہذا ہم اسمقام میں اس تفصیل سے قلم کو روکتے ہیں۔

امام رازی نے ان حکایات کو نقل کرنیکے بعد انکو بدلائل عقلیہ باطل کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ اہل تحقیق اس کلام کو (جو ان حکایتوں میں بیان ہوا ہے) کئی وجہ سے صحت سے بعید جانتے ہیں۔ وجہ اوّل یہ کہ اگر شیطان کو نبیون کی صورت اور شکل میں مشابہ بن جانا جایز و ممکن ہے۔ تو اسصورت میں کسی شریعت پر اعتماد باقی نہیں رہتا۔ اس خیال سے کہ شاید جنکو لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و عیسے و موسے علیہم السلام کی صورت میں دیکھا تھا وہ در حقیقت وہ حضرات نہ ہون بلکہ شیطان ہو جو لوگوں کو بہکانے کے لیئے ان حضرات کی شکل بن گیا ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا خیال دین کو بالکل باطل کر دیتا ہے۔

واعلم ان اهل التحقيق استبعدوا هذ الكلام من وجوه الاول ان الشيطان لو قدر على ان يتشبه بالصورة والخلقة بالانبياء فحينئذٍ لا يبقى الاعتماد على شئ من الشرائع فلعل هؤلاء الذين رأهم الناس فى صورة محمدٍ صلى الله عليه وسلم وعيسى وموسى عليهم السلام ما كانوا اولئك بل كانوا شياطين تشبهوا لهم فى صورهم لاجل الاغواء والاضلال ومعلوم ان ذلك مطل الدين بالكلية۔

الثانی ان الشیطان لو قدر علی ان یعامل بنی اللہ سلیمان بمثل ھذہ المعاملۃ لوجب ان یقدر علیھا مع جمیع العلماء والزھاد وحینئذ وجب ان یقتلھم وان یخرق تصانیفھم وان یخرب دیارھم ولما بطل ذلک فی احاد العلماء فلان یبطل مثلہ فی حق اکابر الانبیاء اولی۔

الثالث کیف یلیق بحکمۃ اللہ واحسانہ ان یسلط الشیطان علی ازواج سلیمان ولا شک انہ قبیح۔

والرابع اوقلنا ان سلیمان اذن تلک المرأۃ فی عبادۃ تلک الصورۃ فھذا کفر منہ وان لم یأذن فیہ البتۃ فالذنب علی تلک المرأۃ فکیف یواخذ اللہ سلیمان بفعل لم یصدر منہ (تفسیر کبیر ص۲۲۲ جلد۷۔)

وجہ دوم۔ یہ کہ اگر شیطان کو نبی سے ایسا معاملہ جائز ہے تو اور علماء اور زاہدوں سے بطریق اولے جائز ہوگا۔ اسصورت میں اُسے چاہیئے کہ ان علماء کو قتل کر ڈالے اور اونکی کتابیں پھاڑ دے۔ اور اون کے گھر اوجاڑ دے۔ جب اسکا ایسا کرنا عام علماء کے حق میں باطل ہے۔ تو اکابر انبیاء کے حق میں ایسا کرنا بطریق اولے باطل ہونا چاہیئے۔

وجہ سوم۔ یہ کہ خدا کی حکمت اور مہربانی کی نسبت یہ امر کیونکر مناسب ولایق ہے کہ وہ شیطان کو نبی کی بیویوں پر شوت رانی کے لئے مسلط کرے۔ یہ امر تو بلاشک قبیح ہے۔

وجہ چہارم۔ یہ کہ اس صورت پرستی کے لئے حضرت سلیمان نے اذن دیدیا تھا۔ تو ان کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ اور اگر انکا اذن نہ تھا تو اس عورت کے جرم کے سبب حضرت سلیمان پر ایسا سخت مواخذہ کیونکر ہوا۔

یہ اس قصہ کے رد میں مفسرین کے اقوال ہیں اب وہ امر بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے سبب غرست سلیمان جانچے گئے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روائیت ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت

عن ابی هريرة عن النبیّ صلی الله عليه وسلم قال قال سليمان بن داؤد لاطوفن الليلة على سبعين امرأة تحمل كل امرأة فارسًا يجاهد فی سبيل الله فقال له صاحبه انشاء الله فلو يقل فلم تحمل شيئًا الا واحد اساقطا احد شقيه فقال النبی صلی الله عليه وسلم لو قالها لجاهدوا فی سبيل الله وقال شعيب وابن الزناد تسعين وهو اصح (صحيح بخاری صـ ۴۸۷)

داؤد کے بیٹے (حضرت) سلیمان نے کہا۔ آج رات میں ستر عورتوں سے ہم بستری کرونگا وہ سب کی سب حاملہ ہو کر سوار جنگیں جو خدا کے راہ میں جہاد کرینگی۔ اوسکے ساتھی (فرشتہ یا مصاحب انسان) نے انشاء اللہ کہا۔ پر سلیمان نے نہ کہا۔ (یعنے آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے) تو کوئی عورت حاملہ نہ ہوئے بجز ایک کے جو ایک بچہ جنی جسکا ایک پہلو مارا ہوا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو سب کی سب بچہ جنتی اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرتے۔ اشعث اور ابن الزناد راویوں نے اس روائیت میں بجائے ستر نوّے کہا ہے اور وہی صحیح ہے۔

اس حدیث کو مفسرین صاحب معالم ابو السعود وغیرہ (جنہوں نے اس موضوع حکایت بیہودہ کو بھی نقل کیا ہے) اپنی تفاسیر میں لائے اور اوسکو اس آئیت کا ایک محمل و مورد نزول بتائے ہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس حکائیت موضوعہ کو رد کرنے کے بعد کہا ہے

واما الوجوه التی ذکرها اهل التحقيق فی هذا الباب فاشياء الاوّل ان فتنة سليمان انه

کہ اس آیت کی تفسیر میں جو وجوہات اہل تحقیق نے بیان کئے ہیں وہ کئی ہیں۔ اوّل یہ کہ سلیمان کا پنچانا یوں ہوا۔ کہ

ولد له ابن فقالت الشياطين
ان عاش صار مسلطاً علينا
مثل ابيه فسبيلنا ان نقتله
فعلم سليمان ذلك فكان
يربيه في السّحاب فبينما
هو مشتغل بمهماته اذ
القي ذلك الولد ميتاً على كرسيه
فتنبه على خطاءه في انه لم
يتوكل على الله فاستغفر ربه
واناب - الثاني روي عن النبي
صلى الله عليه وسلم انه قال
سليمان لاطوفن الليلة على
سبعين امرأة كل واحدة
تاتي بفارس مجاهد في سبيل
الله فقال له صاحبه ان شاء الله
فلم يقل ان شاء الله فطاف عليهن
فلم تحمل الا امرأة واحدة
جاءت بشق رجل فجئ به على
كرسيه فوضع في حجره
فذلك قوله ولقد فتنا سليمان
(تفسیر کبیر صفحہ ۲۰۳ جلد ۷)

آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو جنوں نے کہا
کہ اگر یہ جیتا رہا تو باپ کی طرح ہم پر مسلط ہوگا
ہمارا بچاؤ اسمیں ہے کہ اوسکو قتل کر ڈالیں۔
یہ سُنکر حضرت سلیمان نے اوسکو بادلوں میں
پرورش کرنے کے لئے رکھا۔ ایک دن وہ
اپنی مہمات میں مشغول تھے کہ یکایک وہ
لڑکا مرا ہوا اُنکے تخت پر آپڑا۔ اس سے
وہ اپنے خطا پر متنبہ ہوئے کہ مینے خدا پر
توکل نہ کیا تھا۔ پھر بخشش مانگنے لگے اور
خدا کی طرف رجوع ہوئے دوسری وجہ یہ
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی
ہے۔ پھر اس حدیث کو جو صحیح بخاری سے منقول
ہوئی، بیان کیا۔ اور اوسکے اخیر میں ذکر
کیا کہ وہ آدھا انسان اون کی
کرسی پر اون کی گود میں رکھا گیا۔ یہی اس
قول خداوندی سے مراد ہے کہ ہم نے سلیمان
کو جانچا۔ یعنے سلیمان نے انشاءاللہ کہنے کے
بغیر وہ کلمہ کہا۔ تو ہمکو پسند نہ آیا تب
ہم نے مرا ہوا دھڑ اوسکی کرسی پر ڈالدیا
جب وہ اپنی بھول کی بخشش مانگنے لگا۔
اور ہماری طرف رجوع ہوا۔

ان دو وجوہ کے سوا، دو وجہ امام رازی نے اور بیان کی ہیں جنسے حضرت سلیمان کا اس افترا یہود سے بری ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ اور چونکہ وہ وجوہات صرف عقلی ہیں جنکو بمقابلہ اس وجہ کے جو امام صاحب نے اور ہمنے بدست آویز حدیث صحیح بخاری کے بیان کی ہے۔ کوئی وقعت نہیں ہے۔ لہذا انکے نقل و بیان سے ہمنے تعرض مناسب نہیں سمجھا۔

اسمقام میں ایک تعجب کے ساتھ ذکر کرنے کے لائق یہ امر بھی ہے۔ کہ تہذیب الاخلاق ماہ جمادی الاولی ۱۳۱۴ھ میں بصفحہ ۱۵۱ جہاں ان حکایات مفتریات یہود کو (جنکے رد میں ہمنے ان سے زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ اور انسے بڑھ کر اسکا ثبوت دیا ہے۔) رد کیا ہے۔ وہاں اس حدیث کے مضمون کو جو ہمنے صحیح بخاری سے نقل کیا ہے نیز رد کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ "نہایت تعجب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے ہے کہ انہوں نے اس سے بھی (یعنے حکایت مفتریہ یہود سے) زیادہ لغو اور مہمل قصہ اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ اور بعض تفسیروں میں بھی یہ مہمل قصہ مندرج ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام از امرا خود منغص شدہ بخاطر آورد کہ امشب با صد زن صحبت دارم کہ ہر زنے پسرے زاید۔ وہر یکے شہسوارے باشد جہاد کنندہ و مرا احتیاج تملق امرا نیفتد۔ فرشتہ گفت انشاء اللہ تعالے۔ بگو سلیمان سہو کرد پس ہیچ زن حاملہ نشد۔ الا یک زن طفل ناقص الخلقت زاد و آن طفل را بر تخت سلیمان انداختند۔ سلیمان متنبہ شد۔ و رجوع برب العزت کرد"

ایسے مہمل قصے جبکہ ایسے بڑے عالموں سے لکھے جاویں تو اور لغو نویسوں کا کیا پوچھنا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو یہیں شبہ ہوگیا کہ وہ کون لڑکا تھا جو سلیمان کے تخت پر ڈالا گیا۔ حالانکہ وہ لڑکا نہیں تھا جسکو انہوں نے ایک جھوٹی قصہ کا لڑکا خیال کیا ہے۔ بلکہ وہ مرا ہوا لڑکا تھا جسکا ذکر آگے ہوگا"

پھر اس پرچے کے صفحہ ۱۵۲ میں اس مرے ہوئے لڑکے کے بیان اور اس آیت کے مصداق اور مورد نزول کی تعیین میں کہا ہے "مگر خدا رحمت کرے۔ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم پر کہ انہوں نے نہایت تفتیش سے اس اصلی قصہ کو ڈھونڈ کر نکالا۔ وہ لکھتے ہیں۔ در اصل جس قصہ کا اس آیت میں اشارہ ہے وہ قصہ کتاب طالمود میں لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اوّل کتاب ملوک کے فصل سوم میں لکھا ہے۔ (۱۶) آنگاہ دو زن زانیہ نزد ملک آمدہ درحضورش ایستادند۔ (۱۷) و یک زن گفت کہ اے خداوند من وایں زن دریک خانہ ساکنیم۔ ودراں خانہ نزد او وضع حمل نمودم۔ (۱۸) و واقع شد کہ بعد از وضع حمل من روز سوم این زن نیز زائید و باہم بودہ دیگرے با او درخانہ نبود بلکہ سوائے ما دو نفر احدے دراں خانہ نبود۔ (۱۹) و پسر این زن بوقت شب مرد۔ زیرا کہ او بر رویش خوابیدہ بود۔ (۲۰) و وقت نیم شب برخاستہ و پسر مرا از پہلوئے من وقتیکہ کنیزکت خوابیدہ بود از من گرفت و در بغل خود خوابانید۔ (۲۱) وصبحدم وقتیکہ برائے شیر دادن برخاستم اینک مردہ و صبحدم او را تشخیص نمودہ اینک پسرے کہ زائیدہ بودم نبودہ است (۲۲) و زن دیگر عرض کرد کہ نے بلکہ پسر زندہ از من است و پسر مردہ از تست۔ و آں دیگرے گفت نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است و چنیں درحضور ملک مے گفتند (۲۳) پس ملک گفت کہ ایں یکے مے گوید کہ پسر زندہ از من است و آں پسر مردہ از تست و آں دیگرے مے گوید کہ نے بلکہ پسر مردہ از تست و پسر زندہ از من است (۲۴) ملک گفت کہ شمشیر را بمن آورید۔ و شمشیر را نزد ملک آوردند۔ (۲۵) و ملک فرمود کہ پسر زندہ را بدو حصہ تقسیم نمائید و یک نیمہ بایں بدہید و نیمہ دیگر بدیگری (۲۶) و زنے کہ پسر زندہ از آن او بود درحالتے کہ رحمش برپسر او مضطرب مے گرد بملک متکلم شدہ گفت کہ اے خداوند پسر زندہ را با و بدہید والبتہ او را مکشید۔ اما آن

دیگرے گفت کہ نہ ازان من و نہ ازان تو باشد او را تقسیم نمائید۔ (۲۷) پس ملک جواب داد فرمود کہ پسر زندہ را باو بدہید۔ و او را البتہ نکشید کہ مادرش اوست (۲۸) و تمامی اسرائیل حکمے کہ ملک اجرا داشتہ بود شنیدہ و از ملک ترسیدند زیرا کہ دیدند کہ در قلبش حکمت خدائیست تا آنکہ حکم را جاری سازد۔

اس قصہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہی مرا ہوا بچہ سلیمان کے تخت پر ڈالا گیا تھا۔ جسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔ والقینا علی کرسیہ جسداً پہلی دفعہ حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا کہ دوسرے زندہ بچہ کو تلوار سے کاٹ کر دو ٹکڑے کئے جاویں۔ ایک ٹکڑا ایک عورت کو اور ایک ٹکڑا دوسری عورت کو دیا جاوے جب اوس عورت نے جو درحقیقت زندہ بچہ کی ماں تھی اپنے دعوے سے دست بردار ہی اور کہا کہ بچہ دو ٹکڑے نہ کیا جاوے بلکہ اوسی عورت کو دیدیا جاوے جس نے اس کا جھوٹا دعوے کیا تھا۔ تو حضرت سلیمان سمجھے کہ درحقیقت یہی اس زندہ بچہ کی ماں ہے جو اسکا تلوار سے دو حصہ ہونا نہیں چاہتی۔ پس حضرت سلیمان نے اپنے پہلے حکم سے رجوع کی اور یہ حکم دیا کہ یہ بچہ اسیکو دیدیا جاوے جس نے اوس کے دو ٹکڑے ہونے کو منظور نہیں کیا۔ اسکی نسبت خدا نے فرمایا ثم اناب۔ اور حضرت سلیمان نے خدا سے اپنے پہلے حکم کی نسبت معافی چاہی۔ اور کہا رب اغفرلی۔ پس یہ صاف قصہ ہے جسکی نسبت قرآن مجید میں اشارہ ہے"۔

اس بیان صاف تہذیب الاخلاق پر ہمکو کئی وجہ تعجب ہے جنکو ہم کمال اخلاص سے ظاہر کرتے ہیں۔ صاحب تہذیب اور اُن کے اتباع بھی اگر اخلاص سے ان کو سنینگے تو یقین ہے اس سے جانبین کو فائدہ پہنچیگا انشاء اللہ تعالے۔

وجہ اوّل یہ کہ صاحب تہذیب کا ایک ایسے قصہ کو جسکا اصل مطلب حدیث صحیح البخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں موجود ہے۔ حکایت مفتریہ یہود سے

بھی زیادہ لغو و مہمل کہنا اور پھر اس دعوے لغویت کی کوئی وجہ بتانا کمال تعجب کا محل ہے۔ آپ اگر اپنے اصول و عادت کے موافق صرف یہ کہتے کہ اس حدیث میں دو جگہ عن کا لفظ آیا ہے یا کچھ لفظی اختلاف روایات (سبعین و تسعین وغیرہ) بیان کرکے کہدیتے کہ یہ روایت بالمعنے ہے۔ لہذا یہ یقیناً رسول کا قول نہیں۔ اور ہمکو اسکی صحت میں شک ہے یا اسمیں کوئی تاویل کردیتے تو ہم اسپر تعجب نہ کرتے۔ اور ان خود ساختہ اصول کی پابندی سے ایسا کہنے میں اونکو معذور سمجھتے۔ مگر اونہوں نے اپنے ان معمولی الفاظ کو چھوڑ کر اس قصہ کی نسبت یہ الفاظ کہدیئے کہ یہ قصہ حکایت مفتریہ یہود سے زیادہ لغو و مہمل ہے۔ تو اوسپر تعجب کیوں نہ ہو۔ کبھی حدیث صحیح بخاری کی نسبت کسی مسلمان سلف یا خلف نے ایسے الفاظ نہیں کہے۔ آپ نے ان سب کا خلاف کرکے دعوے کیا تھا تو اوسکو مدلل کیا ہوتا۔ آپ کا اس دعوے کو بلا دلیل چھوڑ دینا زیادہ تعجب کا محل ہے۔

اگر صاحب تہذیب یہ عذر کریں کہ جسنے اصل مطلب حدیث کو جو بخاری میں آئی ہے اور وہ صفحہ (۹۵) اشاعۃ السنۃ کے منقول ہے لغو و مہمل نہیں کہا۔ بلکہ ان حواشی و زوائد کو جو شاہ صاحب وغیرہ مفسرین نے ملا دیئے ہیں کہ حضرت سلیمان امراء سے منغص خاطر ہوئے تو وہ کلام بولے۔ اور اس سے یہ مقصد ظاہر کیا کہ مجھے اپنے ارکان و امراؤں کی ضرورت و حاجت باقی نہ رہے۔ اون کو لغو و مہمل کہا ہے کیونکہ یہ شیخ چلی کیسے خیالات ہیں۔ کہ موجودہ سٹاف اور ارکان دولت سے ایسے خیال سے مستغنی ہونا کہ میرے ماں نوے بیٹے ہونگے۔ تو اونکو ارکان دولت بناؤنگا شیخ چلی کی سی باتیں ہیں۔ جو اوس سے منقول و مشہور ہیں۔ تو اس عذر پر ہم صاحب تہذیب کو معذور سمجھ کر تعجب سے بری کرینگے۔ مگر اسکی شرط یہ ہے کہ اسصورت میں وہ اصل قصہ کو جو حدیث بخاری میں آیا ہے مان لیں اور اوسکو آیت کی تفسیر قرار دیں۔ اگر

وہ اس قصہ کا لائق تفسیر آیت قرآن ہونا ہماری کلام آئندہ میں ثابت و مدلل ہوتا دیکھ لیں۔

وجہ دوم تعجب یہ ہے کہ انہوں نے مولوی چراغ علی صاحب بہادر کی اس بہادری کا کہ انہوں نے یہودیوں کی کتاب سے ایک مردہ لڑکا کا قصہ ڈھونڈ کر نکالا ہے۔ شکریہ ادا کیا۔ اور انکو دعا خیر سے یاد فرمایا۔ حالانکہ جس لڑکے کو حضرت سلیمان کے حضور میں پہنچایا گیا تھا۔ اور اوسکے حق میں حضرت سلیمان نے فیصلہ کیا تھا۔ اوسکا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔[1]

[1] وہ حدیث یہ ہے۔ جو صحیح بخاری کے صفحہ ۴۸۶ میں موجود ہے۔ جسکا مضمون یہ ہے

وکانت امرأتان معهما ابناهما جاء الذئب فذهب بابن احدهما فقالت صاحبتها انما ذهب بابنك وقالت الاخرى انما ذهب بابنك فتحاكما الى داود فقضى للكبرى فخرجتا الى سليمان بن داود فاخبرتاه فقال ائتوني بالسكين اشقه بينهما فقالت الصغرى لا تفعل يرحمك الله هو ابنها فقضى به للصغرى	کہ دو عورتوں کے دو بچے تھے۔ بھیڑیا آیا تو ایک کے بچہ کو لے گیا۔ اوسکے ساتھ والی بولی کہ تیرے بچہ کو بھیڑیا لے گیا۔ وہ بولی تیرے بچہ کو لے گیا۔ دونوں کا جھگڑا حضرت داؤد کے پاس پہنچا۔ آپ نے وہ بچہ بڑی کو دلوایا۔ پھر وہ حضرت سلیمان کے پاس آئیں اور اس حال کے مظہر ہوئیں تو آپ نے فرمایا چھری لاؤ میں دونوں میں اسکو چیر کر بانٹ دوں۔ اون میں سے چھوٹی بولی کہ آپ ایسا نہ کریں خدا آپ پر رحم کرے یہ لڑکا اسی کا ہے یعنے بڑی کا آپ نے اس سے سمجھ لیا کہ لڑکا چھوٹی کا ہے جسکو کاٹنے سے روکا ہے۔ پھر اسیکو دلوا لایا۔

اس حدیث اور روایت کتاب یہود کا گو ان چار باتوں میں اختلاف ہے کہ وہ

یہودیوں کی کتاب میں تو صرف دوسرے مردہ لڑکے کا ذکر زیادہ ہوا ہے جسکا نہ حضرت سلیمان کے پاس پہنچایا جانا ثابت ہے۔ نہ اوس لڑکے مُردہ کی نسبت حضرت سلیمان کا کوئی حکم دینا منقول ہے۔

پھر مولوی چراغ علی صاحب اپنا گھر چھوڑ کر یہودیوں کے ہاں کیوں گئے۔ اور صاحب تہذیب انکے اس فعل کے سبب کیوں شکر گذار ہوئے۔ مولوی چراغ علی صاحب نے اتنا نہ سمجھا کہ جس زندہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے پاس وہ

(۱) دونوں عورتیں زانیہ تھیں۔ یا نہیں (۲) اور ایک کا لڑکا اوسکے پہلو میں سوتے ہوئے مرا یا اوسکو بھیڑیا لے گیا۔ (۳) اور وہ مقدمہ حضرت داؤد کے پاس پہلے پیش ہوا۔ (۴) اور اوس زندہ لڑکے کا کاٹنے کو آپنی چھُری مانگی یا تلوار مانگی۔ مگر یہ اختلاف ہے اصل حال سے جو غرض کے متعلق ہے خارج ہے۔ اور اصل حال متعلق غرض دونو کا ایک ہے۔ دونو کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ (۱) وہ عورتیں زندہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے پاس لے گئیں تھیں (۲) اور اُسی لڑکے کی نسبت حضرت سلیمان نے حکم دیا تھا۔ (۳) اس لڑکے کے سوا کوئی مردہ لڑکا نہ حضرت سلیمان کے پاس گیا۔ نہ اُنہوں نے اوس کی نسبت کچھ حکم دیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۱)

مولوی چراغعلی صاحب اور صاحب تہذیب الاخلاق زندہ لڑکے کا لحاظ کرتے تو اس کتاب یہود کی روائت کو چھوڑ کر صحیح بخاری کی روائت اخذ کرتے۔ نہ برعکس عملین لاتے۔ اور اگر مردہ لڑکے کا لحاظ تھا۔ تو اس روائت کتاب یہود کو بھی چھوڑ دیتے اور یہ خیال کرتے کہ جس مردہ لڑکے کو ہمنے سلیمان کی کرسی پر پہنچایا۔ اور اسکے ذریعہ سے اس قصہ کو آیت کی تفسیر بنانا چاہا ہے۔ اس لڑکے کا تو اسمیں حضرت سلیمان کے پاس پہنچایا جانا۔ یا اونکے تخت یا کرسی پر ڈالا جانا بیان نہیں ہوا۔ پھر ہم اس روایت سے کیوں تمسک ہوتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ؎

عورتاں لے گئیں - اور جس لڑکے کی نسبت حضرت سلیمان نے حکم دیا اوسکا ذکر تو حدیث میں موجود ہے - اور جس مردہ لڑکے کا ذکر یہودیوں کی کتاب میں زیادہ ہوا ہے - اسکو حضرت سلیمان کے پاس ان عورتوں کا لیجانا - اور حضرت سلیمان کا اوس کی نسبت کوئی حکم دینا اس کتاب میں بھی پایا نہیں جاتا - پھر ہم اپنی کتاب چھوڑ یہودیوں کی کتاب سے کیوں متمسک ہوتے ہیں - اور صاحب تہذیب الاخلاق نے یہ خیال نہ فرمایا - کہ ہم تو ہمیشہ ان باتوں کو جو مفسرین نے یہودیوں سے لی ہیں رد کیا کرتے ہیں - پھر مولوی صاحب کے اسلامی روائت چھوڑ کر یہودی روائت کے (جسکو ہمارے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے - چنانچہ وجہ سوم میں معلوم ہوگا) نقل کرنے پر ہم اونکا کیوں شکریہ ادا کرتے ہیں اور وہ اس فعل میں شکریہ کے لائق کب ہو سکتے ہیں -

وجہ سوم تعجب یہ ہے - کہ اس روایت کتاب یہود کو صاحب تہذیب اور مولوی چراغ علی صاحب کے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے - یہ روائت اس آیت قرآن کی تفسیر اس صورت میں ہو سکتی جبکہ اس روایت میں مردہ لڑکے کو ان عورتونکا حضرت سلیمان کے پاس لیجانا اور اونکی کرسی پر ڈال دینا اس یہودی کتاب میں بیان ہوا ہو - ان امور کا تو اس کتاب یہود میں نام و نشان نہیں - حضرت سلیمان کے حضور میں تو اوسی زندہ لڑکے کو دو نو عورتوں کا لیجانا - اور اسی کی نسبت حضرت سلیمان کا یکے بعد دیگرے حکم دینا ثابت و مصرح ہے - پھر ہم اس روائت کتاب یہود سے کس وہم و خیال سے متمسک ہوتے ہیں - اس تمسک میں ہم اور ہمارے پیش رو مولوی چراغ علی صاحب صریح اور فاش غلطی نہیں کرتے تو پھر دنیا میں غلطی کرنا کس چیز کا نام اور کس شخص کا کام

وجہ چہارم یہ کہ قطع نظر اس ڈبل اور فاش غلطی کے حکم اول حضرت سلیمان کی نسبت صاحب تہذیب کا خیال کرنا کہ پہلے اپنے وہ حکم قطعی اور جزمی طور پر دیدیا - پھر جب عورت کو رحمت کے سبب اضطراب کرتے دیکھا تب اوس حکم کو غلط سمجھ کر

منسوخ کیا اور بدلا اور اوس سے رجوع کیا۔ اور اوس پہلے غلط حکم کے نسبت خدا سے معافی چاہی۔ اور رب اغفرلی کہا۔ ایک ایسی ڈیل غلطی ہے۔ کہ ہر ایک آدمی عقلمند جسنے کچہریوں میں ججوں مجسٹریٹوں کو نہ سہی محلوں کوچوں میں چوہدریوں کی پنچائت کو حکم کرتا دیکھا یا سُنا ہوگا۔ ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اے حضرت وہ حکم حضرت سلیمان کا قطعی اور جزمی اور عملی (عمل میں لانے کے لائق) حکم نہ تھا جسکو غلط سمجھ کر اُنہوں نے اس سے رجوع کیا۔ اور اوسکے لئے خدا سے معافی مانگی ہو۔ وہ تو پہلے ہی سے غیر قطعی و غیر جزمی و غیر عملی صرف آزمائشی حکم تھا۔ اور اوس حکم کے صادر کرنے سے صرف اس امر کا امتحان منظور تھا۔ کہ دیکھئے کونسی عورت دونوں میں سے اس بچے کے مقتول ہونے پر گھبراتی ہے۔ اور کون بے پروا رہتی ہے۔ جو گھبرائیگی وہی اوسکی ماں ہوگی اس سے زیادہ اس حکم سے عمل ہرگز مقصود نہ تھا۔ اسصورت میں کب جائز اور عقل کے نزدیک ممکن ہے کہ پہلا حکم غلط و خطا و لایق رجوع و توبہ متصور ہو۔ اور دوسرا اسکا ناسخ اور بدل بن سکے۔ حضرت سلیمان تو بادشاہ تھے۔ پھر بادشاہی کیسے تھی صاحب وحی والہام وافہام الٰہی۔ کسی ادنے عقلمند کے پاس کوئی ایسی چیز متنازع فیہ جسکے جسمانی تقسیم سے اور توڑ پھوڑ سے اسکا نقصان ہو (جیسے چکی کا پاٹ یا مٹی کا پیالہ) لے جاؤ تو وہ ہرگز اوسکی نسبت یہ حکم نہ دیگا کہ اوسکو توڑ پھوڑ آدھوں آدھ بانٹ لو۔

پھر کیا حضرت سلیمان کو (عیاذاً باللہ) اتنی عقل بھی نہ تھی کہ وہ انسان کے زندہ بچے کو مٹی کے پیالہ یا چکی کے پتھر کے برابر سمجھتے اور اوسکی نسبت ایسا حکم جزمی و قطعی طور پر اور عمل میں لانے کی نیت سے دیدیتے۔

صاحب تہذیب مدت تک سمال کاز کوٹ میں جج رہے ہیں۔ اور آپکے فرزند ارجمند ہائی کورٹ کے جج رہے۔ ان صاحبوں نے کبھی کسی چیز کی نسبت جو قابل قسمت جسمانی نہو ایسا حکم نہ دیا ہوگا۔ پھر حضرت سلیمان کی نسبت ایسا حکم عمل میں

لانے کے لئے تجویز کرنا اور پھر اس سے اوسکو غلط سمجھ کر انکا رجوع و توبہ تجویز کرنا اونکو کب جائز و مناسب ہے۔

طرفہ یہ کہ خود اس کتاب یہود کی ۲۸۔ آیت میں ان احکام حضرت سلیمان کو حکمت الہی قرار دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ حکم اول کو جہالت وسفاہت اور صرف دوسرے حکم ہو حکمت پھر اس کتاب کے ماننے والوں کو بھی یہ کب پہنچتا ہے کہ حکم اول سلیمان کو جہالت یا ظلم یا خطا قرار دے۔ اور اس سے انکا رجوع و معافی مانگنا تجویز کرے۔

اس وجہ کو صاحب تہذیب غور سے سنینگے تو امید ہے اپنی اس غلطی کو مان لینگے۔ اور آئندہ پرچہ تہذیب میں اس غلطی کا اعتراف چھاپ کر مشتہر کرینگے۔ اور تفسیر سورۃ ص میں اس غلطی کی اصلاح کردیں گے۔ انشاءاللہ تعالے۔

پنجم وجہ تعجب یہ کہ صاحب تہذیب نے حضرت سلیمان کے حکم اول کو غلط قرار دے کر اس سے انکے رجوع کرنے کو قرآن کے لفظ اناب کا ترجمہ و مصداق ٹھیرایا ہے۔ یہ اون کی ادبی اور عربیت کی غلطی ہے حکم اول حضرت سلیمان کا غلط ہونا اور اوس سے رجوع کرنا مقصود خداوندی ہوتا تو اوسکو لفظ اناب سے تعبیر نہ کیا جاتا۔ بلکہ رجع یا تاب سے کیونکہ انابت عام رجوع یا غلطی سے رجوع پر نہیں بولا جاتا۔ بلکہ اسکا اطلاق خاص رجوع الے اللہ (خدا کیطرف رجوع کرنی) پر ہوا ہے۔ جو ایک اخص اطلاق ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے ویھدی الیہ من اناب اے الی اللہِ (رعد۔ ع ۔۳۔) واتبع سبیل من اناب الی (لقمٰن۔ ع ۔۲۔) وخر راکعًا واناب اے الی اللہ (ص۔ ع ۔۲۔) و الیک انبنا (ممتحنہ ع ۔۱۔)

حدیث میں ادعیہ ماثورہ میں وارد ہے الیک انبت۔ مجمع البحار میں ہے الانابۃ الرجوع اِلی اللہ بالتوبۃ من اناب اذا اقبل ورجع۔ قاموس

میں ہے ناب الی اللہ تاب کا مناب ان شواہد سے اطمینان خاطر نہ ہو تو ہمارے دوست مولوی شبلی صاحب نعمانی سے اس کی تحقیق کرالیں جو کالج کے عربی مدرس ہیں

ششم وجہ تعجب یہ ہے کہ روائت کتاب یہود میں مردہ لڑکے کو حضرت سلیمان کے پاس لانے کا ذکر تک نہیں ہے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ وہ لڑکا حضرت سلیمان کے تخت یا کرسی پر ڈالا گیا۔ اور نہ کسی دربار شاہی یا عدالت مجسٹریٹی یا پنچایتی کا دستور و رسم ہے۔ کہ مردہ کو جسکے متعلق کوئی کیس ہو تخت شاہی یا میز ججی یا خاص چوکی یا چارپائی جائے نشست پینچوں پر لا ڈالیں۔ ہاں ہسپتال کی میزوں پر جہاں مردے چیرے جاتے ہیں لاشیں ڈالی جاتی ہیں۔ مگر مردوں کی میز کا نہ قرآن میں ذکر ہے نہ اس کتاب یہود میں۔ پھر وہ قصہ کتاب یہود اس آئت کی تفسیر کیونکر ہوسکتا ہے۔ جسمیں یہ بیان ہے کہ ہمنے سلیمان کی کرسی پر دھڑ ڈال کر اوسکو آزمایش کیا۔

جب یہ قصہ ان وجوہات سے اس لائق نہ ٹھیرا کہ وہ قرآن کی آئت مذکورہ کی تفسیر ہوسکے تو اب صاحب تہذیب کو بجز اسکے کیا چارہ ہے۔ کہ وہ اس قصّہ کو جو حدیث میں آیا ہے۔ اور اسمیں بنا بر بیان امام رازی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ وہ مردہ لڑکا حضرت سلیمان کی گود میں انکی کرسی پر لایا گیا تھا۔ اس آیت کی تفسیر و مورد نزول مان لیں۔ کیونکہ وہ حکایات و روایات مفتریات یہود کو ہماری مانند اکاذیب جان چکے ہیں۔ اور امام رازی کے بیان کردہ ان دو وجہوں کو۔ جنکو بمقابلہ روائت حدیث بخاری ناقابل وقعت سمجھ کر ہمنے نقل نہیں کیا۔ وہ ناپسند کر چکے ہیں۔ اور پہلی وجہ بیان کردہ امام صاحب کو کہ وہ آئت اس لڑکے حضرت سلیمان کی نسبت ہے جو بادلوں میں پرورش پاتا تھا۔ وہ بعید از قیاس سمجھ کر

قبول نہ کرینگے۔ پھر اس آئت کا محمل صحیح ہے تو یہی ہے۔ جو حدیث بخاری میں ہے۔ لہذا امید ہے کہ اب اسکے ماننے میں ان کو کوئی عذر نہ ہوگا۔ اور تفسیر سورہ ص میں اس نقطہ کو آپ اس آیئت کا مورد و محل قرار دینگے۔ انشاء اللہ تعالے۔

ناظرین و محبین تہذیب الاخلاق واشاعۃ السنہ ہماری اس نکتہ چینی پر انصاف سے رائے زنی کریں اور آئندہ کے لئے بھی امید رکھیں کہ جس نکتہ چینی تہذیب الاخلاق کا ہمنے رسالہ نمبر ۷ جلد ۱۶ میں وعدہ کیا تھا۔ وہ اسی دوستانہ و ملائمانہ طرز سے ہوگی جسکو صاحب تہذیب بھی پسند کرینگے۔ اور اُسپر داد انصاف دینگے انشاء اللہ تعالے

حضرات انبیاء علیہم السلام سے جنمیں ابتلا الٰہی آیا ایک حضرت ایوب علیہ السلام بھی تھے۔ جنکا سخت تکالیف مالی و جانی و اہلی میں مبتلا ہونا قرآن مجید میں مجملاً اور تفاسیر میں مفصلاً آیا ہے۔ مگر قرآن میں انکا کوئی قصور یا خطا بیان نہیں ہوا۔ اور نہ کسی حدیث صحیح میں اسکا ذکر آیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ابتلا صرف رفعت درجات و مزید حسنات کے لئے تھا۔ نہ کسی خطا یا گناہ کے بدلے۔ ان کے سوائے بہت سے انبیاء ہیں جنکا ذکر قرآن میں ہے جیسے حضرت یعقوب۔ حضرت ہارون۔ حضرت ادریس۔ حضرت شعیب۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت زکریا۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت الیسع وغیرہم صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ ان سب حضرات کا بھی کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ یا کوئی خطا و نسیان قرآن اور حدیث صحیح میں نظر سے نہیں گذرا۔

عیسائی جو جملہ انبیاء کو گنہگار جانتے ہیں وہ ان حضرات کا کوئی گناہ بیبل سے نکالیں تو اس سے اہل اسلام پر الزام قائم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اہل اسلام بیبل کو محفوظ کلام الٰہی نہیں جانتے۔ اور اسمیں یہود و نصاریٰ کے مفتریات کے دخل کا یقین رکھتے ہیں۔ لہذا اہل اسلام کو اس الزام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

اب رہی عصمت سیّد المرسلین و خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ (جنسے عیسائیوں کو زیادہ تر پرخاش ہے۔ اور اون ہی کو گنہگار بنانے کے لئے اون کی سر توڑ کوشش ہو رہی ہے۔) سو اس عصمت کا ثابت کرنا۔ اور جو اعتراض آپ کی عصمت پر مخالفوں نے اور اسلام کے نادان دوستوں نے کئے ہوئے ہیں۔ اُنکا جواب دینا ہمارا اوّل فرض تھا۔ ہمنے اس کے ادا کرنے کو اسلئے مؤخر کیا کہ اوسمیں ہمکو زیادہ تفصیل سے بحث کرنا۔ اور ریزرو ڈ فورس دکھانا مدنظر تھا جو خدا کی توفیق اور توقیف سے عمل میں آتا ہے۔

پس واضح ہو کہ جن واقعات اور اقوال خداوندی اور افعال نبوی کی دست آویز سے آنحضرت کی عصمت پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ کئی ہیں۔

از انجملہ ایک واقعہ قرءت سورۃ نجم ہے جسکا ذکر ص۲۹ وغیرہ میں ہوا ہے اور اوسکا جواب بھی ص۳۰ وغیرہ میں گذرا ہے۔

واز انجملہ واقعہ فدیہ قیدیان بدر ہے۔ جسکا ذکر ص۳۳ میں ہوا۔ اور اُسکا جواب بھی ص۳۴ وغیرہ میں گذرا۔

واز انجملہ واقعہ نکاح حضرت زینب ہے۔ جسکا مفصل ذکر و بیان رسالہ نمبر ۶ جلد ۱ ص۱۷۹ میں ہوا ہے۔ اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس نکاح میں آنحضرت نے خدا کا کوئی گناہ نہیں کیا۔

واز انجملہ یہ قول خداوندی ہے جسمیں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ ہم نے

ووجدك ضالا فهدى (والضحى)	تجھے بھولا ہوا پایا۔ پس راہ دکھایا۔
ووضعنا عنك وزرك الذى انقض ظهرك (الم نشرح)	واز انجملہ یہ قول خداوندی ہے کہ ہمنے تیرا بوجھ جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا تجھسے اوتار دیا۔

منکرین عصمت آنحضرت خصوصاً عیسائی خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت دین میں گمراہ تھے۔ اور آپ کی پشت پر گناہوں کا بوجھ تھا۔

اسکا جواب خود ان ہی آیتوں میں موجود ہے کہ جو تھا نبوّت سے پہلے تھا خدا نے آپ کو نبی کیا تو آپ کو راہ دکھایا۔ اور آپ کا بوجھ اوٹھا دیا۔ لہذا اس آیت سے آنحضرت کا حالت نبوت میں گنہگار رہونا نکالنا حماقت وجہالت مستدل کی دلیل ہے۔ نہ دلیل نفی عصمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔

امام رازی اور دیگر مفسرین نے شہادت واقعات عینیہ سے ان دونو آیتوں کی ایسی تفسیر کی ہے کہ اس سے نبوت سے پہلے بھی آپ سے گمراہی یا گناہ کرنے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

پہلی آیت کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں۔ جمہور علماء اسلام کا اسپر اتفاق ہے کہ آنحضرت نے کفر کا ارتکاب ایک لمحہ نہیں کیا۔ آپ کے حق میں خدا نے فرمادیا ہی کہ تمہارا ساتھی (آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) نہ کبھی بہکا نہ گمراہ ہوا۔ اور جس بھول کا اس آیت والضحی میں ذکر ہے اسکی تفسیر میں کئی وجوہات بیان ہوئی ہیں ایک یہ کہ تجھے نبوت کے اعلام اور شریعت کے احکام سے بے خبر پایا۔ تو تجھے اون کی طرف رستہ دکھایا۔ یہی مراد اس قول خداوندی سے ہے کہ تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کس کس چیز کے ماننے کو کہتے ہیں

اما الجمهور من العلماء فقد اتفقوا على انه عليه السلام ما كفر بالله لحظة واحدة قوله تعالى ما ضل صاحبكم وما غوى وذكروا في تفسير هذه الآية وجوها كثيرة احدها وجدك ضالا عن معالم النبوة واحكام الشريعة غافلا عنها فهداك اليها وهو المراد بقوله ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان وقوله وان كنت من قبله عن الغافلين

وثانيها ضلّ عن مرضعه حليمة حين ارادت ان ترده الى جدّه حتى دخلت على هبل وشكت ذلك اليه فتساقطت الاصنام وسمعت صوتا يقول انما هلاكنا بيد هذا الصّبى وفيه حكاية طويلة وثالثها ما روى مرفوعا انه عليه السلام قال ضللت عن جدى وانا صبى ضائع كاد الجوع يقتلنى فهدانى الله ذكره الضحاك وذكر تعلقه باستار الكعبة وقوله

؎ يا ربّ ردّ ولدى محمّدا
اردده ربى واصطنع عندى يدا

فما زال يردد هذا عند البيت حتى اتاه ابو جهل على ناقة و محمّد بين يديه وهو يقول لا تدرى ماذا نرى من ابنك فقال عبد المطلب ولم قال انى انخت الناقة واركبته من خلفى فابت الناقة ان تقوم فلما اركبته

اور اس قول خداوندی سے کہ تو اس سے پہلے غافلوں سے تھا۔ وجہ دوم یہ کہ آپ اپنی دائی حلیمہ سے جُدا ہو کر رستہ بھول گئے تھے۔ جب وہ آپ کے دادا (عبدالمطلب) کے پاس پہنچانے آئی تھی۔ وہ ہبل نامی بُت کے پاس آپ کے بھول جانے کی شکائیت بطور فریاد کرنے لگی۔ تو سب کے سب بُت گر پڑے اور اوس نے یہ آواز بُت کی سنی کہ ہماری ہلاکت اس لڑکے کے ہاتھوں سے ہوگی۔ یہ حکائیت طویل ہے۔ تیسری وجہ یہ جو خود آنحضرت نے فرمائی ہے۔ کہ میں چھوٹا لڑکا ضائع ہو جانے والا تھا۔ کہ میں دادا سے جُدا ہو کر بھول گیا۔ اور بھوک سے مرنے لگا۔ تو خدا نے مجھے رستہ بتا دیا یہ ذکر ضحاک نے کیا ہے۔ اور اوس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ کے دادا کعبہ کے پردہ کو پکڑ کر یہ مضمون شعر میں کہنے لگے۔ کہ اے رب میرے بیٹے کو میری طرف پھیر لا اور ہمیں مجھ پر احسان اور مہربانی کر وہ بار بار یہ کہتے تھے کہ ابوجہل اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور اوسکے آگے آنحضرت سوار تھے۔ وہ بولا

امامی قامت الناقة
کان الناقة تقول یا
احمق هو الامام فکیف یقوم
خلف المقتدی وقال ابن عباس رض
رده الله الی جده بید عدوه
کما فعل بموسی حین حفظه علی
ید عدوه الی ان ذکر تسعة عشر
وجهًا۔ ثم قال العشرین روی
علی علیه السلام عن النبی صلی الله
علیه وسلم انه قال ما هممت
بشئ مما کان اهل الجاهلیة
یعملون به غیر مرتین کل ذلک
یحول الله بینی وبین ما اریده من
ذلک ثم ما هممت بعدهما بسوء
حتی اکرمنی برسالته فانی قلت
لیلة لغلام من قریش کان یرعی
باعلی مکة لو حفظت غنمی حتی
ادخل مکة فاسمر بها کما یسمر
الشبان فخرجت اریده ذلک
حتی اتیت اول دار من دور
مکة فسمعت عزفا بالدفوف

ہم نہیں جانتے تیرے اس بیٹے سے ہم
کیا کچھ دیکھیں گے۔ عبد المطلب بولے
کیا ہوا۔ وہ بولا میں نے اونٹنی کو بیٹھایا اور
اسکو اپنے پیچھے سوار کیا۔ تو اونٹنی نہ اوٹھی
پھر جب میں نے اسکو اپنے آگے بیٹھایا۔ تو
وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بولی کہ او احمق
یہ امام ہے۔ یہ پیچھے کیونکر ہوتا۔ ابن
عباس نے کہا ہے خدا تعالےٰ نے آپکو
دشمن کے ہاتھ سے دادا کے پاس پہنچایا۔
جیسے دشمن کے ہاتھ میں موسےٰ کو پرورش کیا۔
پھر امام نے اور وجوہات بیان کیں جسکا
شمار انیس تک پہنچایا۔ پھر فرمایا۔ بیسویں
وجہ یہ جو حضرت علی نے روایت کی ہے
کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے کسی بُرے کام
کا جو زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے۔
بجز دو دفعہ کے جنمیں خدا تعالےٰ میرے ارادہ
میں حائل اور آڑ ہو گیا۔ قصد نہ کیا تھا۔
یہانتک کہ خدا تعالےٰ نے مجھے نبوت سے
سرافراز فرمایا۔ پھر میں نے کبھی بھی برائی کا قصد
نہیں کیا۔ ایک شب میں نے ایک نوجوان
قریش لڑکے کو جو مکہ کے اوپر کی جانب

والمزامیر فقالوا فلان بن فلان تزوج بفلانة فجلست انظر الیهم فضرب الله علی اذنی فنمت فما ایقظنی الا مس الشمس ثم قلت له لیلة اخری مثل ذلك فضرب الله علی اذنی فما ایقظنی الا مس الشمس فما هممت بعد هما بسوء (تفسیر کبیر ص ۶۴ جلد ۸۔)

بکریاں چراتا تھا۔ کہا کہ تو میری بکریاں بھی سنبھال رکھے تو میں مکّہ جاؤں۔ اور وہاں نوجوانوں کی طرح گپ شپ سنوں اور کہوں۔ جب میں نکلا اور مکّہ کے پہلے گھر پہنچا تو وہاں سے گانے بجانے کی آواز سنی اور یہ کہ فلان شخص کا فلان عورت سے نکاح ہوا۔ میں وہاں بیٹھکر دیکھنے لگا تو خدا نے مجھے ایسا سولایا کہ پھر مجھے آفتاب ہی نے جگایا۔ ایسا ہی ایک اور رات اتفاق ہوا۔ پھر میں نے کبھی ایسی بُرائی کا بھی قصد نہ کیا۔

اور دوسری آیت کی تفسیر میں آپ فرماتے ہیں۔ اس بوجھ سے جس نے آپ کی پیٹھ کو توڑا تھا وہ مراد ہے جو کفار مکّہ نے سنت ابراہیم خلیل اللہ میں تغیر ڈال رکھا تھا۔ اور آپ کو اس سے منع کرنے کی طاقت نہ تھی۔ یہانتک کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو طاقت منع کرنے کی دی۔ اور فرمایا

والوزر ما یکرهه من تغییرهم لسنة الخلیل وکان لا یقدر علی منعهم الی ان قواه الله تعالیٰ وقال له ان اتبع ملة ابراهیم الی ان ذکر وجوها تسعة (تفسیر کبیر ص ۶۰۹)

کہ تو دین ابراہیم کی پیروی کر۔

اور شرح مواقف میں ہے کہ وزر کے معنے بوجھ کے ہیں جیسے اس آیت میں ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے "کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے"۔ یہاں لفظ وزر کا بمعنے بوجھ استعمال کرنا جائز ہوا تو اس بوجھ سے

قد جاء الوزر بمعنی الثقل کقوله تعالی حتی تضع الحرب اوزارها فجاز ان یکون ههنا مستعملا

للثقل الذی کان علیہ من الغم
الشدید لاصرار قومہ علی الکفر و
الشرک باللہ ولعدم استطاعتہ علی تنفیذ
امر الدین فلما اعلی اللہ شانہ وشد ازرہ
فقد وضع عنہ وزرہ وثقلہ ویقوی
ھذا التاویل قولہ ورفعنا لک
ذکرک (شرح مواقف ص ۶۹۷)

وہ غم کا بوجھ مراد ہے جو آپ کو قوم کے کفر
والنکار پر اصرار کرنے سے اور آپ کو روکنے
کی طاقت نہ ہونے سے ہوتا تھا۔ جب
اللہ تعالے نے آپ کی شان ورتبہ کو بلند
کیا اور آپ کی پشت مضبوط کر دی تو وہ
بوجھ دور کر دیا۔ اس تاویل کی تقویت
اس قول خداوندی سے ہوتی ہے جسمیں
فرمایا کہ ہمنے تیرے ذکر یعنے شان کو بلند کیا۔

بالجملہ یہ آیات کریمہ آنحضرت کی عصمت پر دلیل ہیں۔ نہ نفی عصمت پر۔

وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ خدا نے تجھے معاف کیا

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم
(سورہ توبہ۔ ع۔ ۷۔)

تو نے لڑائی سے ہٹ رہنے والوں کو پیچھے
رہنے کی اجازت کیوں دی۔

منکرین عصمت کہتے ہیں۔ (۱) پیچھے رہنے کی اجازت دینا گناہ تھا۔ تب ہی تو
اس سے معافی ہوئی۔ (۲) اور کہتے ہیں کہ اسیواسطے یہ اعتراض ہوا۔ کہ تونے کیوں اجازت
دی۔ اسکا جواب یہ کہ آنحضرت کو پہلے کوئی حکم نہ ہوا تھا۔ کہ جو شخص کوئی عذر

والجواب عن الاول لا نسلم ان
قولہ عفا اللہ عنک یوجب الذنب
ولم لا یجوز ان یقال ان ذلک
یدل علی مبالغۃ اللہ فی تعظیمہ
وتوقیرہ کما یقول الرجل
لغیرہ اذا کان معظما عندہ کا

بیان کرے اوسکو قبول نہ کیا جائے۔ اور
پیچھے رہنے کی اجازت نہ دیجائے۔ تاکہ اوس
حکم کا خلاف کرنے سے گناہ لازم آتا اور
یہ فرماتا کہ خدا نے تجھے اجازت دینا معاف
کیا۔ خود بتا رہا ہے۔ کہ یہ فعل گناہ لائق
مواخذہ نہیں بلکہ صرف خطا قابل عفو و

عفا الله عنك ما صنعت في امري ورضي الله عنك ما جوابك عن كلامي وعافاك الله ما عرفت حقي فلا يكون غرضه من هذا الكلام الا مزيد التبجيل الى ان يتمسك عليه باشعار علي بن الجهم الجواب عن الثاني ان تقول لا يجوز ان يقال المراد بقوله لم اذنت الانكار فقوله عفا الله عنك يدل على حصول العفو وبعد حصول العفو يستحيل ان يتوجه الانكار ونحمل قوله لم اذنت لهم على ترك الاولى الاكمل لا سيما وهذه الواقعة كانت من جنس ما يتعلق بالحرب ومصالح الدنيا (تفسیر کبیر ص۶۵۱ جلد ۴)

درگذر رہے بلکہ اس سے تو اور آنحضرت کی تعظیم اور توقیر منجانب اللہ ثابت ہوتی ہے کہ قول آئندہ سے آپکے دل میں گناہ کا خیال پیدا ہو کر ملال نہ ہو۔ جیسا کوئی کسی بزرگ کو کہتا ہے کہ خدا آپ کو معاف کرے۔ یا خوش رکھے۔ یا راضی ہو۔ آپ نے میرے فلان امر میں کیا کیا ہے۔ یا میرا حق نہیں پہچانا۔ اور یہ فرمانا کہ تو نے کیوں اجازت دی بطور انکار و اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ معافی کے بعد کے اعتراض و انکار نامناسب ہے۔ اس سے مقصود یہی ہے کہ آپ ایسا نہ کرتے تو بہت اچھا ہوتا۔ مگر جو ہوا لائق معافی ہے نہ قابل مؤاخذہ اور گناہ۔

واز انجملہ یہ فعل آنحضرت کا ہے۔ کہ آپ نے ابن ام مکتوم نابینا کے

عبس وتولى ان جاءه الاعمى (سورہ عبس ع)

ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه (انعام ع)

بے موقعہ آکر ایک سوال کرنے پر اس سے منہ پھیر لیا۔ اور رؤساء کفار قریش کے پاس خاطر سے مسکین اصحاب کو انکی آمد کے وقت اپنے پاس سے ہٹانیکا ارادہ کیا جسپر ان اقوال خداوندی کا نزول

ہوا۔ جو حاشیہ میں منقول ہیں۔

منکرین عصمت کہتے ہیں۔ اس فعل پر خدا نے عتاب کیا۔ اور اس ارادہ سے آپ کو روک دیا تو اوس سے معلوم ہوا کہ وہ فعل و ارادہ گناہ تھے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے اس فعل یا ارادہ میں کسی سابق امر و نہی کا خلاف نہیں کیا تھا۔ کہ اوسکو گناہ سے تعبیر کیا جا سکے۔ جو کیا یا کرنا چاہا تھا وہ آپ نے فہم و اجتہاد سے کیا۔ اور کرنا چاہا۔ اور آپ کی نیت و سمجھ میں وہ فعل و ارادہ اچھا تھا۔ ابن ام مکتوم کا تو سوال ہی بے موقعہ تھا۔ اور اسمیں قطع کلام غیر پایا جاتا تھا جس سے آنحضرت نے اوس سے مُنہ پھیرا۔ اور کفار قریش کی آمد کے وقت میں فقراء صحابہ کو روکنے میں آپ نے خیال فرمایا کہ جو لوگ مسلمان اور میرے اصحاب ہیں وہ ہر وقت میری صحبت سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ کفار قریش جو اپنے کفر اور تکبر دنیا کے سبب ان فقیروں کے پاس بیٹھنے سے عار کرتے ہیں۔ اون کو کوئی وقت خاص دیا جائے جسمیں فقیر نہ ہوں تو وہ بھی فیض صحبت سے فائدہ اوٹھا دیں۔ مگر چونکہ اس فقراء ارادہ میں ابن ام مکتوم کی اور اون فقیروں کی دل شکنی ہوتی تھی۔ اور اوس سے یہ بھی آنحضرت پر کسی بدگمان کی بدگمانی ہو سکتی تھی۔ کہ آپ نے اون کی دنیا کا لحاظ کیا۔ اسلیئے خدا نے

القائلون بصدور الذنب عن الانبیاء تمسکو بھذہ الایۃ وقالوا لما عاتبہ اللہ فی ذلک الفعل کان معصیۃ و ھذا بعید فانا قد بینا ان ذلک کان ھو الواجب للتعین الا بحسب ھذا الاعتبار الواحد وھو انہ یوھم تقدیم الاغنیاء علی الفقراء وذلک غیر لائق بصلابۃ الرسول علیہ السلام واذا کان کذلک کان جاریا مجری ترک الاحتیاط و ترک الافضل فلم یکن ذنبا۔ (تفسیر کبیر ص۱۷۸ جلد ۸)

والجواب انہ ترک الاولی مما یلیق بخلقۃ العظیم ومثلہ یعاتب

علی مثلہ (شرح مواقف صفحہ ۶۹۸)
والجواب عن الاول انه علیه السلام ما طردهم لاجل الاستخفاف و الاستنكاف من فقرهم وانما عين لجلوسهم وقتاً معيناً سوى الوقت الذی كان يحضر فيه اكابر قريش فكان غرضه التلطف في دخالهم في الاسلام ولعله عليه السلام كان يقول هؤلاء الفقراء لا يفوتهم بهذه المعاملة امرهم في الدنيا وفي الدين و هؤلاء الكفار يفوتهم بهذا المعاملة الدين والاسلام فكان ترجيح هذا الجانب اولى فاقصى ما يقال ان هذا الاجتهاد وقع خطاء الا ان الخطاء في الاجتهاد مغفور وانه من باب ترك الاولى و الافضل لا من باب ترك الواجب
(تفسیر کبیر صفحہ ۷۲ جلد ۴ ۔)

بنظر علو شان وعظم خلق آنحضرت کے اس فعل پر عتاب ظاہر فرمایا ۔ اور اس ارادہ سے آپ کو روک دیا ۔ جس سے صرف یہ ثابت ہوا ۔ کہ آپ کا فعل وارادہ گو نیک نیتی پر مبنی تھا ۔ مگر اس میں آپ سے خطا اجتہادی ہوئی ۔ آپکے خلق وشان کو یہی شایاں تھا ۔ کہ اندھے کے سوال بے موقعہ پر حوصلہ وتحمل کو کام میں لاتے ۔ اور کفار قریش کی آمد کے وقت بھی فقراء المسلمین کو روکنے کا ارادہ نہ کرتے ۔ اور اون کی دل شکنی کا لحاظ فرماتے ۔ اس فعل وارادہ میں آپسے ترک اولے وترک افضل ہوا ۔ اسپر آپ کو خدا تعالے کا متنبہ کرنا عین عصمت ہے ۔ نہ خلاف عصمت
خلاف عصمت تب ہوتا جبکہ آپ اپنے اس خیال وخطاء اجتہادی پر قائم ومصر رہتے ۔

وازانجملہ یہ قول خداوندی ہے کہ اے نبی اپنے گناہ کی خدا سے بخشش مانگ

واستغفر لذنبك ۔ (سورہ محمد ع)

اور یہ ارشاد تھا کہ خدا تعالے تیرے اگلے

يغفر لك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر (سوره فتح ۔ ع) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انی قد استغفر الله واتوب اليه فى اليوم سبعين مرة (بخاری) ولمسلم انه ليغان على قلبى حتى استغفر الله فى اليوم مأة مرة	پچھلے گناہ معاف کر دے۔ اور آنحضرت کا دائمی و مدت العمری فعل کہ آپ خدا سے دن میں ستر دفعہ یا سو دفعہ بخشش مانگتے اور توبہ کرتے رہتے۔ یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ میرے دل پر پردہ یا حجاب آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں دن بھر میں سو دفعہ خدا سے بخشش مانگتا ہوں۔

منکرین عصمت کہتے ہیں کہ آپ کے دل پر پردہ یا حجاب کا آجانا۔ پھر آنحضرت کا اس سے توبہ کرنا۔ اور بخشش مانگنا صاف بتاتا ہے کہ آنحضرت گنہگار تھے۔

مسٹر اکبر مسیح وغیرہ عیسائی اس دلیل پر بڑا زور دیتے ہیں۔ مسٹر اکبر مسیح اس کی تفصیل میں آنحضرت کے بعض ادعیہ کو اپنے خط مورخہ ۷۔ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۶، ۷، جلد ۲ میں نقل کرتے ہیں جنمیں آنحضرت نے چھوٹے بڑے قصدی

اللهم اغفرلى ذنبى كله دقه وجله وعلانيته وسره اللهم اغفر لى جدى وهزلى وخطائى وعمدى وعلانيتى وسرى۔	غیر قصدی کھلے چھپے گناہوں سے بخشش مانگی ہے۔ اور چونکہ مسٹر اکبر مسیح کو یہ معلوم تھا کہ اہل سلام ان گناہوں سے ترک اولٰے و ترک افضل مراد بیان کرتے ہیں

اور آپ کا بخشش مانگنا ایسے امور سے بلحاظ کمال ورع احتیاط و تقوے ہوا ہے اسلئے انہوں نے اسکے رد جواب میں ایسے الفاظ قرآن کو پیش کیا ہے۔ جنمیں ذنب کا اطلاق کبیرہ گناہوں پر ہوا ہے۔ اور بخشش مانگنے کا حکم ایسے لوگوں کو ہوا ہے جنہوں نے کبیرہ گناہ کئے تھے۔

(۱) استغفری لذنبك (یوسف ع ۴)

(۲) ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و قنا عذاب النار (آل عمران - ع ۲)

(۳) قل فلم یعذبکم بذنوبکم (المائدہ - ع ۳ -)

(۴) فدمدم علیھم ربھم بذنبھم (والشمس)

(۱) جیسے زلیخا کو کہا گیا ہے۔ کہ تو اپنے گناہ (فعل بد کے ارادہ و مطالبہ) سے بخشش مانگ۔

(۲) عام مومنوں کی دعا قرآن میں منقول ہے کہ اے رب ہمارے گناہ معاف کر اور ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(۳) یہودیوں کو الزام دیا گیا ہے۔ کہ تم خدا کے بیٹے ہوتے تو تم کو خدا تمہارے گناہوں کے بدلے عذاب کیوں کرتا۔

(۴) قوم ثمود کے حق میں کہا گیا ہے۔ کہ اون کو اون کے گناہ کے بدلے خدا نے اُلٹ مارا۔

مسٹر اکبر مسیح اس خط میں لکھتے ہیں کہ ذنب کا لفظ قرآنی محاورہ میں کتنا واضح ہے جسکی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ یعنے پھر آنحضرت صلعم کے ذنب کی ترک افضل سے کیوں تاویل کیجاتی ہے۔

پھر اکبر مسیح یہ بھی اس خط میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے کھُلے الفاظ سے اپنے گناہوں اور ظلم کا اقبال کیا ہے۔ اور برطبق "من آنم کہ من دانم" اپنا گنہگار ہونا خود کھول کر بتا دیا ہے۔ پھر اون کے لوگ کیوں اون کی خوبیاں بیاں کرتے ہیں۔ اور اون کے گناہوں کی یہ تاویلیں کرتے ہیں۔

پھر اکبر مسیح نے آنحضرت کے تاریخی حالات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مگر اوسکو مجمل رکھا ہے۔ کسی تفصیل یا تمثیل سے تعرض نہیں کیا۔

اس قول خداوندی اور اقوال و افعال نبوی کا وہی جواب ہے جسکو مسٹر اکبر مسیح نے تحکم و بیجا تاویل سمجھا ہے۔ واقعہ میں آنحضرت سے نبوت سے

پہلے اور نبوت کے بعد کوئی ایسا فعل نہیں ہوا جسکو اونکی شریعت یا اون سے پہلے (مگر واقعی نہ بناوٹی) شریعتوں کے رو سے یا عام اخلاق کی نظر سے گناہ کہا جاسکے و معہذا جو آپ نے رات دن خدا سے گناہ کی معافی چاہی ہے۔ اور بخشش مانگی ہے تو اوسکی وجہ بجز اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ آپ نے بنظر اوس عالی رتبہ قرب الٰہی واتقار کے ایسی باتوں کو جو عام لوگوں کے لئے مباح (جیسے جائز لذات دنیا سے نفع اوٹھانا) بلکہ بعض حسنات (جیسے اولاد ازدواج سے پیار و التفات کرنا۔) تھیں اپنے حق میں گناہ سمجھا ہے۔ اور بعض باتیں آپ سے ایسی بھی سرزد ہوئی ہیں۔ جنمیں بمقتضائے بشریت آپ سے ترک اولےٰ ہوا۔ (جیسے کسی وقت یاد خدا سے غافل ہونا) یا اونمیں خطا و سہو واقع ہوا۔ وہ باتیں بھی بحکم عام اصول شریعت گناہ نہیں کہلاتیں۔

مسٹر اکبر مسیح نے جو آنحضرت کے حق میں لفظ گناہ یا ذنب سے وہ عام معنے مراد قرار دیئے ہیں جو عام لوگوں کے حق میں اس لفظ کے معنے مراد لئے جاتے ہیں۔ اور اوسپر چار آیات قرآن اور ایک دو حدیثوں کے محاورات کو سند بناکر پیش کیا ہے اسمیں وہ اپنے مذہب و تحقیق و اعتقاد سابق کو بھول گئے ہیں۔ اون کی غرض پر خاش نے اون کو اپنی قلم سے لکھی ہوئی اور مُنہ سے کہی بات بھولا دی ہے۔ کیا سچ کہا گیا ہے

؎ چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد ٭ صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد ٭

مسٹر اکبر مسیح کو اپنی وہ بات و تحقیق یاد نہیں رہی۔ جو رسالہ تنقیح الوہیت مسیح کے صفحہ ۹۱ میں انہوں نے کہی ہے کہ "ہم اس کتاب کے صفحہ ۶۳ میں لکھ چکے ہیں کہ محض ایک سے الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے دو مختلف اشخاص ہم مرتبہ نہیں ہو جاتے"۔ پھر اسکی تمثیل میں آپ اسکے متصل ہی فرماتے ہیں۔ جو الفاظ خدا کے لئے غیر محدود وہی انسان کے لئے بالکل محدود اور ادنے معنے ادا کرتے ہیں۔ ازلیت و

ابدیت خدا کی صفات مسلم ہیں۔ اسلئے ان الفاظ "الفا و امیگا" "اوّل و آخر سے خدا کی ازلیّت و ابدیّت بغیر کسی تشریح زائد کے ثابت ہوتی ہے۔ اسیطرح باوجودیکہ جملہ سب کچھ جانتا ہے۔ سے فی نفسہ علم غیر محدود یا ہمہ دانی ثابت نہیں ہوتی۔ تاہم چونکہ کلام مقدس میں خدا سے صفات ہمہ دانی بہت واضح طور پر منسوب ہوتی ہے۔ اسلئے جہاں کہیں لکھا ہے۔ خدا سب کچھ جانتا ہے۔ (۱۔یوحنا ۳/۲۰) بلا تامل اس سے مراد ہمہ دانی لیتے ہیں۔ برخلاف اسکے چونکہ کلام مقدس انسان کو نہائیت وضاحت سے کم عقل و ناقص تبلاتا ہے۔ لہذا جب اوسکے لئے وہی الفاظ تم سب کچھ جانتے ہو۔ (۱یوحنا ۲/۲۰) مستعمل ہوتے ہیں۔ تو اوس کا مفہوم ہمیشہ محدود دانے جانتے ہیں۔ اور اس کتاب کے صـ ۹۳ میں جو آپنے کہا ہے۔ وہ بھی اسی کو معنے میں ہے۔ اصل عبارت اس صفحہ کے بقیہ مضمون "عیسائیوں کے باہمی جنگ پر اسلامی رائے" کے پہلے ہی صفحہ میں منقول ہوگی۔ مگر افسوس صد افسوس آپ ان باتوں کو آنحضرت کی عصمت سے پرخاش کرنے کے وقت بالکل نسیاً منسیاً کر گئے۔ اور اسبات کو قلم میں لانے کے وقت کہ "لفظ ذنب (یا گناہ) جو آنحضرت کے حق میں بولا گیا ہے۔ بعینہ وہی لفظ ہے جو زلیخا کے حق میں (جبکہ اُسنے بدکاری کا ارادہ کیا تھا) اور مسلمان گنہگاروں کے حق میں جو دوزخ سے پناہ مانگتی ہے اور یہودی اور مفسدین قوم ثمود کے حق میں بولا گیا ہے اور معنے بھی اوس کے آنحضرت کے حق میں وہی مراد ہیں۔ جو زلیخا اور گنہگار مسلمانوں اور یہودیوں اور ثمودیوں کے حق میں اس لفظ سے مراد ہیں۔

ایسا ہی لفظ استغفر (یا بخشش مانگ) جس سے آنحضرت کو خطاب ہوا ہے بعینہ وہی لفظ ہے اور اسکے وہی معنے مراد ہیں۔ جو زلیخا کے خطاب میں

بولا گیا۔ اور اس سے ارادہ بدکاری سے بخشش مانگنے کے معنے مراد ہیں"۔

مسٹر اکبر مسیح اپنی ان عبارات وتمثیلات کو بالکل بھول گئے۔ ہم اون کی اس کلام کے جواب میں اخلاص سے اور پیار سے کہتے ہیں کہ دل مسٹر اکبر مسیح دو مختلف اشخاص کے حق میں یا خطاب میں ایکسے الفاظ (ذنب یا استغفار) استعمال کرنیسے وہ دونو ہم مرتبہ نہیں ہو جاتے۔ اور ان الفاظ کے معنے ایک ہی طرح کے نہیں لئے جاتے۔ بلکہ جب وہ الفاظ ایک مقدس رسول کے حق میں اور اوس کے خطاب میں استعمال کئے جاویں (جسکی عصمت پر ادلہ قطعیہ عقلیہ ونقلیہ قایم ہوں) تو اون سے ایسے محدود ومخصوص غیر ظاہری وتاویلی معنے مراد لئے جائیں گے۔ جسنے اون کی ثابت ومسلم عصمت میں فرق نہ آوے۔ اور جب وہی الفاظ کسی گناہ گار کے حق میں اور اوسکے خطاب میں استعمال کئے جاوینگے (جسنے زنا۔ چوری۔ قتل نفس۔ وغیرہ کبیرے گناہ کئے ہوں۔ یا کرنے کی کوشش کی ہو۔ مگر اوسمیں وہ مجبوراً ناکام رہا ہو۔ تو ان الفاظ سے غیر محدود وسیع اور ظاہری معنے مراد لئے جائینگے۔ جیسا کہ آپ نے صفحہ ۹۱ و ۶۳ تنقیح میں کہا ہے۔ اور اوسکو ایک اصول قرار دیا ہے۔ آپکا آنحضرت کے (جنکے تقدس اور ایفارمیشن مصلح وہادی ہونیکو اور اون کی کتاب قرآن مجید کے بڑا کار آمد خلاصہ بائبل ہونے کو آپ اپنے خط مورخہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء کشف الحقایق نمبر ۳ جلد ۲ صفحہ ۶۴ میں تسلیم کر[1] چکے ہیں) خطاب کو زلیخا کی حالت

[1] آپ کے اس خط کی اصل عبارت یہ ہے۔ جو بقدر متعلق مطلب نقل کیجاتی ہے "اب میں آپ کو یہ بتاؤں کہ میں حضرت محمد صاحب کو کیا مانتا ہوں حضرت محمد صاحب یہودی اور عیسائی دینوالونکے درمیان بلحاظ اپنے اثر کے سب سے بڑے مصلح تھے۔ وہ ایمان اور عقاید کے اعتبار سے ابتدائی زمانہ میں پکی ناصری تھے۔ جو اپنے اصل میں یہودی بھی ہوا کرتے تھے۔ فرق

بقیہ حاشیہ برصفحہ (۱۲۲)

فسق کے خطاب پر یا یہودی یا ہنودی فاسقوں ظالموں کے خطاب پر قیاس کرنا اور دونو کے الفاظ کو یکساں قرار دیکر انکے ایک ہی معنے مراد لینا کمال التعجب و افسوس کا محل ہے۔ اور یہ قیاس مع الفارق نہیں تو اور کیا ہے۔؟

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۲۱)

یہ ہے۔ کہ اور کسی مصلح نے دعوے نبوت کا نہیں کیا۔ گو غیر نبی کے لئے وحی کا دعوے غیر معمولی نہ تھا۔ چنانچہ سویڈن بارگ یورپی مصلح کا جس کا فرقہ آجکل رونق پر ہے۔ وحی کا دعوے تھا۔ حضرت محمد صاحب نے دعوے وحی کے ساتھ ایک دعوے نبوت کا بھی کیا۔

محمد صاحب دین عیسوی کے ایک صورت کے مناد تھے قرآن دین عیسوی کے ایک صورت کا بیبل کا خلاصہ ہے۔ جو عربی زبان میں عرب لوگونکے لئے اس سے مصلح نے مرتب کیا۔ وہ خلاصہ بڑا کارآمد ہے۔ اور یہ مناد مصلح بھی بڑے کام کا۔ دستخط مسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی مورخہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء؎

اس کلام میں جو آنحضرت کی تعریف پائی جاتی ہے۔ وہ مسٹر اکبر مسیح کے اس قیاس کو کہ انہوں نے آنحضرت اور زلیخا وغیرہ کے خطاب میں الفاظ کو یکساں و ہم معنے سمجھا صاف رد کر رہی ہے۔ اور اس کلام میں جو آنحضرت کو دین موسوی و عیسوی کا تابع بنایا ہے۔ اور آپ کی کتاب کو اونکی کتابونکا خلاصہ کہا ہے۔ اسکا جواب ہم عنقریب دینگے۔ اور ثابت کردینگے کہ آنحضرت تابع نہیں متبوع ہیں۔ شاگرد نہیں اُستاد ہیں۔ اور آپ کی کتاب صرف خلاصہ نہیں بلکہ محاکمہ و فیصلہ۔ ان هذا القرآن يقص على بنی اسرائيل اكثر الذی هم فيه يختلفون۔ و انزلنا اليك الكتب مصدقا لما بين يديه ومهيمنا عليه۔ یہ آیات ہمارے دعوے کی مصدق ہیں۔ ناظرین انکی تفسیر کا انتظار کریں۔ جو مضمون میں بصفحہ ۲۴۰ ۲۴۲ ہوگی انشاءاللہ تعالے۔

ہم مسٹر اکبر مسیح پر اون کے اس اعتراف کے سبب جو خط منقولہ حاشیہ میں پایا جاتا ہے زیادہ بدگمانی نہیں کرتے۔ صرف یہی تجویز کرتے ہیں کہ مسٹر اکبر مسیح اپنے تحقیق رسالہ تنقیح کو اس کلام کے وقت بھول گئے۔ اور نیز وہ اپنے اس اعتراف کو جو خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں کر چکے تھے۔ فراموش کر گئے۔ امید ہے اب وہ ہماری یاددہانی پر اپنی اس تحقیق کو یاد و خیال میں لائیں گے۔ اور نیز آنحضرت کی اس تعریف کو جو وہ خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں کر چکے ہیں۔ یاد میں لاکر صاف اقرار کرینگے۔ کہ ہمنے اس قیاس میں غلطی کی آنحضرت کے خطاب میں الفاظ ذنب اور استغفار ان معنے میں مستعمل نہیں ہوئے جن معنے میں بحالت ارادہ فسق و فجور زلیخا کے یا اور فاسقوں کے خطاب میں مستعمل ہوئے ہیں۔

اور اگر مسٹر اکبر مسیح دل سے آنحضرت کو ایک مقدس مصلح نہیں جانتے اور اعتراف خط۔ ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ اور وہ آنحضرت کو (عیاذاً باللہ) صریح گناہوں کا مرتکب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ انکا تاریخی حالات آنحضرت کی طرف اشارہ مشعر ہے تو پھر وہ مرد میدان نہیں۔ آنحضرت کا کم سے کم ایک گناہ (جس میں آپ نے قرآن اور اپنی شریعت کا عمداً خلاف کیا ہو۔ یا عام اخلاقی اصول اور اتفاقی سابق محقق شریعتوں کا خلاف کیا ہو۔ اور آنحضرت کیطرف سے مسلمانوں نے اسکا کافی عذر نہ کیا۔ اور شافی جواب نہ دیا ہو) ثابت کریں اور اوسکا اس خاکسار سے ایک ہزار روپیہ انعام لیں۔

اس ثبوت دینے اور انعام پانے کے بعد اون کو یہ کہنا کہ جو لفظ ذنب یا استغفار کا آنحضرت اور زلیخا وغیرہ کے خطاب میں وارد ہے۔ وہ دونو جگہ ایک ہی معنے رکھتا ہے۔ زیبا ہو گا۔ ہنوز زیب نہیں دیتا۔ اور اگر آپ کو اپنا انداز ظاہری تہذیب و طرز ملامت اس ثبوت سے مانع ہو تو آپ ان عیسائیوں میں سے جو

اسلام سے مرتد ہو کر کرسچن ہوئے ہیں۔ اور اون کا مقصود اس تبدیل مذہب سے صرف ٹکڑا کما کھانا ہے کسیکو پیش کرین۔ اور وہ بھی یہی انعام لیں۔ مگر جو شخص بطمع مال یا بغیرت یا حمیت مذہب اس امر کی جرأت کرنے لگے تو اوسکو پہلے یہ سوچ لینا مناسب ہے کہ اوس سے پہلے اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کس قدر یہودی و نصرانی مخالف و معاندگذرے ہیں۔؟ کوئی بھی اس ارادہ میں کامیاب ہوا ہے؟۔ اور کسی نے کوئی بات ایسی آنحضرت کی ثابت کی ہے جس کا مسلمانون نے دندان شکن جواب نہ دیا ہو۔ سیل صاحب مترجم قرآن نے باوجود سعی پرخاش کے آنحضرت کے حق میں کوئی ایسی بات نہ نکالی جسکا جواب اہل اسلام کے لائق فاضلوں نے نہ دیا ہو۔ سر ولیم میور۔ جیسے متعصب انگریز نے آنحضرت کے "لائف" (حالات زندگی) میں کوئی ایسی بات کہی تو صاحب خطبات احمدیہ نے اوسکی خبر لی۔ آنحضرت کی نسبت میں ایک بڑا اون لوگوں کا الزام قتل عام کا ہے۔ اسکا جواب بھی صاحب خطبات احمدیہ نے رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر میں۔ مولوی چراغ علی صاحب نے اپنی کتاب بسط جہاد میں اور اس خاکسار نے اپنے رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد میں ایسا دیا ہے کہ عیسائیوں کے پاس اسکا جواب نہیں۔

ایک الزام بابت نکاح حضرت زینب ہے جسکا جواب بھی عیسائیوں کو رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۶ جلد ۱۰ وغیرہ تالیفات اہل اسلام میں خاطر خواہ مل چکا ہے۔ اور آئندہ جو صاحب اس میدان میں اوترین سمجھ سوچکر اوترین۔ ایسا نہو کہ لینے کے دینے آویں۔

ہم بصورت لاجوابی واسکات مدعی الزام کے اوس سے نقد کچھ نہ لیں گے اوس سے یہی درخواست کرینگے کہ اگر وہ آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت نہ کر سکے اور

اپنی بات میں ساکت ولاجواب ہوجائے۔ تو پھر عیسائی مذہب کو سلام کرکے اسلام اختیار کرے۔

اس بیان میں آیات ذنب و استغفار سے تمسک کرنے والے عیسائیوں کا کافی وشافی ادا ہولیا ہے۔ اب ہم اقوال اہل اسلام سے اپنے جواب کے مؤیدات نقل کرتے ہیں۔ جس سے اہل اسلام کی مزید اطمینان ہو۔ اور یہ جواب نقل سے مؤید ہو جیسا کہ عقل سے مؤید ہوچکا ہے۔

پہلی آیئت سورہ محمد کی تفسیر میں **فتح البیان** میں کہا ہے۔ کہ اس سے

ای استغفر الله ان یقع منك ذنب او استغفر الله لیعصمك او استغفرہ مما ربما یصدر منك من ترك الاولی۔

قال القاضی عیاض المراد به الفترات والغفلات من الذکر الذی کان شانه صلی الله علیه وسلم الدوام علیه فاذا فتر وغفل عد ذلك ذنبا۔ (فتح البیان ص ۲۸۳ جلد ۴۔)

ویکون المراد بالذنب بعد الرسالة ترك ما هو الاولی وسمی ذنبا فی حقه لجلالة قدرہ وان لم یکن ذنبا فی حق غیرہ فهو

مراد یہ ہے کہ خدا سے یوں بخشش مانگ کہ گناہ تجھ سے وقوع میں نہ آوے۔ یا یہ کہ خدا تجھے اس گناہ سے بچا کر رکھے۔ یا یہ کہ جو تجھ سے اولے وافضل امور ترک ہوتے ہیں وہ معاف کرے۔

قاضی عیاض نے کہا ایسے امور سے مراد یہ ہے جو آپ سے یاد الٰہی میں جس پر آپ کی عادت اور شان مداومت کرنے کی تھی، سستی یا غفلت واقعہ ہوجاتی تھی۔ جب آپ اس یاد سے سست یا غافل ہوتے تو اسکو گناہ سمجھتے۔ اور اس سے بخشش مانگتے۔

ایسا امر آپ کے حق میں گناہ آپکے عالی قدر کی نظر سے سمجھا گیا ہے۔ گو یہ دوسرے

من باب حسنات الابرار سیئات المقربین (تفسیر روح البیان صفحہ ۲۹۶ جلد ۴۔)

وثانیهما المراد هو النبی والذنب ترك الافضل وهو بالنسبة الیه ذنب وحاشاه من ذلك

وثالثها وجه حسن مستنبط وهو ان المراد توفیق العمل الحسن و اجتناب العمل السیئ وجهه ان الاستغفار طلب الغفران والغفران هو الستر علی القبیح ومن عصم فقد ستر علیه قبائح الهوی ومن طلب الغفران طلب ان لا تفضحنا وذلك یکون بالعصمة منه فلا یقع فیه کما کان للنبی صلی الله علیه وسلم وقد یکون بالستر علیه بعد الوجود کما هو فی حق المؤمنین والمؤمنات (تفسیر کبیر صفحہ ۲۳۲ جلد ۷۔)

وثانیها المراد ترك الافضل

وثالثها الصغائر فانها جائزة علی الانبیاء بالسهو والعمد

کے حق میں گناہ نہیں ہے۔ یہ وہی بات ہے۔ کہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص قرب والوں کی برائیاں ہیں۔"

پہلی آیت کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں کہ اسمیں دوسری تاویل یہ ہے۔ کہ اسمیں آنحضرت کو خطاب مراد ہے۔ اور گناہ سے مراد ترک امور افضل ہے۔ جو آپ کی نسبت گناہ ٹھیرایا گیا ہے۔

تیسری تاویل جو ایک عمدہ وجہ مستنبط یہ ہے کہ اس استغفار سے مراد نیک عمل کی توفیق اور عمل بد سے کنارہ کشی طلب کرنا مراد ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ استغفار کے معنے طلب غفران ہے۔ اور غفران بری بات کو ڈھانکنا ہے۔ اور جسکو خدا گناہ سے بچاتا ہے۔ گویا اوسکی خواہش نفس کی برائیوں کو ڈھانک لیتا ہے۔ اور جو شخص بخشش مانگتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے خدایا میری بے پردگی نہ کر۔ یہ امر گناہ سے بچا رکھنے سے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت کے حق میں ہوا ہے۔ اور گناہ واقعہ ہو جانے کے بعد اسپر پردہ ڈال دینے سے بھی ہوتا ہے

وهو يصونهم عن العجب
(تفسير كبير صفحه ۵۵۵ جلد ۷)
ويمكن ان يجاب عنه بان الانسان لا ينفك عن ترك الافضل و الاولى وحينئذٍ يحتاج الى طلب المغفرة لان حسنات الابرار سيئات المقربين ولانهم ابداً فى مقام هضم النفس واظهار الذلة والخضوع كما قال صلى الله عليه وسلم انى لاستغفر الله فى اليوم والليلة سبعين مرة
(تفسير كبير صفحه ۲۰۳ جلد ۷)

جیسے عام مومنوں کے لئے ہوتا ہے۔
اور دوسری آیت کی تفسیر میں امام نے کہا ہے کہ دوسری تاویل اسمیں یہ ہے کہ اس گناہ سے ترک افضل مراد ہے۔
تیسری تاویل یہ کہ صغیرہ گناہ مراد ہے اور صغیرہ گناہ کا صدور انبیا سے ہو سکتا ہے اور وہ اون کو عجب (خود پسندی) و پندار سے بچاتا ہے۔ اور سورہ ص کی آیت سابق الذکر کی تفسیر میں امام نے کہا ہے کہ حضرت داؤد کے استغفار کرنے کا یہ جواب بھی ممکن ہے کہ انسان امر افضل و اولے کے ترک کرنے سے کبھی خالی اور جدا نہیں ہوتا۔ اور اسوقت اوسکو بخشش مانگنے کی حاجت پڑتی ہے۔ کیونکہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص قرب والوں کے برائیاں سمجھی جاتی ہیں اور نیز وہ لوگ ہمیشہ کسر نفسی اور جناب باری میں اظہار ذلت اور عاجزی کے مقام میں رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں رات دن میں ستر دفعہ بخشش مانگتا ہوں۔

اور حدیث استغفار اور پردہ یا حجاب کی شرح میں شیخ عبد الحق رح نے

قد تحير العلماء فى بيان معنى هذا الحديث (حتى بهم ان يتحيروا فى ذلك لانه لا مجال

لمعات شرح مشکوۃ میں کہا ہے۔ کہ علماء اس حدیث کے معنے بیان کرنے میں حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہی

لاحد ان یعرف حقیقة القلب
المصطفوی وما یتطرأ فیه
من الحال وما قیل فیه فهو قول
بالظن والتخمین الا ما وقع فی
بواطن بعض المحققین من العارفین
من نوره المبین وننقل من
کلامهم ما ذکروا فی ذلک فقیل
ان ذلک بسبب ما اطلع علیه
من احوالهم بعده فکان یستغفرلهم
هکذا قالوا - وقیل انه بسبب
یشتغل من النظر فی امور امته
ومصالحهم ومحاربة الاعداء
یری انه یشتغل بذلک وان کان
اعظم طاعة واشرف عبادة
من ملازمة عالی مقاماته و
رفیع درجة وتفرده بربه و
خلوص قلبه وصرف همته عن کل
شئ سواه وکان یعد ذلک ذنبا
ویستغفر منه وقیل قد یکون
هذا الغین السکینة التی تغشی
قلبه واستغفاره اظهار العبودیة

حیرت اونکو سزاوار ہے - کیونکہ کسی کی مجال
نہیں کہ وہ آنحضرت کے دل کی حقیقت
جانے - اور جو حالات اوسپر طاری ہوتے
ہیں اون کو پہچانے - اسباب میں جو کچھ کہا گیا
ہے صرف ظن اور تخمین سے کہا گیا ہے
بجز ان باتوں کے جو عارفوں نے آنحضرت
سے صاف روشنی حاصل کرکے کہی ہیں
یہاں ہم اون کے اقوال نقل کرتے ہیں
بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اس پردہ
سے وہ حالات مراد ہیں کہ آنحضرت کے
بعد اُمت پر وارد ہوئے - اون کو خیال
میں لانے سے آپ کو رنج ہوتا - اور آپ
ان حالات کی نظر سے اس اُمت کے لئے
بخشش مانگتے - بعض عارفوں نے کہا ہے
کہ یہ پردہ بعض امور متعلق اُمت کی مصلحتوں
اور دشمنوں کی اونسے لڑائیوں کے فکر
میں مشغول ہوجانے کے سبب ہوتا تھا -
یہ شغل اگرچہ بڑی طاعت اور اشرف
عبادت تھی - مگر جو عالی مقام اور بلند
درجہ آپ کو خدا سے خلوت اور اخلاص
اور ماسوی اللہ سے دل پھیر لینے کا حاصل

ولا افتقار و يحتمل ان يكون
حالة خشية واعظام يغشى القلب
واستغفاره شكر الله تعالى و
ملازمة العبودية وقال بعض
الصوفية هذا غين الانوار لا غين
الاغيار كما قال بعض العارفين من
انه كان يكشف على قلبه الشريف
فى كل ساعة انوار صفات الحق
وكان يترقى فى كل ان فى هذه
التجليات وبعد بعد الترقى الى
درجة الفوق ما تحتها بمثابة
ذنب استغفر منه وهكذا حال
قلبه دائما الى ابد الاباد -
(لمعات شرح مشكوة)

تھا۔ اسکے لئے یہ شغل ایک حجاب ہو جاتا
تھا۔ اسلئے آپ اوسکو گناہ سمجھتے۔ اور اس
سے بخشش مانگتے بعض نے کہا ہے
کہ یہ پردہ اس تسکین کا نام ہے جو آپکے
دل کو ڈھانک لیتی ہے۔ اور استغفار اظہار
عبودیت اور احتیاج کا نام ہے۔ اور یہ
بھی احتمال ہے کہ پردہ سے حالت خشیت
و تعظیم الہی مراد ہو۔ اور استغفار سے
اوسکا شکر اور ملازمت عبودیت بعض
صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ انوار کا پردہ
ہے۔ نہ اغیار کا۔ چنانچہ بعض عارفین نے
کہا ہے۔ کہ آنحضرت کے مبارک دل پر
انوار صفات الہی کے تجلے ہوتے۔ اور
ہر آن ترقی کرتے جب آپ نیچے کے
درجہ سے اوپر کے درجہ پر پہنچتے تو نیچے کے درجہ کو اوپر کے درجہ کی نسبت گناہ
سمجھتے اور اوس سے بخشش مانگتے۔ آپ کے دل کا ہمیشہ ابد الاباد یہی حال ہے۔
ملا علی قاری نے اس حدیث کی تشریح میں شرح فقہ اکبر میں کہا ہے۔

واما قوله صلى الله عليه وسلم انه ليغان
على قلبى وانى لاستغفر الله فى
اليوم مائة مرة فقال الرازى
فى التفسير الكبير اعلم ان الغين

کہ پردہ وہ ہے جو دل کو ڈھانک لیتا ہے
جیسے باریک بدلی ہوا میں سورج کی
آنکھ کے لئے حجاب نہیں ہوتی۔ صرف
پوری روشنی کو روک لیتی ہے۔ پھر اس

يغشى القلب ويغطيه بعض التغطية
وهو كالغيم الرقيق الذي يعرض
في الهواء فلا يحجب عين الشمس
ولكن يمنع كمال ضوءها ثم ذكروا
لهذا الحديث تاويلات -
اولها ان الله اطلع نبيه على ما يكون
في امته من بعده من الخلاف وما
يصيبهم فكان اذا ذكر ذلك وجد
غينًا في قلبه فاستغفر لامته قلت
وفيه بعد ظاهر في الافهام من
جهة دوام تذكر ذلك المقام مع
انه صلى الله عليه وسلم كان في مرتبة
عالية من المرام -
وثانيها انه صلى الله عليه وسلم
كان ينتقل من حالة الى اُخرى رفع
من الاولى فكان الاستغفار لذلك
يعني لتوقفه وظنه انه حالة الاعلى
وهذا المعنى هو الاولى لمطابقة قوله
تعالى وللآخرة خير لك من الاولى
وثالثها ان الغين عبارة عن السكر
الذي كان يلحقه في طريق المحبة

حدیث کی کئی تاویلیں علماء نے کی ہیں
ایک تاویل یہ کہ خدا نے آنحضرت کو
امت کے ان باہمی اختلاف اور مصیبتوں پر
اطلاع دی تو ان کی یاد سے آپکے دل پر
پردہ ہو جاتا۔ جس کے لئے آپ بخشش مانگتے
ہیں (ملا علی قاری) کہتا ہوں یہ تاویل
بعید ہے اور اس حجاب کا ہمیشہ
آنحضرت کے دل پر وارد ہوتے رہنا۔
آپکے عالی رتبہ کے مخالف ہے۔
دوسری تاویل یہ کہ آپ ایک ادنے
حالت سے اونچی حالت کیطرف انتقال
کرتے تو نیچے کی حالت کو اعلے سمجھنے۔ اور
اسمیں توقف کرنے کے سبب اوسکو گناہ
سمجھتے۔ یہ تاویل اس قول خداوندی کے
مطابق ہے۔ جو فرمایا ہے۔ البتہ تیری
دوسری حالت پہلی حالت سے بہتر ہے
تیسری تاویل یہ کہ پردہ اس حالت سکر
و بیخودی سے مراد ہے۔ جو سلوک
راہ محبت میں آپ کو لاحق ہوتی تھی۔
یہانتک کہ آپ اپنی ذات کے حالات
سے بالکل فنا و بے خبر ہو جاتے۔ پھر جب

حتی یصیر فانیًا عن نفسه بالکلیة فاذا عاد الی الصحو کان الاستغفار من ذلك الصحو وهو تاویل ارباب الحقیقة قلت ویؤیده حدیث لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ای جبرئیل المقدس او نبی مرسل ای نفسه الا نفس الا انه قد یقال الاستغفار لیس من الصحو بل من المحو لظاهر قوله علیه السلام وانه لیغان علی قلبی حتی یمنعنی عن شهود ربی فی مقام جمع الجمع الذی لا یحجب الکثرة عن الوحدة ولا یمنع الوحدة عن الکثرة لاسیما وهو فی منصب الرسالة وفی مقام تبلیغ الدعوة والدلالة فکل ما یمنعه عن المقام الاکمل فنسبة الاستغفار الیه امثل ۔ وقد یقال ان الغین کنایة عن الغیر من ملاحظة الخلائق ۔ ومرابطة العلائق ومضایقة العوائق کما ان الغین

ہوش میں آتے ۔ تو اوس ہوش کیحالت سے استغفار کرتے ۔ یہ تاویل اون لوگون کی ہے ۔ جو حقائق آگاہ کہلاتے ہیں ۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں اس تاویل کی موئید وہ حدیث ہے جو آپ نے فرمائی ہے ۔ کہ مجھے خدا کے ساتھ ایسا وقت خلوت و تجرد بھی ہوتا ہے ۔ جسمیں میرے ساتھ کسی مقرب فرشتے (جبریل امین) یا نبی (نفس نفیس خود حضرت رسالت) کی گنجائش نہیں ہوتی ۔ یہ بھی کہا گیا ہے ۔ کہ یہ استغفار حالت ہوش سے نہیں ۔ بلکہ حالت سکر و بے خودی سے ہے ۔ اسکی تائید آپ کا یہ قول کرتا ہے ۔ کہ میرے دل پر پردہ ہو جاتا ہے ۔ جو مجھے تجلے الٰہی سے (جو جمعیت کے مقام میں ہوتے ہیں) اور اسمیں نہ کثرت وحدت کی حجاب ہوتی ہے نہ وحدت کثرت کی) روک لیتا ہے یہ معنے حجاب کے خاص کر آپ کے منصب رسالت اور مقام تبلیغ دعوت کے لئے مناسب ہیں جو محویت و بے خودی آپکو ایسے کامل مقام تبلیغ رسالت اور دعوت

كناية عن مراقبة الذات و
هو عين العلم والايمان و
زين العمل والاحسان كما
يشير اليه حديث الاحسان
ان تعبد الله كانك تراه اى
تكون فى مقام العبودية لله
بحيث لا يخطر ببالك ماسواه
والخواطر لا تنفك عن السرائر
فكلما خطر بباله سوى الله
قال استغفر الله - كما اشار
شيخ مشائخنا ابو الحسن البكرى
فى حزبه الى هذا المقام العلى
والحال السرى واوصى اليه
العارف ابن الفارض ايضا
بقوله ع ولو خطرت لى سواك
ارادة * على خاطرى سهوا
حكمت بردتى * ومن هذه
العبارات يفهم مضمون
كلام من قال من اهل الاشارات
حسنات الابرار سيئات
الاحرار -

سے روکے اس سے استغفار بہت بہتر ہے
اگرچہ وہ حالت آپ کے ذاتی حظ کے لحاظ
سے مفید ہے - یہ بھی اوسکی تاویل میں کہا گیا
ہے - کہ پردہ سے مراد غیر اللہ (مخلوقات) کا
خیال میں آنا اور اُنسے تعلقات کا ربط ہونا - اور ایسی
مانعات کی تنگی کا پیش آنا جیسا کہ عین سے مراد خدا کی
ذات کا خیال رہنا اور اوسکی صفات کا مشاہدہ ہونا ہے
جو عین علم و ایمان اور زینت عمل و احسان ہے - جیسا کہ حدیث
میں آیا ہے - کہ عبادت کا احسان (یعنے اچھا کرنا) یہ ہے کہ تو خدا کی
ایسی عبادت کرے - کہ گویا تو اوسکو دیکھ رہا ہے یعنے تو عبودیت
کے مقام میں ایسا ہو کہ تیرے دلمیں خدا کے سوا کسیکا خیال نہ گذرے اور
چونکہ دلوں کے خیالات غیر اللہ کے خطرات سے خالی نہیں ہوتے - لہذا جب
آنحضرت کے دل میں کسی غیر کا خطرہ
گذرتا - آپ اوسکو پردہ سمجھتے اور اوس سے بخشش
مانگتے - چنانچہ ہمارے مشایخ کے شیخ ابو الحسن بکری
نے اپنے حزب میں اس عالی مقام اور مخفی حال
کیطرف اشارہ کیا ہے - اور اوسی مقام کی
ابن الفارض عارف نے وصیت کرکے شعر
میں کہا ہے - اے خدا اگر تیرے غیر کا ارادہ
و خطرہ میرے دل میں بھولے سے بھی
پیدا ہو - تو میں اپنے اوپر مرتد ہو جانے کا

ورابعها وهو تاويل اهل
الظاهران القلب لا ينفك
عن الخطرات وخواطر
الشهوات وانواع الميل و
الارادات وكان يستعين
بالرب في دفع تلك الخواطر
قلت
وخامسها تبعًا لارباب الظاهر
انه كان استغفاره من رؤية العبادات
او من تقصيره في الطاعات او
عجزه عن شكر النعم في الحالات
ولذا كان عليه السلام يستغفر
اذا فرغ عن الصلوة وكذا اذا
خرج من قضاء الحاجات ومن
هذه القبيل قول رابعة العدوية
استغفارنا يحتاج الى استغفار
كثيرة وله معنيان - احدهما
ادق من الاخر فتامل وتدبر۔
(شرح فقه اكبر ص۱۲)

حکم دفتوں سے لگا دول ۔ آن ہی عبارات سے
اہل اشارات کے اس قول کا مضمون سمجھ
میں آتا ہے کہ عام نیکوں کی نیکیاں خاص
مقربین ۔ اور قیود نفس سے آزاد لوگوں
کی برائیاں سمجھی جاتی ہیں ۔
چوتھی تاویل اہل ظواہر کی ہے ۔ کہ دل میں
ہمیشہ خطرات اور نفسانی خواہشات و ارادات
وارد ہوتے رہتے ہیں ۔ جیسے کوئی دل خالی
نہیں ہوتا ۔ ان خطرات کو آنحضرت نے پردہ
کہا ہے ۔ اور اس سے بخشش مانگی ہے ۔
پانچویں تاویل یہ کہ اپنی عبادت کو عبادت
سمجھنا بھی ایک حجاب ہے ۔ اس سے آپ
بخشش مانگتے ۔ یا طاعت میں کچھ قصور کرنے سے
اور تمام حالات میں ادائے شکر نعمت سے
عاجز رہنے سے آپ استغفار کرتے ۔ اسی واسطے
جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوتے تو استغفار
کرتے ایسا ہی جب آپ قضا حاجت ضروریہ سے
فارغ ہو کر نکلتے تو بخشش مانگتے ۔ اس تاویل
کی قسم سے مشہور ولیہ رابعہ بصریہ عدویہ کا
قول ہے کہ ہمارا استغفار (بخشش مانگنا) کئی استغفاروں کا محتاج ہے ۔ اس قول کے
دو معنے ہیں ۔ جن میں ایک دوسرے سے زیادہ باریک ہیں ۔ کلام ملا علی قاری

خاکسار ناقل عبارت و مترجم کہتا ہے۔ کہ ان دو معنے سے اوّل یہ ہیں (واللہ اعلم) جو ظاہری۔ اور سرسری ہیں کہ جب ہم خدا سے بخشش مانگتے ہیں۔ اور استغفار پڑھتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم نہ صرف زبان سے استغفراللہ کہنے پر اکتفا کریں۔ بلکہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں گناہوں کو جو ہمارے دل۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں وغیرہ اعضا ظاہری و باطنی سے سرزد ہوتے ہیں پیش نظر رکھیں۔ اور ان سب گناہوں سے بخشش مانگیں۔

معنے دوم جو دقیق ہیں یہ ہیں کہ جو ہم استغفار کرتے ہیں اور استغفراللہ کہتے ہیں۔ یہ فعل اور کلمہ خود اس لائق ہے۔ کہ ہم اس سے استغفار کریں۔ اور خدا سے اوس کے لئے بخشش مانگیں۔ کیونکہ یہ کلمہ جسطرح پر ہم کہتے ہیں۔ اور جس قدر خلوص و حضور قلب اس میں ہم بجالاتے ہیں وہ خدا کی عظمت و تقدس اور شان کے شایاں نہیں ہوتا۔ لہذا ہم کو اس استغفار سے استغفار کرنا چاہیئے۔ پھر اس استغفار سے جو اس استغفار کی ندامت و اعتراف تقصیر میں کریں گے۔ وعلے ہذا القیاس۔

محققین کا یہ خیال* ہے۔ کہ نماز کے بعد آنحضرت کا تین دفعہ استغفار اور توبہ کرنا یعنے استغفراللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھنا الہی اصول و خیال پر مبنی تھا جسکا مطلب و مقصود یہ ہوتا تھا۔ کہ اے الٰہ العالمین ہم نے جو یہ نماز پڑھی ہے۔ اسمیں ہم نے تیرا حق عبادت جیسا کہ چاہیئے تھا ادا نہیں کیا۔ اور جو عجز و خشوع و خلوص و حضور و قطع تعلق ماسوے اللہ تیرے شان کے لائق تھا۔ وہ ہم سے پورا ادا نہیں ہوا۔ ہم اس تقصیر کی معافی چاہتے ہیں۔ اور اس سے توبہ کرتے ہیں اس استغفار سے یہ مطلب و مقصود نہ ہوتا تو نماز اور کونسے گناہوں کا محل تھا

ما عبدناک حق عبادتک

* صفحہ (۱۴۸) نمبر ۵ جلد ہذا ملاحظہ ہو۔

کہ سلام پھیرتے ہی اُنسے توبہ کرنے کا وقت آگیا تھا۔

عیسائی ان اسرار و معارف روحانیہ کو سمجھنے سے ایسے کورے و عاری ہیں۔ جیسا اندھا مادزاد دیکھنے یا عنین (پیدائشی نامرد) لذت مباشرت سے وہ ان معارف کو کیونکر سمجھیں جبکہ اون کے ہادی نے اون کے زعم میں کبھی استغفار نہیں کیا۔ اور نہ اون کو استغفار سکھایا۔ اون کو عبادت و دعا سکھائی تو یہ سکھائی کہ "اے خدا ہم کو روز کی روٹی دے"۔ لہذا اون کی دعا و عبادت یہی ہے۔ کہ خوب کھائیں اور عیش و خوشیاں مناویں۔ گرجا میں جاویں تو وہاں بھی راگ گائیں اور باجے بجائیں۔ اور ماہ جبینوں کے نظارہ کا لطف اوٹھائیں اور اون کے ہاتھوں سے ہاتھ ملاویں۔ اور خدا پر یا مسیح پر بہت مہربانی کریں تو بیچ میں یہ کلمہ بھی کہدیں کہ ہم نے مسیح کا خون پیا۔ یا وہ ہمارا کفارہ ہوگیا اور اتنے پر یقین کرلیں کہ بس ہم نے خدا کی عبادت کا حق ادا کیا۔ اب ہمارا حق خدا کے ذمہ ثابت ہوگیا۔ کہ وہ ہم کو اپنی آسمانی بادشاہت* میں داخل کرے۔

وہ حضرات ان اسرار و معارف کو سنیں گے تو امید نہیں کہ ان سے نفع اوٹھاویں۔ بلکہ خوف ہے کہ اپر ہنسی اوڑاویں۔ اور قہقہے لگا کر تالیاں بجائیں یہ اسرار معارف ہم نے اون کی خاطر سے بیان نہیں کئے۔ بلکہ حقایق شناس و نکتہ رس اہل اسلام کے لئے بیان کئے ہیں۔ اور خدا تعالے سے قوی امید ہے کہ ان اسرار کو سننے اور پڑھنے سے اون کے ایمان تازہ ہونگے۔ اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے استغفار اور اظہار عجز و انکسار سے آپ کے تقدس و حقانیت و للّٰہیت کا اور یقین بڑھائینگے۔

ذیل میں ہم قرآن و حدیث سے ان باتوں کی تائیدات نقل کرتے ہیں۔ جو علماء کرام نے توجیہات و تاویلات مذکورہ بالا میں کہی ہیں۔ تاکہ اُنسے

* دیکھو انجیل متی باب ۶ آیت ۹ سے ۱۱۔ ** صفحہ ۲۲۸ ملاحظہ ہو

اہل ایمان کو یقین زیادہ ہوں۔ اور عیسائی وغیرہ مخالفین کی اس نکتہ چینی سے دہان بندی ہو کہ یہ تاویلات و توجہات پیروان وثناخوانان پیغمبر از خود کرتے اور کہتے ہیں۔ اور مثل مشہور "پیراں نمے پرند۔ مریداں مے پرانند" پر عمل کر رہے ہیں۔ اور درحقیقت اون کے پیغمبر نے نہ یہ باتیں کہی ہیں اور نہ توبہ استغفار واعتراف گناہ سے یہ باتیں آپ کو مدنظر تھیں۔ لہذا یہ توجیہات توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہیں۔ جیسا کہ مسٹر اکبر مسیح نے اپنے خط ۷۔ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف الحقایق نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ وغیرہ کہا اور انصاف کا خون کیا۔ اور مسلمانوں کی گردن پر بیرحمی کا چھرا چلایا ہے۔ "وہ آنحضرت کی حدیث رب انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا یعنے الٰہی میں نے اپنی جان پر بہت سا ظلم کیا۔ نقل کر کے یہ فقرہ لکھتے ہیں "سچ ہے "من آنم کہ من دانم" چاہے لوگ کسی بزرگ کی خوبیوں کے بارہ میں کسقدر مبالغہ کیوں نہ کریں مگر پوچھا چاہیئے کہ وہ اپنی نظروں میں اپنے تئیں کیسا دیکھتا ہے"!

ان تائیدات کو پڑھ کر اور سنگدل سخت دل سے سخت دل اور بے انصاف سے بے انصاف عیسائی بھی مان لے گا۔ اور کہیگا کہ اہل اسلام نے جو توجیہات آنحضرت کے استغفار واعتراف ظلم واظہار وانکسار کے متعلق بیان کی ہیں۔ وہ آنحضرت کے منشاء اور نیت کے عین مطابق اور اون کے اقوال سے مستنبط ہیں۔ اون کے پیروان کی از خود بے جا خوشامد یا صرف معتقدانہ تعریف نہیں ہے۔ اور نہ توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے۔

آیات واحادیث سے اس بات کا ثبوت کہ جسقدر انسان بلند رتبہ ہوتا ہے اسیقدر خدا سے زیادہ ڈرتا ہے

ایک آیت میں ارشاد ہوا ہے۔ جنکو یہ لوگ پکارتے (اور پوجتے) ہیں

اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ ویخافون عذابہ (بنی اسرائیل - ع - ۶ -)	(یعنے حضرت عیسٰے وعزیر وغیرہ انبیاء) اون میں سے جو خدا کے حضور میں زیادہ قرب رکھتا ہے وہی خدا کی طرف وسیلہ (عبادت وطاعت) تلاش کرتا ہے - اور خدا کی رحمت کی امید رکھتا ہے - اور اوسکے عذاب سے ڈرتا ہے -

ایک اور آیت میں حضرت ابراہیم واسحق ویعقوب واسمعیل ولوط ونوح و داؤد وسلیمان وایوب ویونس وزکریا ویحیٰی (بحسب بیان انجیل پیر ومرشد حضرت عیسٰے) سلام اللہ علیہم اجمعین کا ذکر فرماکر ارشاد فرمایا ہے

انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھبا وکانوا لنا خاشعین (انبیاء - ع - ۶ -)	کہ یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ہمکو رغبت اور خوف سے پکارتے اور ہم سے ڈرنے والے تھے -

ایک آیت میں نیکیوں میں جلدی کرنے والوں کی بطور تفسیر یہ حالت

والذین یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون اولئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون (المومنون - ع ۴)	بیان ہوئی ہے - کہ وہ طاعت کرتے ہیں (نماز روزہ وغیرہ ادا کرتے ہیں) اور پھر ڈرتے ہیں - کہ ہم کو خدا کیطرف جانا ہے - (یعنے دیکھئے وہاں ہماری نمازیں قبول ومنظور ہوتی ہیں یا نہیں - اور وہ نمازیں ٹھیک ادا ہوئی نکلتی ہیں یا نہیں) یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں - اور یہی سب سے اگاڑی بڑھنے والے ہیں -

اور آنحضرت نے فرمایا ہے سن رکھو خدا کی قسم ہے - میں تم سب

اما واللہ انی لاخشاکم للہ و	کی نسبت خدا تعالے سے زیادہ ڈرنے والا

اتقاکم لہ (مشکوٰۃ ص ۱۹ بروایت بخاری مسلم)

اور اوسکے گناہوں سے زیادہ بخشنے والا

اس قول آنحضرت کا عملی ثبوت یہ تھا کہ آپ نماز تہجد میں اسقدر دراز قیام

قام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع هذا وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکوراً متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۱۰۱)

کیا کرتے تھے کہ آپ کے مبارک قدم سوج جاتے۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ آپ تو بخشے بخشائے ہوئے ہیں۔ (یعنے پھر اتنی تکلیف کیوں اوٹھاتے ہیں) تو آپ فرماتے کہ پھر کیا میں شکرگذار بندہ نہ ہوں۔

سجدہ میں آپ بعض اوقات اسقدر طول کرتے کہ دیکھنے والا یہ گمان کرتا کہ

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی دخل نخلا فسجد فاطال السجود حتی خشیت ان یکون اللہ تعالی قد توفاہ (مشکوٰۃ ص ۷۹)

اس حالت میں آپ کی روح مبارک نکل گئی ہے۔ اکثر اوقات آپ نماز میں گریہ و زاری کرتے رہتے۔

ایسا ہی عمل کمال خشیت آپ کے روزہ رکھنے اور راہ خدا میں تمام مال خرچ کردینے اور کھانے۔ پینے۔ پہننے۔ سونے۔ وغیرہ حاجات میں لذات ونعماء دنیا ترک کرنیمیں آپ سے پایا گیا ہے۔ اور دواوین سنت میں مروی ہے شائقین ملاحظہ تمثیلات اشاعۃ السنۃ نمبر ۶ جلد ۱۰ کا صفحہ (۱۷۱) وغیرہ دیکھیں۔

اس کمال پر آپ کا یہ خیال تھا کہ مینے کچھ نہیں کیا۔ اور مجھ سے خدا کی عبادت و اطاعت کا حق ادا نہیں ہوا۔ ما عبدناک حق عبادتک

لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک (ابوداؤد و ترمذی وغیرہ)

اور یہ مقال کہ خدایا تیری صفت و تعریف میں نہیں کرسکا۔ تیری شان

وہی ہے۔ جو تو نے خود اپنی شان بیان کی ہے۔ اور یہ اعتراف کہ میرا عمل میری

لن ینجی احدا منکم عملہ۔ قال رجل ولا ایاک قال ولا ایای الا ان یتمدنی اللہ منہ برحمتہ (مسلم ص ۳۷۶ و مشکوۃ ص ۱۹۹)

نجات کا موجب نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا کی رحمت مجھے ڈھانپ نہ لے۔

اس بات کا ثبوت کہ بڑوں کا چھوٹا قصور بھی چھوٹوں کے بڑے گناہ کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اور اس پر بڑا مواخذہ ہوتا ہے

ایک آیت میں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ اگر ہم تجھے ثابت قدم

ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا و اذا لاذقناک ضعف الحیوۃ و ضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا (بنی اسرائیل ع ۸)

نہ رکھتے تو قریب تھا۔ کہ تو دقوم ثقیف کی ناجائز درخواست کی طرف) کسی قدر جھک جاتا تب ہم تجھے دُگنا عذاب زندگی میں اور دُگنا موت کے بعد۔ یعنے قیامت کو چکھاتے۔ پھر تو کسی کو نہ پاتا۔ جو ہمارے مقابلہ میں تیرا مددگار ہوتا۔

ایک اور آیت میں آنحضرت کے ازواج مطہرات کو خطاب ہوا

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین و کان ذلک علی اللہ یسیرا (احزاب۔ ع ۴)

اے نبی کی بیویاں جو کوئی تم میں سے۔ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی اوسکو دوگنا عذاب ہوگا۔ اور یہ کام خدا پر آسان ہے۔

اسی اصول پر آنحضرت کا اپنے اصحاب اور احباب کے ساتھ عمل و برتاؤ تھا۔ اکابر صحابہ سے چھوٹے امر بھی آپ زیادہ عتاب فرماتے۔ چھوٹوں کی بڑی

باتوں پر درگذر فرماتے۔

ایک صحابی نے جو قوم کا امام و مقتدا تھا۔ قبلہ کی طرف کو تھوکا۔ تو آپ نے اوس کو امامت سے معزول کر دیا۔

ان رجلا ام قوما فبصق فی القبلۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی لکم الحدیث (ابو داؤد صفحہ ۶۸)

اور ایک اعرابی (جنگلی گنوار) نے صحن مسجد کے کونہ میں پیشاب کر دیا۔ تو اوس کو لوگوں نے ڈانٹا۔ آپ نے اون کو منع کیا۔ اور اوسکو نہ جھڑکا۔ اور نہ مارا۔ بلکہ نرمی سے سمجھا دیا۔ کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

قام اعرابی فبال فی المسجد فتناولہ الناس فقال لھم دعوہ وھریقوا علی بولہ سجلا من ماء الحدیث (بخاری صفحہ ۳۵)

عام مسلمانوں کے مباحات خواص کیلئے ممنوعات ہونے و خواص کے بعض حسنات اخص خواص کے حق میں سیئات ہونیکا ثبوت

ایک آیت میں آنحضرت کے ازواج مطہرات کے خطاب میں زینت کا لباس اور عمدہ پردے طلب کرنے پر (جو عام مستورات کے لئے حلال تھا۔ چنانچہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور عمل زمانہ آنحضرت اسپر دلیل ہے) آنحضرت کو یہ کہدینے کا حکم ہوا۔ کہ تمہیں دنیا کی زینت بکار ہے۔ تو آؤ میں تم کو طلاق دوں۔ اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم خدا و رسول اور پچھلے گھر (آخرت) کو چاہتے ہو۔ تو تمہارے لئے خدا نے

یا یھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما۔ (احزاب۔ ع ۴)

بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔

اجازت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو سونا چاندی جمع کرنیکی

ما ادی زکوتہ فلیس بکنز +
(بخاری ص۱۸۸ - ابوداؤد ص۲۱۷)

دے رکھی تھی۔ اور فرمادیا تھا کہ جس مال کی زکوۃ ادا ہو جائے۔ اوسکا جمع کرنا خزانہ جمع کرنا نہیں کہلاتا۔ (یعنے جس کی مذمت قرآن کی آیت منقولہ حاشیہ میں آچکی ہے) مگر اپنی ذات کے

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ - ع ۵)

لئے اس اجازت پر عمل کرنا پسند نہ تھا اور آپ نے صاف فرمایا۔ کہ مجھے پسند نہیں آتا کہ میرے پاس پہاڑ احد کے برابر سونا ایک رات رہے۔ بجز اوس دینار جس کو میں ادائے قرض کے لئے رکھوں۔ یہی حال وعمل آپ کے بعض اخص خواص ابو ذر غفاری جیسے عشاق نبوی۔ اور اصحاب صفہ کے صوفی صافیوں کا تھا۔ ابو ذر کا اس مسئلہ میں امیر شام سے جھگڑا کرنا۔ اور اس جھگڑے کے سبب حضرت عثمان کا ابو ذر کو شام سے مدینہ میں بلا لینا۔ بخاری وغیرہ میں منقول ہے۔ اصحاب صفہ میں ایک شخص فوت ہوا۔ تو اوسکا ترکہ ایک دینار نکلا جسپر آنحضرت ایک داغ کا ڈر سنایا دوسرے

ما یسرنی ان لی احد ذھبا یبیت عندی منہ دینار الا دینارا ارصدہ لدین (شفاء عیاض داصلہ فی البخاری ص۱۸۵ ومشکوۃ ص۱۵۶)

عن ابی ذر کنت بالشام فاختلفت انا ومعویۃ فی الذین یکنزون الذھب والفضۃ الحدیث
(بخاری ص۱۸۹)

عن ابی امامۃ قال ان رجلا من اھل الصفۃ توفی وترک دینارا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیۃ - ثم توفی اخر فترک

دینارین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیتان ۔ رواہ احمد (مشکوۃ صلنلہ)	ترکہ میں دو دینار نکلے۔ تو آنحضرت نے اوس کو آگ کے دو داغوں کی وعید سُنائی۔

آنحضرت نے اولاد سے محبت کرنے اور اون کو گود میں لینے اور چومنے کو طاعات اور حسنات میں شمار کیا تھا۔ اور اسپر آپ کا عمل بھی تھا۔

قبل رسول اللہ الحسن بن علی و عندہ الاقرع بن حابس التیمی جالس فقال الاقرع بن حابس ان لی عشرۃ من الولد ما قبلت منھم احدا فنظر الیہ رسول اللہ فقال من لا یرحم لا یرحم (بخاری ۸۸۷) خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل الحسن والحسین وعلیھما قمیصان احمران یعثران ویقومان فنزل فاخذھما۔ فصعد بھما ثم قال صدق اللہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ (ابوداؤد صلنلہ)	ایک شخص نے اپنی اولاد کو چومنے سے آپ کے سامنے انکار ظاہر کیا۔ تو آپنے اوسکو بے رحم قرار دیا۔ اور فرمایا۔ کہ جو رحم نہیں کرتا۔ اُسپر رحم نہیں ہوتا۔ ومعہذا ایک دفعہ امام حسن و امام حسینؑ کو حالت خطبہ میں آنے کے وقت اٹھا لیا اور اپنے پاس بیٹھایا۔ تو اس فعل کو فتنہ قرار دیا۔ جسکے یہی معنے ہیں کہ یہ فعل گو ایک قسم کی طاعت و نیکی ہے مگر بمقابلہ ذکر و یاد الٰہی نیکی نہیں۔ بلکہ فتنہ ہے۔ اور حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ کا مصداق ہے۔

خدا کی دائمی یاد میں خصوصاً حالت عبادت میں خشوع وخضوع اور محویت اور دنیاوی خیالات و تعلقات سے قطع تعلق کے ضروری ہونے اور اس میں کمی کے داخل تقصیر ہونیکا ثبوت

ایک آیت میں آنحضرت کو خطاب ہوا ہے۔ کہ خدا کو یاد کر اور

واذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلا (مزمل - ع - ۱)	سب سے ٹوٹکر اوس کیطرف آجا -
قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون ﴿ (مومنون - ع - ۱)	**ایک** اور آیت میں عام مسلمانوں کو ارشاد ہوا ہے - کہ فلاح ورستگاری پاگئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں دل سے عاجزی کرتے ہیں -

ایک حدیث آنحضرت نے فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جنکو خدا نے فرض

خمس صلوة افترضهن الله تعالی فمن احسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن وخشوعهن کان له علی الله عهد ان یغفر له ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد ان شاء غفر له وان شاء عذبه رواه احمد (مشکوة ص۵۸)	کیا ہے - پس جو شخص ان میں پورا خشوع کریگا - اُس کے لئے خدا کا وعدہ بخشش ہے - جو ایسا نہ کرے گا اوس کے لئے کوئی وعدہ نہیں - خدا چاہے تو بخشے چاہے عذاب کرے -
ان الله لایستجیب دعاء من قلب غافل رواه الترمذی (مشکوة ص۱۸۷)	**ایک حدیث** میں آنحضرت نے ارشاد کیا ہے - کہ غافل دل یعنے بے خیال وبے حضور دل دعا مانگنے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی -

اور **ایک حدیث** ارشاد ہوا ہے - کہ نمازی خدا سے مناجاتیں کرتا ہی

المصلی یناجی ربه فلینظر ما یناجیه به (مشکوة ص۷۳)	یعنے دعا مانگتا ہے - پس چاہیئے کہ تم اپنی مناجات کی طرف نظر کرو - یعنے خیال

کرو بے حضور وخیال نہ بولتے جاؤ -

اور **ایک حدیث** میں ارشاد ہوا - عبادت کا احسان (یعنے

قال وما الاحسان - قال ان	اچھا کرنا) یہ ہے کہ تو خدا کی ایسی عبادت

تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (بخاری ص۱۲)

کرے کہ گویا او سکو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو او سکو نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھتا ہی

یعنے اگر اول تو تو اس عبادت میں ایسا محو و ماسوی اللہ سے متجرد ہو جا کہ گویا خدا تجھے نظر آرہا ہے۔ اور اگر یہ مقام تجھے میسر نہ ہو تو اتنا ضرور خیال ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ اب میں دوسری طرف التفات و خیال نہ کروں۔ اوسی کے حضور میں عرضیں کرتا رہوں۔

ایک حدیث میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ جو شخص میرے اس

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضاء نحو وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیھما نفسہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ (صحیح بخاری ص۲۸)

وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں ایسی پڑھے کہ اون میں بجز یاد خدا کوئی دوسری بات اوس کے دل میں نہ آوے اوسکے پچھلے تمام گناہ بخشے جائیں گے

آنحضرت کے اس قول سے اور جو ہمیں آپنے اپنے فعل سے تشبیہ دی ہے۔ صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کو یہ درجہ حضور و محویت و تجرد عما سوی اللہ و تبتل الے اللہ نماز میں حاصل تھا آپ کا تو بڑا رتبہ عالی تھا۔ یہ درجہ محویت تو آپ کے غلاموں اور غلامان غلاموں اور ادنے پیروان کو بھی حاصل تھا۔

ایک موقعہ جنگ ذات الرقاع پر آنحضرت نے دو صحابی (ایک

فنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزلا فقال من رجل یکلؤنا فانتدب رجل من المھاجرین و رجل من الانصار فقال کونا بفم الشعب قال فلما خرجا الرجلان اضطجع المھاجری

مہاجر ایک انصاری) کو ایک جگہ پہرہ پر کھڑا کیا۔ ایک (مہاجر) لیٹ گیا۔ دوسرا (انصاری) نماز (نوافل) پڑھنے لگ گیا ایک شخص دشمن آیا اور اوس نے خیال کیا کہ یہ پہرہ دار ہے تو اسنے اوسپر تیر چلایا

وقام الانصاری یصلی و اتی الرجل فلما رای شخصه قال انه ربیئة للقوم فرماه بسهم فوضعه فیه فنزعه الدم حتی رماه بثلثة اسهم ثم رکع وسجد ثم انتبه المهاجر فلما عرف انهم قد نذروا به هرب فلما رای المهاجری ما بالانصاری من الدماء قال سبحان الله الا انبهتنی اول مارمی قال کنت فی سورة اقرءها فلم احب ان اقطعها (ابوداؤد صـ۲۴ وصلہ فی البخاری ۲۹)

جس سے اوسکا خون جاری ہوگیا۔ پھر دو تیر اور مارے مگر اس انصاری نے کچھ پروا نہ کی۔ اور نماز پوری کی پھر مہاجر بیدار ہوا۔ اور دشمن نے سمجھا کہ یہ خبردار ہوگئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ مہاجر نے جب انصاری کا خون دیکھا تو بولا سبحان تم نے مجھے پہلے تیر کے وقت کیوں نہ جگادیا۔ اوس نے کہا میں سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ میرے دل نے نہ چاہا۔ کہ اوسکو ناتمام قطع کروں۔

حضرات ناظرین! خصوصاً ہمارے مخاطبین! تین تیر کاری لگیں اور خون بہادیں اور وہاں خبر بھی نہ ہو کہ کس کو لگے ہیں۔ یہ محویت و ازخود رفتگی نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک نظیر اس کی کمال شرمندگی اور ندامت کے سبب سرافگندگی سے چشم پرآب اور دل بے تاب ہونے کی حالت میں نہ کسی فخر یا بڑائی یا اظہار بزرگی کے خیال سے (فخر یا بزرگی کیا خاک ہوگی۔ جبکہ وہ نظیر چھپن سالہ عمر میں ایک دفعہ سے زیادہ پائی نہیں گئی۔ لہذا اوسکا ذکر لایق شرم ہے۔ نہ محل فخر) یہ نالایق اپنی حالت سے پیش کرتا ہے۔ تاکہ میرے حسن العقیدہ دوست اوس کے شائق ہوں اور اوس کی طلب و تحصیل میں سعی و کوشش کریں۔ اس حالت کے منکر اور اس سے تمام عمر کورے نہ رہیں وہ یہ کہ یہ ناکارہ و نالایق ایک دفعہ

ظہر یا عصر کے نوافل پڑھ رہا تھا۔ کہ میرے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر زنبور (تتیا۔ یا بھڑ) نے کاٹا جس سے مجھے ویسی ہی سخت سوزش ہوئی۔ جو ہوا کرتی ہے۔ میں نے اس حالت نماز میں ارادہ کیا کہ میں نماز ہی میں اسجگہ کو جہاں بھڑ نے کاٹا تھا ہاتھ سے دبا کر اوسکا زہریلا خون نکال دوں۔ تب مجھے اس انصاری کا واقعہ تیر لگنے کا یاد آگیا۔ اور یہ خیال پیدا ہوا کہ اوسکو تین تیر لگے تو بھی اوس نے کوئی پروا نہ کی۔ اور تو ایک بھڑ کے کاٹنے سے یہ ارادہ کر بیٹھا ہے۔ اس خیال سے جو مجھ ندامت اور پھر رقت اور خشیت الٰہی پیدا ہوئی تو اوس سے مجھے وہ درد و سوزش بالکل نسیاً منسیاً ہو گئی۔ اور میری وہ نماز عجیب حلاوت سے ختم ہوئی۔ اس ایک آن کی رقت و خشیت کی برکت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ نماز پڑھنے کے بعد بھی نہ سوزش رہی نہ درد اور نہ ورم۔ گویا بھڑ نے کاٹا ہی نہیں تھا۔ مگر افسوس صد افسوس ہزار افسوس کہ پھر وہ حالت کبھی نہ آئی۔ اللھم ارزقنی ما فاتنی واجبرنی وارفعنی۔

بزرگان دین کے ایسے حالات اگر لکھے جاویں۔ تو یہ مضمون ایک بڑا دفتر ہو جائے۔ تاہم ایک دو نظیریں اور اسمقام میں لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ طالبان حق ان بزرگوں کی پیروی کریں۔

حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے۔ کہ آپ جب وضو کرنے لگتے تو آپکے چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا۔ کسی نے پوچھا یا ابن رسول اللہ وضو کے وقت آپ کی ایسی حالت کیوں ہو جاتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتا کہ وضو کے بعد میں کس کے حضور کھڑا ہونگا؟۔

اور ایک دفعہ آپ نماز میں کھڑے ہوئے تو آپ کے پاس والے مکان میں اتفاقاً آگ لگ کر مشتعل ہوئی۔ لوگوں نے ہر چند کہا کہ النار النار یا ابن رسول اللہ۔ مگر آپ نے کچھ پروا نہ کی۔ اور نماز طمانیت کے ساتھ پوری

کی اسکے بعد آپ کو کہا گیا کہ آپ نے ہماری پکار کو کیوں نہ سُنا تو آپ نے فرمایا مجھے اس آگ کے خیال سے ایک اور آگ نے روک رکھا تھا (یعنے

الهتنی عنها النار الاخری

دوزخ کی آگ یا عشق الٰہی کی آگ)

ایک واقعہ اس سے بڑھ کر اور سُنو بصرہ کا قاضی بنی قشیر کا امام زرارہ

کان زرارة بن اوفی قاضی البصرة فکان یؤم بنی قشیر فقرء یوما فی صلوة الصبح فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر خر میتا فکنت فیمن احتمله الی داره (ترمذی صلـ ۶۱)

بن اوفی نام اون کو صبح کی نماز پڑھا رہا تھا۔ کہ اس آیت پر پہنچا جسکا ترجمہ یہ ہے کہ جب کرنا میں پھونک ماری جائے گی یعنے حشر کے لئے تو وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا تو وہ جان بحق تسلیم کر کے گر گیا راوی حدیث کہتا ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو اوس کو اوٹھا کر گھر لے گئے تھے۔

ایسے واقعات اور بھی بہت ہوئے ہیں۔ جنکا ذکر امام منذری نے کتاب ترغیب و ترہیب میں کیا ہے۔

جو شخص ان بزرگوں کی حالت محویت پر تعجب کرے اور اوس کو تسلیم نہ کرے تو وہ یہ خیال کر کے اون کی تصدیق کر سکتا ہے۔ کہ دنیا میں فاسق و بدکار لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی خیال بد (جیسے کبوتر بازی یا پتنگ بازی یا کسی عورت یا مرد کے عشق) میں مصروف اور محو ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس خیال محویت میں نہ کسی کی سنتے ہیں۔ نہ کوئی چیز در دیوار دیکھتے ہیں۔ اور جس چیز کے شایق و عاشق ہوتے ہیں وہ اُسیکو دیکھتے اور اوسی کی سنتے ہیں۔ پھر کیا طالبان مولے و عاشقان خدا اون سے بھی گئے گذرے ہوئے کہ اون کی محویت و استغراق محل تعجب

و انکار ہو۔

اسی محویت میں جب کسی قدر فتور یا قصور واقعہ ہو جاتا ہے۔ تو اہل اللہ عبادت وطاعت کر کے یہ کہہ اٹھتے ہیں۔ ما عبدناک حق عبادتک اور اپنی اس عبادت وطاعت کے بعد کلمہ استغفار پڑہتے ہیں۔ اور توبہ کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہی کہ ایسا کوئی ایک بھی نہیں جو خدا کی عبادت ایسی کرے۔ جیسا کہ اوس کا حق ہے۔

ولیس یقدر احد الی یعبد اللہ تعالیٰ حق عبادتہ کما ھو اھل لہ۔ لاکنہ یعبدہ بامرہ۔

و لھذا قال بعض العارفین لولا امرہ سبحانہ بقرءۃ ایاك نعبد وایاك نستعین لما قرءتہ لعدم مقامی فی مقام حقیقۃ الاخلاص فی العبودیۃ وتخصیص الاستعانۃ فی العبادۃ وغیرھا من الحضرۃ الربوبیۃ ولعلہ علیہ السلام فی نحو ھذا المقام قال لا اُحصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علی نفسك وکان یستغفر بعد فراغ العبادۃ ایماءً الی انہ مقصر فی اداء حق الطاعۃ (شرح فقہ اکبر ص‌‌‌‌ؔ)

اور جس لائق خدا تعالےٰ ہے۔ ولیکن بندہ خدا کے حکم سے اسکی عبادت کرتا ہی۔ ملا علی قاری نے شرح میں لکہا ہی اور چونکہ خدا کی عبادت جیسے کہ چاہیئے ادا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اگر خدا کا یہ حکم نہ ہوتا کہ تم نماز میں ایاك نعبد وایاك نستعین پڑہ لیا کرو تو میں نماز میں یہ کلمہ نہ پڑہتا۔ کیونکہ میں عبودیت کو خالص خدا کے لئے کرنی اور مدد چاہنے کو عبادات میں ہو یا اور کاموں میں خدا تعالےٰ کیلئے مخصوص کرنے کے اصلی مقام میں کھڑا نہیں ہوتا۔ شاید اسی مقام میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ لا اُحصی ثناءً علیك۔ اور اسی وجہ سے آپ نے بعد نماز استغفر اللہ کہا ہے۔ اس اشارہ سے کہ میں خدا کی حق اطاعت سے جیسا کہ چاہیئے تقصیر وارد ہوں۔

باب خوف المؤمن ان یحبط عمله وھو لا یشعر قال ابراھیم التیمی ما عرضت قولی علی عملی الا خشیت ان اکون مکذبا الخ (بخاری ص۱۲)

صحیح بخاری کے صفحہ (۱۲) میں اس مضمون کا ایک باب منعقد کیا ہے۔ کہ مومن اپنے اعمال کے بیکار ہو جانے سے ڈرتا رہتا ہے پھر ابراہیم تابعی سے نقل کیا کہ مینے اپنے قول کا اپنے عمل سے مقابلہ و موازنہ کرکے دیکھا تو مجھے ڈر لگا کہ میں اس قول میں جھوٹا ہو رہا ہوں۔ یعنے اسلئے کہ جو کہتا ہوں سو کرتا نہیں ہوں۔ پھر اس مضمون کے بہت سے اقوال امام بخاری نے نقل کئے ہیں

ان **مؤیدات** کے خاتمہ پر ہم حضرت فخر الدین عراقی کی غزل کے دو بیت نقل کرتے ہیں۔ جسکو وہ کعبہ معظمہ کی گلیوں میں رو رو کر پڑھتے پھرتے۔ اور اپنی نماز اور طواف کعبہ کو اس محویت کی کمی سبب بیکار قرار دیتے۔ آپ فرماتے۔ ؎

بزمیں چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد ٭ کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی ٭
بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند ٭ کہ بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی ٭

ان مؤیدات کو انصاف کی نگاہ سے دیکھنے اور غور و فکر کے ساتھ پڑھنے سے عیسائیوں کو معلوم ہو سکتا ہے کہ علماء کرام نے جو توجیہات و تاویلات آنحضرت کے استغفار پڑھنے اور توبہ کرنے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرنے اور اون کی معافی چاہنے اور اوس میں خدا کی طرف سے مامور ہونے کے متعلق بیان کی ہیں وہ عین تعلیم الٰہی و حال و قال آنحضرت کے مطابق اور اسی سے مستنبط ہیں۔ علماء نے از خود وہ باتیں نہیں بنائیں۔ اور وہ توجیه القول بما لا یرضی به قائله اور مثل "پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند" کا مصداق نہیں ہیں۔ اور درحقیقت و فی الواقعہ آنحضرت سے کوئی گناہ ایسا نہیں کیا۔ جسمیں امر و نہی کا خلاف پایا گیا ہو یا کسی عام اصول اخلاق کا خلاف ہو بلکہ آپ نے بعض امور اولے و افضل کی ترک ہو جانے یا بعض

سیئات کے جو عام مسلمانوں کے حق میں حسنات متصور ہوں عمل میں لانے سے یا کسی وقت اسباب دنیا کیطرف خیال و توجہ ہو جانے یا خدا کی یاد یا محویت میں کمی ہو جانے کو (وعلے ہذا القیاس) گناہ قرار دیا ہے اور اس سے استغفار کیا۔ ان ہی باتوں کو اپنے پچھلے اور کھلے اور چھوٹے اور بڑے۔ اور اگلے پچھلے گناہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس تعبیر و اعتراف تقصیر میں اپنا کمال درجہ اتقا و خشیت اللہ کا ثبوت دیا ہے۔

افسوس مسٹر اکبر مسیح نے ان احادیث کو ایک اردو میں مترجم کتاب حدیث میں دیکھ کر اون سے آنحضرت کے گناہ گاہونے پر تمسک کیا۔ اور اس اعتراف کو "من آنم کہ من دانم" کا مصداق قرار دیا۔ اور علماء کی توجیہات و تاویلات کو معتقدانہ تعریفات و بے جا خوشامد خیال کیا۔ اور ان موجبات و تاویلات کے شواہد موئیدات کو نہ دیکھا۔ وہ بیچارے دیکھتے تو کہاں اور کیا دیکھتے۔ مثل مشہور ہے۔ صاحب البیت ادری بما فیہ اپنے گھر کی بات گھر والا ہی جانتا ہے۔ غیر جو دروازہ یا کھڑکی کے آگے سے گذر گیا کیا جانے اور کیا دیکھے۔ لیکن مسٹر اکبر مسیح کے دعوے بے تعصبی اور حق جوئی کی نظر سے اگر وہ دعوے سچا اور دل سے ہے۔ ہمکو امید ہے کہ ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر وہ اپنے اس خیال کو واپس لینگے۔ اور یقیناً جان جائیں گے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اون کے اعتراف گناہ سے اونکا بے گناہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

صفحہ (۲۵) سے اسمقام تک حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر نکتہ چینی کی مخالفین کا جواب ادا ہوا ہے جس سے بخوبی ثابت ہوا کہ جن آیات یا احادیث یا واقعات سے اسلام کے نادان دوست (منکرین عصمت) یا مخالفین اسلام جملہ انبیاء یا خاصکر خاتم المرسلین کی عصمت کا خلاف ثابت کرتے ہیں اون سے عصمت کا خلاف ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض متمسکات سے ان حضرات کی عصمت کا ثبوت

ملتا ہے۔

ومعہذا ہم اس عصمت کے ثبوت اور ضرورت پر اسمقام میں چند عقلی ونقلی دلائل بھی بیان کرتے ہیں۔ جنکے بیان کا وعدہ صفحہ (۲۵) میں کرچکے ہیں۔

معتزلہ اس عصمت کی عقلی دلیل یہ بیان کرتے ہیں (چنانچہ تفسیر کبیر وشرح مواقف میں بیان ہوا ہے) کہ اگر انبیاء سے عمداً کبیرہ گناہوں کا صادر ہونا جائز ہو تو اس سے انبیاء کی ہیبت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے اور اون کا رتبہ لوگوں کی نگاہوں میں گر جائے۔ اور کوئی اون کی پیروی نہ کرے اور اس سے خلقت کو بگاڑنا اور اون کی اصلاح نہ کرنا لازم آوے۔ اور یہ امر خدا تعالے کی حکمت اور عقل کے مخالف ہے۔

لان صدور الکبائر عنهم عمدًا یوجب سقوط هیبتهم عن القلوب وانحطاط رتبتهم فی اعین الناس فیودی الی النفرة عنهم وعدم الانقیاد لهم ویلزم منه افساد الخلائق وترک استصلاحهم وهو خلاف العقل والحکمة۔

(شرح مواقف ص ۶۸۹)

اسلئے انبیاء سے صدور کبائر محال ہے۔

ہم اہل سنت اس دلیل کو اس پیرائیہ میں ادا کرتے ہیں کہ حق تعالے نے قرآن میں فاسقوں کے قول کو جو اوس کے برخلاف عمل کرتے ہوں بے اعتبار ٹھیرایا ہے۔ اور اوسپر آیات منقولہ حاشیہ میں رد وانکار ظاہر کیا۔ اور فرمادیا ہے کہ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو۔ اور اپنی جانوں کو بھول رہے ہو۔ اور فرمایا اے مدعیان ایمان وہ بات کیوں کہتے ہو جو

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون (بقرہ ع ۵)

یاایها الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون (صف ع ۱)

خود نہیں کرتے۔ پس اگر انبیاء ان فواحش اور گناہوں کے عمداً خود مرتکب ہوں جنسے وہ وہ لوگوں کو منع کرتے ہون تو اونکا قول بے اعتبار ہو جائے۔ اور اون کی دعوت وتبلیغ بے اثر ٹھیرے۔ وہ لوگ ان ہی آیتوں سے اون کو مخاطب کریں۔ جنسے خدا نے اون فاسقوں کو مخاطب کیا ہے۔ لہذا انبیاء کی شان کو شایان نہیں ہے کہ وہ عمداً گناہ کریں۔ جو شخص خود گمراہ و فاسق ہوگا وہ دوسروں کو کیا خاک ہدائیت کرے گا۔ ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند؛

یہ عقلی دلیل ہے جو نقل اور سمع سے بھی مستند ہے۔ **نقلی دلائل** امام رازی نے تفسیر کبیر میں سولہ ۱۶ بیان کئے ہیں۔ ہم اسمقام انہیں سے بعض کا خلاصہ نقل کرتے ہیں **پہلی دلیل** یہ کہ اگر انبیاء گناہ کریں۔ تو وہ امت کے گنہگاروں سے زیادہ

احدها لو صدر الذنب عنهم لکانوا اسوء درجة من عصاة الامة وذلك غير جائز بيان الملازمة ان درجة الانبياء كانت في غاية الجلال والشرف وكل من كان كذلك كان صدور الذنب عنه افحش الا ترى الى قوله يا نساء النبي من يأت منكن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين والمحسن يرجم وغيره يجلد +

وثانيها ان بتقدير اقدام على

سزاء پانے کے سبب کم درجہ ہو جائیں۔ کیونکہ بڑوں کو گناہ کی سزاء زیادہ ملتی ہے دیکھو آنحضرت کی بیبیوں کو کہا گیا کہ بیحیائی کروگے تو تمکو دُگنا عذاب ہوگا۔ اور اگر صاحب زوج زنا کرے تو اوسکو سنگسار کیا جاتا ہے۔ رنڈوا کرے تو صرف اوس کو کوڑے لگتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ کہ فسق کرنے کی حالت میں وہ لائق شہادت نہیں رہتے چنانچہ قرآن میں حکم ہے کہ فاسق کی گواہی کی تحقیق کرو۔ اور نبی بھی تبلیغ احکام میں گواہ ہوتا ہے۔ کہ خدا نے یہ حکم دیا ہے

الفسق وجب ان لایکون مقبول الشہادۃ بقولہ تعالیٰ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ولا معنے للنبوۃ والرسالۃ الا انہ یشہد علی اللہ تعالیٰ بانہ شرع ہذا الحکم۔

سادسہا انہ لو صدرت المعصیۃ من الانبیاء لکانوا مستحقین للعذاب واللعنۃ بقولہ ومن یعص اللہ الخ ولالعنۃ اللہ الخ واجمعت الامۃ علی ان احدا من الانبیاء لم یکن مستحقا للعن ولا لعذاب۔

تاسعہا قولہ تعالیٰ وانہم عندنا لمن المصطفین الاخیار وہذا یتناول جمیع الافعال والتروک وذلک ینافی صدور الذنب عنہم۔

عاشرہا انہ تعالیٰ حکی عن ابلیس قولہ فبعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین۔

الثالث عشر ان الرسول افضل من الملک لقولہ تعالیٰ ان اللہ

پھر وہ فاسق ہوا تو اوس کی نبوت اور شہادت احکام کہاں باقی رہے۔

چھٹی دلیل یہ کہ نبی گنہگار ہوتے تو مستحق عذاب ولعنت ہوتے۔ کیونکہ قرآن میں نافرمانوں کو عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ اور ظالموں کو لعنت کہی گئی ہے۔ حالانکہ کسی نبی کو نہ عذاب ہے نہ لعنت۔

نویں دلیل یہ کہ خدا نے انبیاء کو چیدہ اشخاص قرار دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک فعل و ترک فعل میں چیدہ ہیں۔ اور یہ امر گنہگار ہونے کے مخالف ہے۔

دسویں دلیل یہ ہے کہ شیطان سے خدا تعالےٰ نے نقل کیا ہے۔ کہ اوس نے کہا میں تیرے مخلص بندوں کو نہ بہکاؤنگا اور نبیوں سے مخلص کون ہے۔

تیرہویں دلیل یہ ہے کہ۔ رسول فرشتوں سے افضل ہے۔ چنانچہ دلیل اس کی بیان ہو چکی ہے۔ اور جب فرشتے خدا کا گناہ نہیں کرتے تو رسول کیونکر گنہگار ہو سکتے ہیں۔

سولھویں دلیل یہ کہ خدا تعالےٰ نے

اصطفٰی آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العلمین۔ وتقدم وجہ الاستدلال والملائکۃ لا یعصون اللہ
السادس عشر قولہ تعالٰی لاینال عھدالظلمین والمراد بھذا العھد عھد النبوۃ اوعھد الامامۃ
(تفسیر کبیر جلد اول ۴۵۸ وغیرہ)

نے فرمایا ہے میرا عہدہ نبوت یا امامت ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ پس اگر نبی ظالم ہوتے تو اس عُہدہ پر کیوں کر مامور رہتے۔

یہ دلیلیں اور جو دلائل اس عصمت انبیاء پر اور قائم کی گئی ہیں۔ وہ انبیاء کے نسیان وخطا (جبیر انبیاء قائم نہ رہیں فوراً متنبہ وآگاہ کیے جاویں) کی تجویز پر (جو اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے) عاید وقایم نہیں ہوتے۔ کیونکہ خطا وسہو ونسیان پر مخلوق کی جسکا کمال غیر ذاتی وعلم محدود ہو بناوٹ اور فطرت میں داخل ہے۔ جسکا کبھی نہ کبھی صدور ناگزیر ہے۔ اور اس سے بچنا مشکل ومتعذر ہے۔ لہٰذا وہ نہ موجب بے اعتباری وکمی درجہ ہے۔ نہ مثبت فسق وظلم وعصیان نہ مستلزم عذاب ولعنت بلکہ وہ داخل عفو وبخشش ہے۔ چنانچہ خدا تعالٰے اپنے بندوں کو القا وارشاد فرمایا ہے۔ کہ وہ اوسکی جناب میں درخواست کریں کہ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا خطا کریں تو تو ہم پر مؤاخذہ نہ کریو۔ اور پھر اسکا جواب بھی سُنا دیا۔ کہ میں نے قبول کیا۔ اور ایسا ہی کرونگا۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا (بقرہ۔ ع۔)
فانزل اللہ تعالی ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا اواخطانا قال فعلت (صحیح مسلم ص۷۸ ومثلہ فی البیضاوی ص۱۲۸ فتح البیان ص۳۴۹ ومعالم ص۱۴۲)

اور اس خطا کے صدور سے حضرات انبیاء کا فرشتوں سے درجہ اور رتبہ کم بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ فرشتے بھی اس خطا سے نہیں بچے

واذ قلنا للملائکة انی جاعل فی الارض
خلیفه قالوا اتجعل فیها من یفسد
فیها ویسفك الدماء ونحن نسبح
بحمدك ونقدس لك قال انی اعلم
مالا تعلمون وعلم ادم الاسماء
کلها ثم عرضهم علی الملئکة فقال
انبئونی باسماء هؤلاء ان کنتم
صادقین ۰ قالوا سبحانك لا علم
لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم
الحکیم ۰ قال یادم انبئهم باسمائهم
فلما انبأهم باسمائهم قال الم
اقل لکم انی اعلم غیب السموات و
الارض واعلم ما تبدون وما کنتم
تکتمون ۔ (بقرہ ۔ ع ۴ ۔)

یسفك الدماء تعجب من ان یستخلف
لعمارة الارض واصلاحها من یفسد
فیها او یستخلف مکان اهل الطاعات
اهل المعصیة واستکشاف عما
خفی علیهم من الحکمة التی بهرت تلك
المفاسد والغتها واستخبار عما یرشدهم
ویزیح شبهتهم کسوال المتعلم لمعلمه

جب خدا تعالے نے اون سے کہا کہ
میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں
تو وہ اسوجہ سے کہ اون کے علم کا
غیر ذاتی اور محدود تھا۔ ذاتی اور
وسیع نہ تھا۔ (نہ اسوجہ سے کہ وہ تکبر یا
حسد میں مبتلا ہو گئے۔ یا قول خداوندی
کے برخلاف مرتکب عصیان ہوئے)
یہ بول اٹھے کہ کیا ایسے شخص کو خلیفہ
بناتا ہے جو اپنے قوائے شہوانیہ
وغضبیہ کے تقاضے سے زمین میں فساد
کرے گا۔ ہمکو کیوں خلیفہ نہیں بناتا
جو تیری تقدس وتنزیہہ کے سوا کچھ
نہیں کرتے۔ اور فساد وعصیان کے
اسباب قوائے شہوانیۃ وغضبیہ اور
اوسکا مادہ ہی نہیں رکھتے۔ اور
دل میں یہ خیال کر بیٹھے۔ کہ اگر خدا نے
آدم کو خلیفہ کیا تو وہ ہمارے جیسا
مطیع کب ہوگا۔ اور اوس کو ہم
متقدمین تلامذہ حق کے برابر علم جلد
کیونکر حاصل ہوگا۔
پھر جب خدا تعالے نے فرشتوں کے

وعما یختلج فی صدرہ ولیس باعتراض
علی اللہ ولا طعن فی بنی آدم علی وجہ
الغیبۃ فانہم اعلی من ان یظن بہم
ذلک لقولہ تعالی بل عباد مکرمون
لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ
یعملون۔

وَنُقَدِّسُ لَکَ والمعنی التستخلف عصاۃ
ونحن معصومون احقاء بذلک والمقصود
منہ الاستفسار عما رجحہم مع ما ہو
متوقع منہم علی الملائکۃ المعصومین
فی الاستخلاف لا العجب والتفاخر و
کانہم علموا ان المجعول خلیفۃ ذو
ثلث قوی علیہا مدار امرہ شہویۃ
وغضبیۃ تودیان بہ الی الفساد وسفک
الدماء وعقلیۃ تدعوہ الی المعرفۃ
والطاعۃ ونظروا الیہا مفردۃ وقالوا
ما الحکمۃ فی استخلافہ وہو باعتبار
تینک القوتین لا تقتضی الحکمۃ ایجادہ
فضلا عن استخلافہ واما باعتبار القوۃ
العقلیۃ فنحن نقیدہ ما یتوقع منہا
سلیما عن معارضۃ تلک الفاسدۃ فخفلوا

خیال کا خطا ہونا ثابت کر دیا۔ اور
آدم علیہ السلام کا بعض اشیاء کے
علم میں فرشتوں سے فائق ہونا
ظاہر فرمایا۔ اور یہ بھی اون کو جتا دیا
کہ یہ آدم باوجود فراہمت قوائے
شہوانیہ وغضبیہ کے اپنی قوت عقلیہ کو ایسا
غالب کرے گا کہ اوسمیں وہ فرشتوں
سے جو قوائے شہوانیہ وغضبیہ نہیں
رکھتے اور وہ مجبورًا وبلا اختیار عصیان
سے پاک ہیں سبقت لیجائے گا۔
تو اوسوقت انہوں نے اپنے خطا و
عجز کا خود اعتراف کیا۔ کہ حضور الٰہ
العالمین تو اس غلط خیال سے جو
ہمنے تیرے فعل تیری مخلوق کی
نسبت کیا تھا پاک ہے۔ ہمارا
علم محدود اور اسیقدر تھا جسقدر
تو نے ہم کو عطا کیا تھا۔ ہم نے
اس علم سے نتیجہ نکالنے میں دھوکا
کھایا۔ اور اب معلوم کیا کہ آدم
کو خلیفہ بنانے میں تو نے بڑی
حکمت ظاہر کرنے والا ہے۔ اور

عن فضیلۃ کل واحدۃ من القوتین اذا صارت مھذبۃ مطواعۃ للعقل متمرنۃ علی الخیر کالعفۃ والشجاعۃ ومجاھدۃ الھوی والانصاف ولم یعلموا ان الترکیب یفید ما یقصر عنہ الاحاد کالاحاطۃ بالجزئیات واستنباط الصناعات واستخراج منافع الکائنات من القوۃ الی الفعل الذی ھو المقصود من الاستخلاف والیہ اشار تعالی اجمالا بقولہ قال انی اعلم ما لا تعلمون۔

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا باعتراف بالعجز والقصور واشعار بان سوالھم کان استفسارا ولم یکن اعتراضا وانہ قد بان لھم ما خفی علیھم من فضل الانسان والحکمۃ فی خلقہ واظھار لشکر نعمتہ بما عرفھم وکشف لھم ما اعتقل علیھم ومراعات للادب بتفویض العلم کلہ الیہ۔

مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ وفیہ تعریض بمعاتبتھم علی ترک الاولی وھو ان یتوقفوا مترصدین لان یبین لھم وقیل ما تبدون قولھم اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء وما یکتمون استبطانھم انھم احقاء بالخلافۃ وانہ تعالی لا یخلق خلقا افضل منھم (بیضاوی صفحہ ۴۴-۴۵-۴۶)

بے شک تو خوب جاننے والا ہے۔

اس کے جواب میں خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے بطور تعریض ایک عتاب ہے۔ کہ کیوں انہوں نے بیان حکمت استخلاف آدم تک صبر نہ کیا اور کیوں اپنے دل میں یہ غلط خیال کر لیا کہ اگر خدا نے آدم کو خلیفہ بنایا تو وہ ہمارے برابر عالم و افضل نہ ہو گا۔

خدائے تعالیٰ کے ملائکہ کے اقوال مذکورہ کی تفسیر بیضاوی و تفسیر جلالین وغیرہ میں یہی مطلب و مقصود بیان کیا ہے۔ جو معروض ہوا

ان الذین اعتقدوا ان الملائکة
اتوا بالمعصیة فی قولهم اتجعل
فیها قالوا انهم لما عرفوا خطأهم
فی ذلک السوال رجعوا تابوا واعتذروا
عن خطائهم لقولهم سبحانك
لا علم لنا الخ (تفسیر کبیر صـ۲۲۳ جلد ۱)

تفسیر کبیر میں منکرین عصمت ملائکہ سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ اعتراف وعذر ملائکہ سے انکا گنہگار ہونا نکالتے ہیں پھر اس اعتراف وعذر کے ایسے معانی بیان کئے ہیں جنسے اونکا صرف خطا کار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نہ گنہگار ہونا۔

بالجملہ ملائکہ کے اس قول سے اُن کی خطا ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ خطاء عصمت کی منافی ومخالف نہیں ہے۔ لہذا حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں نسیان وسہو وخطا کی تجویز سے اونکا رتبہ ملائکہ سے کم نہیں ہوتا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ جو اشکالات ومحذورات عقلیہ والزامات نقلیہ انبیاء کو گنہگار فرض و تسلیم کرنے پر عاید ہوتے ہیں وہ اون کے سہو وخطا کی تجویز پر وارد نہیں ہوتے اور خطا ونسیان سہو کسی نقص کا موجب واعتراض محل نہیں ہے۔ ہاں اگر خطا و نسیان پر انبیاء متنبہ نہ کئے جاتے۔ اور لوگ اوسی خطا میں اون کی پیروی کرتے تو یہ امر ہدایت اور منصب نبوت کے مخالف تھا۔ مگر ایسا ہرگز وقوع میں نہیں آیا۔ جہاں کسی نبی سے سہو وخطا واقع ہوئی اوسپر اون کو فوراً آگاہی ہوئی۔ خواہ خدائے تعالےٰ کی طرف سے یا اون کے دل سے یا غیر کے بتانیسے۔ عدد رکعات یا افعال نماز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سہو واقع ہوا تو

مالك انه بلغه عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال انی
لانسیٰ او انسّی لاستن (موطا مالک صـ۳۵)

آنحضرت کو لوگوں نے بھی آگاہ کردیا۔ اور ادہر خدا تعالےٰ کے اعلام سے اون کو یقین سہو ہوگیا۔ تو آپ نے سجدہ سہو کیا

اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ میں اسلئے بھولتا ہوں (یعنی مجھسے سہو بلا قصد وقوع میں آتا ہے) یا یوں فرمایا کہ بھلایا جاتا ہوں (یعنی خدا کیطرف سے یہ غیر قصدی فعل وقوع میں آتا ہے) کہ یہ طریق بھی جاری کروں یعنے اور بھولنے والوں کے لئے راہ نکالوں کہ وہ نماز میں بھولیں تو کیا کریں۔

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں کہا ہے۔ کہ مجوزین سہو آنحضرت کا

اتفق من جوز ذلك على انه لا يقر عليه بل يقع له بيان ذلك اما متصلا بالفعل او بعده كما وقع في هذا الحديث وفائدة جواز السهو في مثل ذلك بيان الحكم الشرعي اذا وقع مثله لغيره (نیل الاوطار ص ۳۵۸ جلد ۲)

اسپر اتفاق ہے۔ کہ آنحضرت اس سہو پر قائم نہیں رہے۔ بلکہ آگاہ کئے گئے ہیں اور اس سہو کا یہی فائدہ ہے کہ ایسے واقعات کا حکم شرعی بیان ہوا۔ اسصورت میں یہ خطا بھی ایک ہدایت ٹھہری۔ جس سے ایک شریعت معلوم ہوئی۔ اور یہ خطا مقرون بہ اطلاع بھی گویا ایک نوع کی عصمت ہوئی نہ خلاف عصمت۔

شائد سہو و خطا و نسیان کے لائق بخشش و محل عفو قرار دینے پر کوئی یہہ اعتراض کرے کہ اسصورت میں حضرت آدم کے نسیان حکم ممانعت قرب شجرہ پر عتاب کیوں ہوا۔ اور حضرت موسے کے خطا قتل قبطی پر اس فعل کو ظلم کیوں کہا گیا۔ اسکا جواب بارہا دیا گیا ہے۔ کہ ان حضرات کی علو شان اور بلند مکان کی نظر سے جس میں بحکم حسنات الابرار سیئات المقربین بعض نیکیاں بدیاں متصور ہو جاتی ہیں۔ چہ جائے خطا و نسیان کہ یہ تو ایک قسم کے تقصیرات ہیں گو لائق عفو ہیں۔

عصمت انبیاء کا ثبوت کمال اور اختتام کو پہنچا۔ اور شبہات و استدلات منکرین عصمت کا جواب بھی کافی وشافی ادا ہوا۔ اب ہم عیسائیوں

سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اور اس امر میں نظر کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کی عصمت بھی اسی معنے کر اور اسیقدر ثابت و مسلم ہے۔ جسقدر اور جس معنے کر اور انبیاء کی (جیسا کہ اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔) یا اس عصمت میں حضرت مسیح کو اور انبیاء پر فوقیت و مزیت ہے جیسا کہ عیسائی خیال کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ مسٹر اکبر مسیح توحیدی عیسائی نے اپنے خط ۲۸۔ نومبر ۱۸۹۵ء (مندرجہ کشف نمبر ۵ جلد ۲ صفحہ ۴۷۔) یہ کہا ہے کہ میرا پہلا دعوے یہ ہے۔ کہ خداوند مسیح معصوم محض تھے نہ اون سے کوئی خطا ہوئی نہ نسیان نہ وہ کسی ذنب کے مرتکب ہوئے۔ نہ ترک اولے کی۔ ہر ایک لغزش سے وہ پاک تھے۔"

اور خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء (مندرجہ کشف نمبر ۲ جلد ۲ صفحہ ۴۷) میں یہ دعوے کیا ہے۔ کہ قرآن نے اور محمد صاحب نے مسیح کی فضیلت کو یہ کہکے کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے تسلیم کیا ہے۔

اور خط ۷ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ نمبر ۶ و ۷ جلد ۲ کشف میں ان دعاوی پر چار دلائل پیش کئے ہیں جنکو ہم اون ہی الفاظ سے بلا حذف و اختصار نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ اون پر ہم کو بہ تفصیل کلام کرنا منظور ہے۔ آپ لکھتے ہیں "میں اس امر کی تسلیم کرتا ہوں کہ عدم عصمت انسان کو ایسی عارض ہو گئی کہ ہم کو کوئی شخص معصوم نہیں ملتا۔ باستثنا مسیح کے جس نے اپنی عصمت کو خدا کے فضل سے حقیقت میں پورے طور سے نگاہ رکھا۔ دلیل اسکی موافق دین محمدی کی یہ ہے

(۱) باوجودیکہ انبیاء اولوالعزم جنکی تاریخ یا حالات قرآن میں قلمبند ہیں مثلاً آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسے۔ یا اور انبیاء مثل داؤد۔ سلیمان۔ ایوب یوسف۔ یونس وغیرہ کے سب نے ضرور سمجھا۔ کہ اپنے خطا و ذنب سے اپنے پروردگار

کے روبرو توبہ کریں یا اپنے گناہوں کا اقرار کریں۔ صرف مسیح ایک نبی ہے جسکے حالات قرآن میں ہمکو مشرح ملتے ہیں۔ مگر تاہم کسی ایک مقام پر بھی کوئی حرف نہیں جس سے ثابت ہو کہ وہ اپنے تئیں خاطی یا عاصی جانتے ہیں۔ یا خدا سے اُنہوں نے خطا کی معافی چاہی یا خدا نے کوئی وعدہ مغفرت یا عفو کا اون سے کیا۔ استغفار کی ہدایت کی اور اسحالت کے لحاظ سے وہ بالکل فرشتوں کی مانند ہیں۔ جنکو نہ کوئی ضرورت ہے کہ وہ خواستگار عفو کے ہوں کیونکہ کسی خطا کا سرزد ہونا اون سے ثابت نہیں نہ خدا کا کوئی وعدہ اون کی بابت مغفرت کا ہے۔ پس اس دلیل منفی سے عصمت مسیح اوسی طرح ثابت ہوتی ہے جسطرح عصمت ملائکہ۔ اسوجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں "کان عیسی علیہ السلام کانہ ملک یمشی علی وجہ الارض"۔ "عیسے علیہ السّلام گویا فرشتے تھے جو زمین پر چلتے تھے۔ (تاویل الاحادیث)

(٢) نص قرآن ہے کہ مادر مقدسہ مریم نے خدا سے دعا کی "انی سمیتہا مریم وانی اعیذہا بک وذریتہا من الشیطن الرجیم ۰ فتقبلہا ربہا بقبول حسن"۔ "یعنے اوسکا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اوسکو اور اوسکی اولاد کو شیطان مردود سے۔ پھر قبول کیا اوسکو اوسکے رب نے اچھی طرح کا قبول (آل عمران۔ ع ٤) مقدسہ مریم اور اوس کی اولاد شیطان سے اللہ کی پناہ میں سونپی گئی۔ اور اللہ نے قبول کر لیا۔ اسکے معنے صاف ہیں کہ مریم اور حضرت مسیح شیطان یعنے گناہ سے مطلقاً محفوظ ہوئے اونکی حفاظت کا کفیل خود خدا ہے۔ اور عصمت اور معصومیت کے یہی معنے ہیں تمام مفسرین قرآن آیت کے اس معنے پر متفق ہیں اور یہ روشن ہے کہ اسطرح محفوظ شیطان سے ہونا کسی اور کا قرآن سے ناپیدا ہے۔ پس ہم مسیح کی عصمت پر

اوسکو نص قطعی گردانتے ہیں۔

(۳) قرآن کے معارضہ میں حدیث کو کوئی وقعت نہیں پر تاہم قرآن کی تائید میں حدیث کو بھی ہم پیش کرتے ہیں خصوصاً اس حال میں کہ وہ ہمارے مخاطبین کی مسلمہ ہیں اور ایسی مشہور و معروف حدیث مسلم و بخاری کی کہ ہر مفسرین قرآن نے آیت متذکرہ کی تفسیر میں اون کو پیش کیا ہے "ما من مولود یولد الا یمسہ الشیطان حین یولد فیستہل من مسہ الا مریم و ابنہا" "کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ مگر کہ اوسکو شیطان وقت تولد کے چھوتا ہی پس وہ چلاتا ہے۔ اوسکے چھونے سے مگر مریم اور اوسکا بیٹا۔ اور بیضاوی آیت قرآن اور حدیث دونو کے معنے یہ بیان کرتا ہے کہ "ومعناہ ان الشیطان یطمع فی اغواء کل مولود بحیث یتاثر منہ الا مریم وابنہا فان اللہ عصمہما ببرکۃ ہذہ الاستعاذۃ" "اور معنے اسکے یہ ہیں کہ تحقیق شیطان طمع کرتا ہے بیچ اغوا ہر بچہ کے بایں طور کہ مؤثر ہو۔ اوس سے مگر مریم اور اوسکا بیٹا۔ اللہ نے محفوظ کیا دونوں کو ببرکت استعاذہ یعنے دعا کے اور اس معنے پر دیکھو تحفۃ الاخیار حدیث نمبری ۹۲۷۔

(۴) ایک اور حدیث ہے بخاری اور مسلم کی۔ میں اسجگہ اوسکو تحفۃ الاخیار سے نقل کرتا ہوں۔ (پھر وہ حدیث شفاعت نقل کی جس میں پیغمبروں کا اپنے گناہوں کو یاد کر کے لائق شفاعت ہونے سے انکار کرنا بیان ہوا ہے۔) اس کے بعد کہا ہے کہ اب جائے غور ہے کہ ان پیغمبروں نے جنکو اہل قرآن اولوالعزم مانتے ہیں ہر ایک قیامت کے روز اپنے اپنے خطاؤں کو یاد کرتا ہوا اپنے رب سے اونکے باعث شرماویگا۔ اس گروہ میں صرف ایک عیسیٰ روح اللہ و کلمۃ اللہ ہے جس کی کوئی خطا نہیں کہ وہ یاد کرے۔ اور اوس کے باعث اپنے رب سے شرماوے

اون کا کوئی گناہ اپنا نہیں کہ اوسکا ذکر کریں۔ وہ حضرت محمدؐ صاحب کے اگلے اور پچھلے گناہوں کا مذکور کرتے ہیں۔ اور یہ کچھ قیامت کے منطق کی خامی ہے کہ جسنے گناہ کئے ہوں وہ درجہ شفاعت پاوے اسوجہ سے کہ گناہ اوس کے معاف ہوئے۔ (حالانکہ گناہ تمام اہل بہشت کے معاف ہونگے) اور وہی محروم رہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔ گویا عصمت بھی خطا ٹھری"۔

اس دعوے اور اوس کے دلائل اربعہ کے جواب میں ہم خدا کی توفیق و تائید سے کہتے ہیں کہ اس دعوے کی بحسب تصریح مسٹر اکبر مسیح (بصفحہ ۴۳ و ۱۰۱ و ۱۱۱ کشف الحقائق) دو جزء ہیں اوّل یہ کہ حضرت مسیح ایسے معصوم مطلق ہیں کہ اُنسے خطا بھی سرزد نہیں ہوئی۔ اور یہ فضیلت مسیح کی قرآن نے اور آنحضرت نے تصریح کے ساتھ تسلیم کی ہے۔

دوسرا جزء یہ کہ اور کوئی نبی معصوم نہیں۔ سب کے سب خطا کار و گنہگار ہیں۔

اور جو دلائل اربعہ مسٹر اکبر مسیح نے پیش کئے ہیں وہ اون کے اس دعوے کی پہلی جزء کے دلائل ہیں۔ اور دوسری جزء کے دلائل انہوں نے وہ پیش کئے ہیں جنکے جوابات ہم بہ تفصیل دیکھچکے ہیں یعنے آنحضرت کا استغفار کرنا اور اس استغفار سے منجانب اللہ مامور ہونا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا وعلے ہذا القیاس۔

اس مقام میں ہمکو صرف ان کے اون ہی دلائل اربعہ میں نظر کرنا باقی ہے جو اپنے جزء اوّل دعوے مذکور کے دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں۔

اون کی پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ قرآن میں اور سب نبیون کے خطاؤں اور گناہوں کے اقرار اور توبہ کے اظہار و استغفار کا ذکر ہے۔ صرف ایک مسیح کے خطا یا استغفار کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ فرشتوں کے مانند ہیں نہ اون سے خطا ہوئی نہ اون کو استغفار و توبہ کی ضرورت پڑی۔ اسوجہ سے

شاہ ولی اللہ صاحب نے تاویل الاحادیث میں اون کے حق میں کہا ہے۔ کہ گویا وہ فرشتے تھے جو زمین پر چلتے تھے۔ اور یہ دلیل دلیل منفی کہلاتی ہے"۔

اس دلیل کے جواب میں بڑی محبت و دلی اخلاص کے ساتھ مسٹر اکبر مسیح کو کہا جاتا ہے کہ دعوے تو آپ کا یہ تھا کہ قرآن نے اور آنحضرت نے تصریح کے ساتھ یہ کہکے کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے مسیح کی فضیلت تسلیم کی ہے۔ اور یہ دلیل آپ ایسی لائے ہیں جسمیں مسیح کی عصمت پر قرآن اور رسول کی کوئی تصریح نہیں ہے تو اون کے خطا و استغفار کے ذکر و اظہار سے سکوت ہے جسکو آپ دلیل منفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور سکوت محض کو یا بقول آپ کے دلیل منفی کو کوئی دانشمند یا منطقی جسکو منطق یا مناظرہ میں اونے مداخلت ہو تصریح نہیں کہہ سکتا۔ لہذا آپ کی دلیل آپ کے دعوے کی مثبت نہیں۔ اور آپ کی تقریب تمام نہیں ہوئی۔

اسکے جواب میں اگر آپ یہ کہیں کہ ہم صرف انگریزی خواں ہیں عربی منطق نہیں جانتے اسوجہ سے ہم سکوتی دلیل (یا بقول خود منفی دلیل) کو تصریح کہہ بیٹھے ہیں اور اس کی نسبت غلطی سے خط ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں یہ دعوے کر بیٹھے ہیں کہ قرآن نے اور محمد صاحب نے یہ کہکے کہ حضرت مسیح معصوم مطلق تھے۔ فضیلت مسیح کو تسلیم کیا ہے"۔ اور دراصل ہم کو یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ قرآن مجید اور آنحضرت مسیح کے گنہگار ہونے اور استغفار کرنے کے ذکر و اظہار سے ساکت ہیں۔ اون کا یہ سکوت اس فضیلت و معصومیت کی دلیل ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس سکوت قرآن و آنحضرت کو حضرت مسیح کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بہت سے انبیاء اور ہیں جنکا قرآن میں مشرحاً ذکر ہے۔ اور معہذا اونکے خطا و استغفار کا ذکر نہیں ہے چنانچہ صفحہ ۱ میں ہم اس امر پر تصریح کر چکے ہیں۔ لہذا یہ سکوت (یا بقول آپ کے دلیل منفی) آپ کے دعوے خصوصیت و فوقیت مسیح کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اسوجہ سے

خاکسار نے اپنے خط مورخہ ۱۵ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۲ جلد ۲ میں عرض کیا تھا کہ آپ کی دلیل آپ کے دعوے کی مثبت نہیں جسکو آپ نے نہ مانا۔ اور اوس کی وجہ بیان کرنے پر مجبور کیا۔ اب تو آپ نے وجہ سن لی۔ اب بھی اس دلیل کو واپس لیں گے یا کچھ کسر رہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا قول نقل کرنے کی تکلیف آپ نے ناحق و بلا فائدہ اٹھائی۔ حضرت شاہ صاحب نے مسیح کو فرشتہ کہا تو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت مسیح سے خطا سرزد نہ ہوتی تھی۔ خطا سے تو فرشتے بھی خالی اور پاک نہ تھے۔ چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ پھر جس شخص کو شاہ صاحب نے فرشتے کے مشابہ کیا ہو وہ اس خطا سے کیونکر پاک ہو گیا۔

حضرت شاہ صاحب نے اور خواص انسانوں کو بھی جو نیک اعمال کر کے فرشتوں کے خصائل حاصل کرتے ہیں۔ فرشتوں کی جماعت میں شامل و داخل کیا ہے

وقسم هم نفوس انسانية قريبة المأخذ من الملاء الاعلى ما زالت تعمل عمالاً منجية تفيد اللحوق بهم حتى طرحت جلاليب ابدانها فانسلكت فى سلكهم وعدت منهم (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵) وكان فى دين عيسى سهولة وسعة فاحل لهم بعض ما حرم عليهم لان النواميس الشاقة انما تنعقد فى مصادمة الملكية بالبهيمية وكان عيسى عليه السلام كانه ملك يمشى على وجه الارض

چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ تصانیف میں آپ کی موجود ہیں۔ پھر کیا آپ ان لوگوں کو بھی خطاء سے پاک مان لینگے ایسا ہوگا تو آپ کا دعوائے خصوصیت مسیح کافور ہو جائیگا۔

جس مقام تاویل الاحادیث سے شاہ صاحب کا قول مذکور آپ نے نقل کیا ہے۔ وہاں حضرت مسیح کے خطا سے پاک ہونے کا کوئی صریح بیان یا اشارہ نہیں ہے بلکہ وہاں ملکیت سے بہیمیت

(تاویل الاحادیث صفحہ ۵۷)

کے مقابلہ کا ذکر ہے جسکا نتیجہ گناہ ہوتا ہے

شاہ صاحب اس قول میں یہ فرماتے ہیں کہ مسیح مین بہیمیت کا جو گناہ کراتی ہے غلبہ نہ تھا۔ اسلئے خدا تعالے اون کو سخت احکام والی شریعت جو بہیمیت کو روکے ندی تھی۔ وہ تو فرشتے تھے۔ یعنے گناہ نہ کرتے تھے۔ لہذا وہ سخت احکام والے کی شریعت کے محتاج نہ تھے۔ شاہ صاحب کا قول نقل کرنیکے وقت یہ بھی آپنے سوچا ہوتا کہ جس دعوے کی تائید و تصدیق میں ہم اس قول کو نقل کرتے ہیں۔ اس دعوے کو ہمنے قرآن یا آنحضرت کے صریح قول سے ہنوز مدلل و ثابت نہیں کیا۔ تاکہ اسکی تائید میں اس قول کی نقل کرنے کی گنجائش نکل آوے۔ اور اوس کے بھی وہی معنے کئے جاویں جو قرآن اور قول نبوی کے صریح بیان سے ثابت ہوں۔ خدا و رسول کی کلام میں مسیح کے خطا سے پاک ہونے کا نام و نشان نہیں اور نہ ہم نے نقل کیا ہے۔ تو حضرت شاہ ولی اللہ یا کسی اور مسلمان عالم کو کب پہنچتا ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت ایسا دعوے کرے۔ اور اسکے قول سے ایسا دعوے استنباط کیا جا سکے۔

آپ کی دوسری **دلیل کا** خلاصہ یہ ہے۔ کہ مریم کی مادر مقدسہ نے مریم کو اور اس کی اولاد (مسیح) کو شیطان سے خدا کی پناہ میں سپرد کرنے کی دعا کی۔ اور خدا نے مریم کو قبول کر لیا۔ اور اوس کے معنے صاف یہی ہیں کہ حضرت مسیح شیطان یعنے گناہوں سے محفوظ ہوئے۔ چنانچہ تمام مفسرین نے اس معنے آیت پر اتفاق کیا ہے۔ اور یہی عصمت کے معنے ہیں۔ اور یہ امر (شیطان سے محفوظ ہونا) کسی اور نبی کیلئے قرآن میں نہیں آیا۔ لہذا یہ آیت عصمت مسیح پر نص ہے۔

اسکے جواب میں ہم کسی قدر مسٹر اکبر مسیح کی ناواقفی اور کم توجہی پر افسوس ظاہر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ کہ مسٹر اکبر مسیح اتنا نہیں جانتے کہ نص عربی میں اور مسلمانوں کی

محاورہ میں (جسکا یہ لفظ ہے) کسکو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی وہ بھول گئے۔ کہ دعوے تو ہمارا یہ تھا کہ مسیح خطا بھی نہیں کرتے۔ اور اس امر کو قرآن اور آنحضرت صاف تصریح سے تسلیم کر چکے ہیں۔ (اور اسی معنے عصمت میں بحث و نزاع تھی گناہوں سے انبیاء کے معصوم ہونیمیں کس کو نزاع تھی) اور اس دلیل سے صرف گناہوں سے مسیح کا محفوظ ہونا ہم نے (سلو بھی مفسرین کا قول اسمیں شامل کر کے نہ قرآن کی صریح آیت یا آنحضرت کا صاف قول دکھا کر) ثابت کیا ہے۔ نہ خطا سے محفوظ ہونا۔ لہذا یہ دلیل ہمارے دعوے کی دلیل کیونکر ہو سکتی۔

ہم مسٹر اکبر مسیح کو بتاتے ہیں۔ کہ نص مسلمان اس کلام کو کہتے ہیں جو ظاہر سے بڑھ کر وضاحت سے مراد بتاوے۔ ظاہر میں تاویل خلافِ ظاہر کا احتمال ہوتا ہے نص اپنی وضاحت سے اس تاویل کے احتمال کو مٹا دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ کلام ہے "وضو کا پانی لاؤ"۔ اگر صرف پانی لاؤ کہا جاتا تو احتمال تھا کہ اس سے کوئی عرق یا شراب مراد ہو۔ کیونکہ اون کو بھی مجازاً و تاویلاً پانی کہا جاتا ہے۔ مگر جب وضو کا لفظ بولا گیا۔ تو اس سے وہ احتمال اوٹھ گیا۔ اور معلوم ہوا کہ وہی پانی مراد ہے جو متعارف ہے۔ یہ معنے نص کے مسٹر اکبر مسیح کے خیال آئیں گے تو وہ سمجھ جائینگے کہ اون کی دوسری دلیل مسیح کے گناہوں سے معصوم ہونے میں نص تب ہوتی۔ جب اسمیں اون الفاظ سے تصریح ہوتی کہ خدا نے مسیح کو گناہوں سے بچا لیا۔ اسمیں تو صرف مریم کو قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اوسکو کوئی نص کے معنے واقف مسیح کے گناہوں سے محفوظ ہونے میں نص نہیں کہہ سکتا۔

اس دلیل کے نص نہونے کے علاوہ یہ بھی مسٹر اکبر مسیح کو بتایا جاتا ہے۔ کہ اس دلیل کو اون کے دعوے سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ دعوے یہ تھا کہ مسیح خطا سے بھی محفوظ ہیں۔ اور یہ کہ قرآن نے اور آنحضرت نے اس محفوظیت کو بتصریح مان لیا ہے۔

اور اس دلیل سے اگر بحسب زعم و بقول مسٹر اکبر مسیح ثابت ہوتا ہے تو صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو خدا نے گناہوں سے بچا لیا ہے جو اس دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتے اور تقریب تمام نہیں ہوتی۔

ہمارا یہ کہنا کہ یہ بات بھی بحسب زعم و بقول مسٹر مسیح اس آیت سے ثابت ہوتی ہے یعنے نفس الامر میں نہیں۔ یہ وجہ رکھتا ہے کہ آیت میں صرف خدا تعالی کا حضرت مریم کو قبول کرنا۔ اور اچھی طرح بڑھانا مذکور ہے۔ اس سے حضرت مسیح کے گناہوں سے عصمت نکالنا بجز مسٹر اکبر مسیح کسی دوسرے کے خیال میں نہیں آیا۔

مسٹر اکبر مسیح کا یہ کہنا کہ تمام مفسرین مسٹر اکبر مسیح کی مانند اس آیت۔ فتقبلها ربنا بقبول حسن یعنے خدا نے مریم کو اچھی طرح قبول کیا۔ کے یہی معنے کرتے ہیں کہ خدا نے مریم اور اوسکی اولاد کو شیطان یعنے گناہوں سے بچا لیا محض غلط اور مغالطہ ہی جو بات مفسرین۔ بیضاوی ابو السعود وغیرہ نے کہی ہے کہ شیطان تمام بچوں کو پیدائش کے وقت چھونے سے بہکانے کی طمع کر لیتا ہے بجز مریم اور اوسکے فرزند کے کہ وہ والدہ مریم کی دعا سے بچگئے۔ وہ اس دعا کی نسبت صرف اپنی حسن ظنی سے کہی گئی ہے۔ نہ آیت مذکورہ بالا کے لفظ تقبلها یا قبولیت مریم کے معنے و تفسیر میں۔

انی اعیذها بك وذریتها من الشیطان الرجیم معناه ان الشیطان یطمع فی کل مولود بحیث یتاثر منه الا مریم وابنها فان الله عصمها ببرکة هذه الاستعاذة (بیضاوی ص ۱۳۶) (ابو السعود ص ۶۵۹ جلد ۲)

طرفہ یہ کہ مسٹر اکبر مسیح نے بھی اپنی دوسری دلیل کے ضمن میں یہ قول بیضاوی کا تفسیر انی اعیذها بك میں ذکر کیا۔ اور اسی کے معنے کا بیان ٹھہرایا ہے نہ تقبلها یا قبولیت مریم کی تفسیر میں۔

ان دو تفسیروں کے علاوہ کئی تفسیریں معالم التنزیل۔ و فتح البیان وغیرہ ہمارے سامنے اسوقت ایسی موجود ہیں۔ جنمیں یہ بات سرے سے بیان ہی نہیں ہوئی۔ پھر مسٹر اکبر مسیح کا وہ دعوٰے اتفاق مفسرین غلط نہیں تو اور کیا ہے۔

ہمکو اس بات کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں اور حضرت مسیح کی بہ برکت دعا والدہ مکرمہ مریم علیہا السلام گناہوں سے محفوظ و معصوم ہونے میں بھی کلام نہیں۔ بلکہ یہ اعتقاد ہی کہ والدہ مریم کی دعا سے حضرت مسیح اغوا شیطان سے بچائے گئے تھے۔ گو اس اعتقاد پر ہمارے ہاتھ میں بجز حسن ظنی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں قبولیت اس دعا کا ذکر نہیں۔ بلکہ حضرت مریم کو بجائے لڑکے کے قبول کر لینے کا ذکر ہے۔

ایسا ہی قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے۔ اسکے بعد جو قسطلانی نے

> ولیس فی الآیۃ دلیل علی انہ تعالی استجاب دعاءھا۔ بل الضمیر فی قولہ تعالیٰ فتقبلھا ربھا المریم ای فرضی بھا ربھا فی النذر مکان الذکر۔ نعم الحدیث یدل علی الاجابۃ فتامل (قسطلانی جلد ۷، صـ۹۵)

کہا ہے۔ کہ ہاں حدیث میں (یعنے حدیث آئیندہ ابو ہریرہ میں) اجابت اس دعاء کا اشارہ ہے۔ مگر وہ حدیث آنحضرت کی حدیث نہیں۔ بلکہ ابو ہریرہ کا قول ہے جو اون کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ چنانچہ ہم اون کی تفصیل عنقریب کریں گے۔ شائد اُسکی طرف قسطلانی نے لفظ فتامل سے اشارہ کیا ہے۔

ہمکو کلام صرف اس میں ہے کہ یہ بات خدا تعالے نے کہی ہے۔ یا خدا تعالے کے کسی قول کا یہ اتفاقی مفہوم ہے۔ جسکا مسٹر اکبر مسیح کو دعوٰے ہے۔

پھر مسٹر اکبر مسیح کا یہ کہنا کہ اسطرح (یعنے جیسا کہ مسیح کے لئے آیا ہے) شیطان سے محفوظ ہونا کسی اور کا قرآن میں نہیں آیا۔ بھی غلط در غلط ہے۔ خاص کر مسیح کا محفوظ ہونا۔ تو جیسا قرآن میں مذکور ہے ناظرین کو ابھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور عموماً

فبعزتك لاغوينهم اجمعين الا عبادك منهم المخلصين۔ (قال هذا صراط علي مستقيم ان عبادي ليس لك عليهم سلطان (الحجر ۴۲)	اللہ کے مخلص اور چنے ہوئے بندوں کا شیطان سے محفوظ ہونا قرآن کی آیات منقولہ حاشیہ وغیرہ میں کثرت کے ساتھ موجود ہے۔ مسٹر اکبر مسیح کو نظر نہ آوے تو

کس کا قصور اور خاص کر آنحضرت کے لئے تو یہ محفوظیت بہت بسط و تفصیل کے ساتھ قرآن میں وارد اور صفائی سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسیح پر آنحضرت کی ترجیح و فوقیت کے ثبوت میں ان آیات کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالے۔

بالجملہ آپ کی دوسری دلیل بھی ناتمام ہے۔ اور وہ مسیح کے گناہوں سے عصمت ثابت نہیں کرتی۔ چہ جائے خطاؤں سے۔

آپ کی تیسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بشہادت حدیث بخاری و مسلم صرف ایک مسیح ہیں جو منجملہ تمام انبیاء مس شیطان سے محفوظ ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ شیطان اون کو اغوا نہیں کرسکا۔

اسکے جواب میں بھی افسوس سے کہا جاتا ہے کہ مسٹر اکبر مسیح کو استدلال کے وقت نہ اپنا دعوے یاد رہتا ہے نہ دلیل کے مضمون کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں کہاں آنحضرت نے فرمایا ہے کہ خدا تعالے نے مسیح کو اوس کی تمام زندگی میں شیطان اور اوسکے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ حدیث میں تو صرف اتنا ذکر اور بھی لفظ ہے۔ کہ وقت تولد شیطان نے نہیں چھوا۔ وبس۔ اب اس سے یہ نکالنا کہ تمام زندگی میں اون کو شیطان گمراہ نہ کرے گا۔ یہ علماء کا اجتہاد ہے نہ رسول کا ارشاد۔ اور کسی عالم کا اجتہاد دوسرے شخص عالم کے لئے شرعی دلیل نہیں ہے جو چاہے اور موافق دلیل پاوے۔ اوسکو مانے۔ جو اوسکو مخالف دلیل سمجھے رد کرے۔ آپ نے اپنے مخاطب کے سامنے جسکو آپ غیر مقلد اہل علم جانتے ہیں۔ اور اپنے خط

۱۱۔ اکتوبر ۱۸۹۵ء مندرجہ کشف نمبر ۴ جلد ۶ صفحہ ۲۵۔ مان چکے ہیں بیضاوی وغیرہ کے قول کی دست آویز اسحدیت کو عصمت مسیح کی دلیل سمجھ لیا۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ حدیث میں تو گناہوں سے عصمت کا نام ونشان ہی نہیں۔ بیضاوی کا قول میرے دعوے کی تصدیق کیونکر کرے گا۔ اور اگر فرض بھی کرلیں اور بطور فرض محال مان لیں کہ آنحضرت نے یہ الفاظ فرمادئے ہیں جو بیضاوی نے کہے ہیں۔ تب بھی ان الفاظ سے ہمارا دعوٰے کہ مسیح خطا بھی نہیں کرتے تھے۔ کہاں ثابت ہوتا ہے۔ شیطان کا اغواء اور چیز ہے جس سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور خطا کرنا اور چیز اور ایک بشری صفت ہے جسکی وراثت بحکم حدیث خطا آدم فخطات ذریتہ۔ اولاد آدم سے ہرایک کو (جنمیں آپ کے اور ہمارے اعتقاد میں حضرت مسیح بن مریم بھی ہیں) پہنچتی ہے۔ یہی بات سوچکر اسحدیث کی نقل کرنے سے قلم کو روکتے اور اپنے دعوٰے کے اثبات سے اسکو قاصر سمجھ کر اوسکی دست آویز سے تامل کرتے۔ گذشتہ را صلوٰۃ اب بھی مہربانی کریں اور اس حدیث کو واپس لیں۔ اسکو آپ کے دعوے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسمقام میں غالباً ناواقف اہل اسلام سوال کرینگے۔ اور یہ کہیں گے کہ مسٹر اکبر مسیح کے دعوٰے کو جانے دو۔ بیضاوی وغیرہ کے مفسرین کی تقلید کو بھی چھوڑ دو۔ اس حدیث کی بعض روایات میں حضرت ابوہریرہ راوی حدیث کا یہ قول بعد روائت حدیث نبوی مروی ہے کہ چاہو تو اس عدم مس مریم وابن مریم کی تصدیق میں یہ قول خداوندی پڑھ لو کہ اے خدا میں اس مریم کو اور اوس کی اولاد (مسیح) کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں سپرد

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مولود یولد الا والشیطان یمسہ حین یولد فیستھل صارخا من مس الشیطان ایاہ الا مریم وابنھا

ثم یقول ابو هریرة واقرؤا ان شئتم وانی اعیذها بک وذریتها من الشیطان الرجیم (بخاری ص ۳۵۳)	کرتی ہوں جس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ شیطان کا حضرت مسیح کو مس نہ کرنا اسی دعا والدہ مریم کے اثر و برکت سے ہے۔

جسکا نتیجہ گناہوں سے بچے رہنا تم نے بھی مان لیا ہے۔ اور اس تسلیم کا یہ نتیجہ تم کو ماننا پڑے گا۔ کہ منجملہ انبیاء اغوا شیطان سے صرف حضرت مسیح محفوظ ہیں۔ نہ دوسرا کوئی نبی۔ اس سے مسٹر اکبر مسیح کے دعوے کے مطابق محفوظیت از خطا نہ سہی عصمت از گناہ تو حضرت مسیح کے لئے خصوصیت کے ساتھ ثابت ہوئی۔

اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر ناواقف اور حقیقت ناشناس اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور شبہ بھی ایسا کہ بادی الرأی میں برجستہ اور قوی اور لاینحل معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کرنے کے بعد یہ شبہ ہبآءً منثورًا اور کافور ہوجاتا ہے۔ اس خاکسار نے خداداد غور و فکر سے کام لیا تو محض خدا کے فضل و توفیق و تفہیم سے اسکا حل خیال میں آگیا۔ ہرچند وہ حل مستقل و مرتب جیسا کہ عرض کیا جاتا ہے۔ کتب متقدمین و متاخرین میں نہیں دیکھا گیا۔ مگر اس حل کا اصل اصول علماء سابقین کی اشارات و تصریحات میں پایا تو اس حل کے پیش کرنے کا حوصلہ ہوگیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں کلام بلاغت نظام حضرت رسالت تو اسی حد تک ہے۔ جہاں ذکر ہے۔ کہ مسیح اور اوسکا بیٹا۔ اس مس شیطان سے محفوظ ہیں۔ اسکے بعد جو اس کی تصدیق کے لئے آیت پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ وہ حضرت ابوہریرہ کا اپنا قول ہے۔ جسکو اونہوں نے آنحضرت کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت ابوہریرہ نے اپنے فکر و اجتہاد سے کہا ہے۔ اور اس میں دھوکا کھایا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ قول نہیں سنا۔ اور نہ یہ قول بحکم عقل سلیم و فہم مستقیم آنحضرت کا قول ہوسکتا ہے

کیونکہ یہ قول ابو ہریرہ کا آنحضرت کے قول سے جو آنحضرت سے ابو ہریرہ نے نقل کیا صریح مخالف ہے۔ بلکہ صریح بیان قرآن کے بھی مخالف ہے۔ اس قول آنحضرت میں صاف تصریح ہے۔ کہ جب بچہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ تو اس خاص پیدائش کیوقت شیطان اس بچہ کو مس کرتا ہے۔ بجز مریم وابن مریم کہ وہ اس مس سے محفوظ ہیں۔ اور اس قول ابو ہریرہ میں جس دعاء والدہ مریم کا ذکر ہے۔ اور اسی دعاء کی برکت اور اثر سے حضرت مریم اور اون کے بیٹے کی محفوظیت کا اشارہ ہے۔ وہ دعاء حضرت مریم کے پیدا ہو جانے اور اسکا نام مریم مقرر کر دینے کے بعد وقوع میں آئی ہے۔ چنانچہ

رب انی وضعتہا انثی واللہ اعلم بما وضعت ولیس الذکر کالانثی وانی سمیتہا مریم وانی اعیذہا بک۔ الخ

نص قرآن میں بہ تصریح آچکی ہے۔ پھر عقل سلیم کے نزدیک کیونکر ممکن ہے۔ کہ مریم کا مس شیطان سے محفوظ رہنا اس دعاء کے اثر و برکت سے ہو۔ اور جبکہ مریم علیہا السلام کا مس شیطان سے محفوظ رہنا اس دعاء کا اثر نہ ہو سکا۔ تو اُنکے بیٹے حضرت عیسے کا محفوظ ہونا بھی اس دعاء کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک ہی وقت کی ایک دعا ہے جسکا ایک ہی اثر ہونا چاہیئے یہ تو نہیں ہوا۔ کہ والدہ مریم نے دو وقتوں میں دو دفعہ دعا کی تھی۔ مریم کے لئے اون کے پیدا ہونے سے پہلے۔ اور مسیح کے لئے مریم کے پیدا ہو جانے کے بعد تاکہ اون کی محفوظیت کو اس دوسری دعاء کا اثر قرار دیا جائے۔ اس بیان سے قول مذکور ابو ہریرہ کا مخالف قول نبوی و نص قرآنی ہونا ثابت ہوا۔ تو اس سے یقین پیدا ہوتا ہے کہ یہ قول ابو ہریرہ نے آنحضرت سے سُنکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے فہم و اجتہاد سے کہا ہے جسمیں اُنہوں نے دھوکہ کھایا۔ اور غلطی کا ارتکاب کیا۔ لہذا وہ قول کسی کے استدلال کے لائق نہیں۔ اور اس سے جو نتیجہ پیدا ہو وہ لائق قبول نہیں۔

جن مفسرین بیضاوی وغیرہ نے حضرت مریم وابن مریم کی مس شیطان سے

محفوظیت کو اون کی والدہ کی دعا، کا اثر و برکت قرار دیا ہے۔ اور اوسپر قول ابو ہریرہ سے استشہاد کیا ہے اونہوں نے اس قول ابو ہریرہ کو غور سے نہیں دیکھا۔ اور جن مفسرین (علامہ زمخشری صاحب کشاف شیخ سلیمان جمل۔ صاحب فتح البیان وغیرہ) نے اوسکو غور سے پڑہا اور سمجہا ہے۔ اونہوں نے اس کو محل اشکال و اشتباہ قرار دیا۔ پھر از انجملہ بعض نے جو فن حدیث کے امام نہیں۔ اور بہ نسبت حدیث معقولات سے زیادہ تعلق و توغل رکھتے ہیں (جیسے صاحب کشاف) اونہوں نے اس تمام حدیث کو صحیح تسلیم کرنے میں تامل کیا۔ اور بفرض تسلیم اس میں ایسی تاویل کے جو اوس کے ظاہری مفہوم کی مخالف ہے۔ اور وہ انکار صحت حدیث سے بڑہ کر ہے۔

تفسیر کشاف میں کہا ہے کہ جو حدیث مروی ہے (جس میں ہر مولود کو بجز مریم اور اوس کی اولاد کے شیطان کے مس کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی صحت خدا ہی کو معلوم ہے۔ یعنے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر وہ صحیح ہو تو اسکے معنے یہ ہیں کہ شیطان

وما یروی من الحدیث ما من مولود یولد الا والشیطان یمسہ حین یولد فیستہل صارخا من مس الشیطان ایاہ الا مریم وابنہا فاللہ اعلم بصحتہ فان صح فمعناہ ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائہ الا مریم وابنہا فانہما کانا معصومین وکذلک کل من کان فی صفتہما۔ لقولہ تعالی لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین۔ واستہلال لہ

ہر ایک مولود کے بہکانے کی طمع رکھتا ہے۔ بجز مریم اور اوس کی اولاد کے کہ وہ معصوم ہیں ایسے ہی اور لوگ جو اون کی صفت رکھتے ہیں اسپر دلیل یہ قول خداوندی ہے کہ شیطان نے کہا میں تیرے بعض بندوں کو نہ بہکاؤں گا۔

اور بچہ کا چلانا ایک خیالی تشبیہ ہے

صارخا من مسه تخييل وتصوير لطمعه فيه كانه يمسه ويضرب بيده عليه ويقول هذا ممن اغويه - ونحوه من التخييل قول ابن الرومي شعر

لما تؤذن الدنيا به من صروفها
يكون بكاء الطفل ساعة يولد

اما حقيقة اللمس والنخس كما يتوهم اهل الحشو فكلا ولو سلط ابليس على الناس ينخسهم لامتلأت الدنيا صراخا وعياطا مما يبلونا من نخسه (کشاف ضـ۲۰)

اور اوس کے طمع کی تصویر گویا کہ وہ اوسکو چھوتا اور ہاتھ مارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ بچہ اون لوگون میں سے ہے جنکو میں گمراہ کرونگا

ایسے خیالی تشبیہ ابن الرومی کے ایک شعر میں پائی جاتی ہے اور حقیقۃً شیطان کا چھونا اور چوکنا جیسا کہ اہل حشو خیال کرتے ہیں ہرگز نہیں ہے۔

اور بعض نے جنکو کہ حدیث سے زیادہ تعلق و دلچسپی ہے۔ اور اون کے دل میں حدیث کی خصوصاً صحیحین کی عظمت ہے اونہوں نے حدیث کو غیر صحیح کہنے کی جرأت نہیں کی۔ صرف اس اشکال کو ظاہر کردیا ہے۔ مگر اوسکو حل نہیں کیا۔

جمل و تفسیر فتح البیان میں کہا ہے۔ اس مقام میں ایک قوی شبہہ پیدا ہوتا ہے

في المقام اشكال قوي لم ار من نبه عليه من المفسرين وحاصله ان قولها واني اعيذها بك معطوف على ما قبله الواقع في حيز لما وضعتها فيقتضي ان طلب هذه الاعادة انما وقع بعد الوضع فلا يترتب عليه حفظ مريم من طعن الشيطان

ہمنے نہیں دیکھا کہ کسی مفسر نے وہ شبہہ بیان کیا ہو۔ وہ یہ کہ قول والدہ مریم کا کہ اے خدا میں اس مریم کو شیطان سے تیری پناہ میں سپرد کرتی ہوں۔ ماقبل پر معطوف ہے جو لما وضعتها کے نیچے داخل ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اونکی یہ دعاء بعد تولد مریم ہوئی تھی۔ پھر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس

وقت نزولها وخروجها من بطن امها فلا یتلاقی الحدیث مع الآیة بل یقتضی ظاهر الآیة ان اعاذتها من الشیطان انما کان بعد وضعها وهذا لا ینافی تسلط الشیطان علیها بطعنها ونخسها وقت ولادتها الذی هو عادته فان عادته طعن المولود وقت خروجه من بطن امه تامل - قاله سلیمان الجمل (فتح البیان صفحہ ۳۸۴ جلد ۱ -)

دعاء کی برکت واثر سے مریم مس شیطان سے (جو عین تولد اور بچہ کے پیٹ سے نکلنے کے وقت ہوتی ہے) محفوظ ہوئیں - اس صورت سے یہ حدیث قرآن سے متفق نہ ہوئی - قرآن کے ظاہر الفاظ سے تو یہ پایا جاتا ہے - کہ جب والدہ مریم اوسکو جن چکی تب اونہوں نے دعاء کی - اور یہ دعا اس مس شیطان کی نفی نہیں کرتی - جو پیدائش بچہ کے وقت ہوتی ہے - کیونکہ شیطان کی عادت ہے کہ وہ بچہ کو ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت مس کرتا ہے اسبات کو سوچو یہ سلیمان جمل کا قول ہے -

محدثین میں سے قسطلانی شارح بخاری کے دل میں بھی یہ شبہ پیدا ہوا - اور اونہوں نے شرح صحیح بخاری میں اس شبہ کو بیان کرکے اسکا جواب بھی دیا - جو ضعیف جواب ہے -

اس مقام میں آپ کی عبارت نقل کیجاتی ہے - پھر اون کے جواب کا ضعف ثابت کیا جائیگا انشاء اللہ تعالے -

آپ فرماتے ہیں ابوہریرہ کے اس قول میں کہ چاہو تو آیت پڑھ لو اعتراض وارد ہوتا ہے - کیونکہ آیت کا مضمون بتاتا ہے کہ حنہ والدہ مریم کی دعاء جسکی تفسیر اس حدیث (یعنے قول ابوہریرہ) میں ہے

ثم یقول ابوهریرة واقرءوا ان شئتم وانی اعیذها بك وذریتها من الشیطان الرجیم - وهذا

فیہ شئ من حیث ان سیاق الآیۃ یدل علی ان دعاء حنۃ امّ مریم باعاذتہا وذریتہا من الشّیطان المفسر فی الحدیث بان یعصمہما من مسّ الشیطان عند ولادتہما متاخر عن وضعہا مریم ولم ارمن نبہ علی ھذا والذی یظھرلی ان تکون حنۃ علمت انوثۃ مریم قبل تمام وضعہا عند بروزھا الی ما یعلم منہ ذلک فقالت حینئذٍ انی وضعتہا انثی وانی اعیذھا فاستجیب دعائہا ثم تکامل وضعہا فاراد الشیطان التمکن من مریم فمنعہ اللہ ببرکۃ دعاء امہا والتعبیر عن البعض بالکل سائغ شائع ولیس فی الآیۃ دلیل علی تہ استجاب دعائہا الی اخرما نقلناہ (قسطلانی صـ۵۹ جلد ۵)

ہوئی ہے۔ کہ وہ دونو مس شیطان سے بچائے گئے۔ حنہ کے مریم کو جننے سے پیچھے ہوئی تھی۔ یعنے پھر مس شیطان سے اسکا محفوظ رہنا اس دعاء متاخر کا اثر کیونکر ہوسکتا ہے۔ قسطلانی فرماتے ہیں کہ مینے اور کسی کو نہیں دیکھا جسنے اس اعتراض پر تصریح کی ہو۔ پھر کہا اسکا جواب جو مجھے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے۔ کہ حنہ کے مریم کو پورے جننے سے پہلے صرف اسقدر حصہ جسم (جس سے معلوم ہوسکے کہ وہ لڑکی ہے لڑکا نہیں) اسکے پیٹ سے نکلنے سے معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ وہ لڑکی ہے سیو قت اُنہوں نے دعاء کی جو قبول ہوگئی۔ اور جب وہ پوری جنی گئی تو شیطان نے اوسکو مس کرنا چاہا۔ مگر حنہ کی اس دعاء کی برکت سے خدا نے اوسکو روک دیا اور اس سوال کے جواب میں کہ خدا نے تو مریم کے پوری پیدا ہو جانے کے بعد دعاء کرنے کا ذکر فرمایا ہے" یہ کہا جاسے گا کہ جزو پر کل کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے اور یہ امر جائز اور مروج ہے یعنے دعاء کے وقت پیٹ نکلا تو بعض حصہ جسم تھا۔

جس سے عورت کی شناخت ہو سکے۔ مگر خدا نے مجازاً کل کا باہر آجانا ظاہر فرمایا۔ مگر آیت میں یہ نہیں پایا جاتا کہ اون کی والدہ کی وہ دعاء مقبول ہوگئی تھی۔ آخر قول آخر تک جو پہلے بصفحہ (۱۶۹) منقول ہو چکا ہے۔

راقم خاکسار کہتا ہے۔ علامہ قسطلانی کا یہہ جواب نہایت ضعیف ہے۔ یہ جواب یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ علامہ قسطلانی نے قرآن مجید کے اس بیان کا خیال ولحاظ نہیں فرمایا۔ کہ حضرت مریم کی والدہ نے اسکا نام بھی مریم رکھدیا تھا۔ اور اوس کے بعد وہ دعاء مانگی تھی جس میں نام رکھنے کا پہلے ذکر کیا ہے۔ اور نہ یہ خیال فرمایا یہ امر دین یہود یا کسی اور مذہب میں معمول و مروج نہیں تھا۔ اور نہ اب ہے۔ کہ بچہ آدہا پیٹ کے اندر ہو اور آدہا باہر اور اسیوقت اُسکا نام رکھدیا جاوے۔ قرآن کے یہ الفاظ وانی سمیتہا مریم وانی اعیذ ھا یعنے میں نے اسکا نام رکھدیا اور میں نے اوسکو تیری پناہ میں سپرد کیا۔ صاف یقین دلاتے ہیں کہ وہ دعا والدہ مریم کی وضع تام اور مریم کے تولد تمام کے عرصہ بعد ہوئی تھی۔ جبکہ مریم کا نام رکھنے کی سنت بھی رسم یہود کے موافق ادا ہو گئی تھی۔ اس بیان سے ناظرین کو معلوم ہو گا کہ یہ شبہ تو قول ابو ہریرہ پر بہت لوگوں کے دل پر گذرا۔ مگر اسکا جواب شافی کسی نے نہیں دیا۔ اور اسکا حل کسی سے نہیں ہوا۔ اور اسکا جواب شافی وحل کافی وہی ہے۔ جو خدا نے اس خاکسار کو سمجھایا۔ اور اس کی قلم سے نکلوایا ہے۔ کہ وہ قول ابو ہریرہ نے اپنی رائے واجتہاد سے کہا ہے۔ اور اس میں دہوکہ کھایا آنحضرت سے سُنکر نہیں فرمایا۔ اور نہ وہ آنحضرت کا وہ قول ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ لائق اعتماد و قبول نہیں ہے۔

اس جواب پر اگر کوئی ناواقف یہ اعتراض کرے۔ کہ یہہ کہنا کہ یہہ قول ابو ہریرہ غلط ہے۔ اور اون کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ صحیح بخاری کے اس عالی رتبہ

اور والاشان کے مخالف ہے۔ جو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے۔ کہ جو روایت بسند متصل اس کتاب میں وارد ہے وہ اتفاقی صحیح ہے۔ اور لائق اعتماد و قبول ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے مرویات کے صحیح و لائق اعتماد وقبول ہونے کے یہ معنے ہیں کہ جس شخص کا قول ان کتابوں میں بسند متصل نقل کیا گیا ہے اس شخص سے وہ قول صحیح و ثابت ہے۔ اور اس قول پر اعتماد کرنا یہ معنے رکھتا ہے کہ وہ قول ضرور اوس شخص کا قول ہے۔ اور اس سے بسند صحیح مروی ہے۔ اسکے یہ معنے نہیں کہ جو قول کسی شخص سے اِن کتابوں میں منقول ہے۔ وہ معنے و مطلب کے لحاظ سے بھی صحیح اور واجب القبول ہے۔ امام بخاری یا امام مسلم یا اور محدثین کی نقل و تصحیح لفظوں کے متعلق ہے۔ اور ان الفاظ کے اپنے قائل سے ثابت ہونے کا طمانیت بخش وسیلہ ہے۔ انکی نقل و تصحیح کسی حدیث یا قول کے معنے و مطلب کے ثبوت کی دلیل و وسیلہ نہیں ہے۔ لہذا جب ہمنے مان لیا کہ حضرت ابو ہریرہ نے بیشک وہ قول فرمایا ہے۔ جو امام بخاری نے اون سے نقل کیا ہے۔ تو ہم نے صحیح بخاری کی عظمت کو مان لیا۔ اسکے ساتھ اس قول کے معنے و مطلب کو بھی صحیح مان لینا اس عظمت ماننے کی جزو یا شرط نہیں ہے۔ کسی کے قول کو معنے اور مطلب کی نظر سے صحیح مان لینا اس قول کی ذاتی صحت اور اوسکی عظمت قائل کی وقعت و عظمت پر موقوف ہے۔ اگر وہ قول ایسے شخص کا ہے۔ جسکے قول کو خدا نے تمام مسلمانوں کے لئے لائق سند و حجت قرار دیا ہے۔ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو اوسکا مان لینا سب پر فرض و واجب ہے۔ اور اگر وہ قول ایسے شخص کا ہے جسکا فہم و اجتہاد و رائے حجت شرعی اور تمام لوگوں کے لئے واجب العمل و التسلیم نہیں تو اوس کا ماننا دوسرے لوگوں پر واجب نہیں خصوصاً جبکہ وہ مخالف دلیل ہو

اب شاید کوئی یہ سوال کرے اور کہے کہ اس بیان سے یہ تو ثابت ہوا

کہ والدہ مریم کی دعا سے حضرت مسیح کا مس شیطان سے محفوظ ہونا حدیث نبوی سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آیت قرآن سے ثابت نہیں۔ مگر حدیث نبوی سے اس قدر تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ مس شیطان سے محفوظ ہونے کو صرف حضرت مسیح سے خصوصیت ہے۔ اور یہ محفوظیت ان ہی کا خاصہ ہے۔ خواہ اسکا سبب و موجب کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی حضرت مسیح کی اور انبیاء پر فضیلت و فوقیت ثابت ہوتی ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ شیطان کا ہر مولود کو تولد کے وقت مس کرنا اگر صرف بغرض ایذاء جسمانی ہے اور اوس کا اثر ایمان و اخلاق مولود پر کچھ نہیں ہوتا۔ تو اس مس سے حضرت مسیح کا بچ جانا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔ بلکہ برعکس فضیلت اُن صالح و مقبول مولودوں کو ہے جو اس تکلیف و ایذا شیطان کے محل ابتلاء ہوتے ہیں۔ کیونکہ اہل بلاء اہل عافیت سے زیادہ اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل اسکے مصدق و مؤید ہے۔

اور اگر شیطان کا مس کرنا۔ بغرض تکلیف روحانی ہے۔ اور اون کے ایمان و اخلاق پر اسکا بد اثر ہونا اسکا خلاصہ لازمی ہے۔ تو اس مس سے جملہ انبیاء و اصفیاء کا بچ جانا بحکم ان نصوص مذکورہ حاشیہ کے جن میں بیان ہے کہ شیطان خدا کے مخلص بندوں کو نہیں بہکا سکتا۔ اور اون پر اسکا زور و غلبہ نہیں ہوتا ضروری و لازمی امر ہے۔ اور ان ہی نصوص کی شہادت سے جملہ انبیاء بلکہ اور مخلصین و اصفیاء بھی اس وصف میں حضرت مسیح کے شریک ہیں۔ اسحدیث میں آنحضرت

لاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین۔ قال هذا صراط علی مستقیم۔ ان عبادی لیس لک علیهم سلطٰن الا من اتبعک من الغاوین۔

(الحجر۔ ع ۳۔)

کا صرف حضرت مسیح کو اس مس سے مخصوص و مستثنےٰ کرنا بطور تمثیل ہوا ہے اور عدم مس کا اون میں حصر حصر اضافی ہے۔ یعنے ان عام لوگون کی نسبت جو خدا کے مخلص بندے نہیں ہیں۔ اور مقصود اس حصر و تخصیص سے یہ ہے کہ مسیح اور مسیح کے سبھی ہم جنس و ہم صفت و ہم معنے مس شیطان سے محفوظ ہیں۔ ایسا ہی علماء متقدمین و متاخرین نے کہا ہے۔ اور اس تعمیم پر ان ہی آیات کو دلیل ٹھہرایا ہے۔ اور علاوہ بر آں چند احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں کہا ہے۔ کہ عینی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے۔ کہ تمام انبیاء اس وصف میں حضرت مسیح کے شریک ہیں قرطبی نے کہا ہے یہی مجاہد (تابعی) کا قول ہے۔ زمخشری (صاحب کشاف) نے اس حدیث میں معنے کی نظر سے طعن کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ اگر ہم اوسکو صحیح مان لیں تو اوسکے معنے یہ ہیں کہ سب بچوں کو گمراہ کرنے کی طمع شیطان رکھتا ہے۔ (یعنے جو مس کرنے سے اُسکا مقصود ہے) بجز مریم اور اون کے فرزند کے کہ وہ دونو بچے ہوئے تھے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو اون کی سی صفت رکھتے اسپر دلیل ہے یہ قول خداوندی ہے۔ کہ خدا کے مخلص بندوں کو شیطان نہیں بہکائے گا۔

نقل العینی ان القاضی عیاض اشار الی ان جمیع الانبیاء یشارکون عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی ذلک قال القرطبی وھو قول مجاھد وقد طعن الزمخشری فی معنی ھذا الحدیث وتوقف فی صحتہ فقال ان صح فمعناہ ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائہ الا مریم وابنہا فانھما کانا معصومین وکذلک کل من کان فی صفتھما لقولہ تعالیٰ الا عبادک منھم المخلصین

(قسطلانی صفحہ جلد ۷)

قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں آنحضرت سے

قلت قد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمۃ حین زوجھا اللھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم وکذلک قال لعلی ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی بالقبول فعلی ھذا حصر عدم المس فی مریم وابنھا یکون حصراً اضافیاً بالنسبۃ الی الاعم الاغلب (تفسیر مظہری)

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے جب فاطمہ کا نکاح کر دیا تو اون کے لئے دعا کی جو والدہ مریم نے کی تھی۔ ایسے ہی دعا آپ نے حضرت علیؓ کے لئے کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والدہ مریم کی نسبت زیادہ مستحق قبولیت دعا ہیں۔ بناءً علیہ یہ حصر عدم مس جو حضرت مسیح میں ہوا ہے اضافی ہے۔ یعنے اون عام لوگوں کی نسبت جو حضرت مسیح جیسے نہ تھے۔ صاحب تفسیر مظہری نے تو اس وصف کو ایسا وسیع کیا ہے کہ انبیاء کے علاوہ اہل بیت نبی کو بھی اسمیں شامل کر دیا ہے۔*

بالجملہ اس حدیث کو دعوائے مسٹر اکبر مسیح سے تو کوئی بھی تعلق نہیں۔ اور اسکے سوا، وہ حضرت مسیح میں کوئی بھی ایسی خصوصیت وفضیلت ثابت نہیں کرتی۔ جو اور انبیاء بلکہ اولیاء و اصفیا میں نہ ہو۔

آپ کی چوتھی دلیل حدیث شفاعت ہے۔ جسکے متفرق حصے صفحہ (۵۰ و ۵۳) میں منقول ہوئے ہیں۔ اور اسوجہ سے وہ یہاں پورے نقل نہیں ہوئے۔ اس حدیث سے جو مسٹر اکبر مسیح نے حضرت مسیح کی خصوصیت وفضیلت نکالی ہے۔ اُسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ منجملہ اُن انبیاء کے جو قیامت کے دن شفیع بننے سے انکار کرینگے۔ حضرت مسیح ہے جسکی کوئی خطا نہیں کہ وہ یاد کرے۔ اور اسکے باعث اپنے رب سے شرماوے۔ انکا کوئی گناہ نہیں کہ وہ ذکر کریں۔ وہ محمدؐ صاحب کے اگلے

* صحیح بخاری میں صفحہ (۲۶۱) حدیث ہے کہ جو شخص بوقت جماع یہ پڑھ لے بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا۔ اسکے بچہ کو شیطان ضرر نہ پہنچا سکیگا۔ یعنی اس حدیث نے اور بھی تعمیم و توسیع کر دی۔

پچھلے گناہوں کا دیعنے اون کے بخشے جانے کا) مذکور کرتے ہیں۔ اور اپنے تئیں لائق شفاعت نہیں جانتے۔ اور یہ کچھ قیامت کے منطق کی خامی ہے کہ جنسے گناہ کئے ہوں وہ اسوجہسے کہ اسکے گناہ معاف ہوئے۔ شفاعت پاوے۔ اور جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو وہ محروم رہے۔ گویا عصمت (گناہ نہ کرنا) بھی ایک جرم ٹھرا۔ جسکی نسبت مسیح شفاعت سے محروم رہا۔" اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس حدیث کے کسی طریق یا روائت میں یہ نہیں آیا کہ حضرت مسیح نے کوئی گناہ یا خطا نہیں کی۔ حدیث کا لفظ صرف یہ ہے۔ ولم یذکر ذنبا یعنے جیسے اور انبیاء آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ وموسیٰ کا ایک ایک گناہ یا خطا (شجرہ ممنوعہ سے کچھ کھالینا یا قوم کے حق میں بد دعا کرنا۔ یا تین دفعہ بحسب ظاہر وصورت جھوٹ بولنا۔ یا قبطی کو مار ڈالنا) مذکور ہوا ہے۔ حضرت عیسےٰ کا کوئی گناہ راوی حدیث نے یا آنحضرت نے ذکر نہیں فرمایا۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن خود حضرت عیسےٰ اپنا کوئی گناہ یاد نہیں کرینگے۔ یوں ہی اجمالاً اپنا لائق شفاعت نہ ہونا بیان کرکے بلا تفصیل سب گناہ شفاعت سے انکار کرینگے اور کہیں گے کہ یہ مقام درجہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے لئے مخصوص ہے۔ میں اس درجہ کی لائق نہیں ہوں۔

مسٹر اکبر مسیح نے جو اس لفظ لم یذکر ذنبا کا مطلب یہ سمجھا ہے۔ کہ اون سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔ ہوتا تو وہ بھی اوس کا ذکر کرتے جیساکہ اور انبیاء ذکر کرینگے۔ تو اسمیں اُنہوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ یا دیدہ دانستہ دھوکہ دینا چاہا ہے۔

اے صاحب! گناہ ذکر نہ کرنے کی وجہ وہ نہیں ہے۔ جو آپنے غلطی سے سمجھے۔ یا مغالطہ دینے کو سمجھانی چاہی۔ بلکہ اُسکی وجہ اور ہے۔ جو ہم آپ کو بتاتے ہیں

اور اوس کو بدلایل عقلی و نقلی ثابت و مدلل کر دکھاتے ہیں - ادہر آئیے اور وہ وجہ ہم سے سنئے -

راوی حدیث یا آنحضرت نے اون کے کسی گناہ (یا خطا) کا ذکر اسلئے نہیں کیا اور حضرت عیسے بھی قیامت کو بوقت انکار از شفاعت اسلئے اسکا ذکر نہ کریں گے - کہ وہ گناہ یا خطا ایک یا دو ہوتے تو اوسکا ذکر بھی ہوتا - جیسے اور انبیاء کے ایک ایک خطاء کا ذکر ہوا - حضرت عیسے تو گناہوں (یا خطاؤں) سے لدے ہوئے اور اُسکے بوجھ سے دبے ہوئے تھے - (جیسا کہ نصاریٰ کے اس اصول سے ثابت ہے - کہ وہ تمام عمر استغفار سے خالی رہے) یا کسر نفسی یا فروتنی سے وہ خود اپنے آپ کو بہت گنہگار سمجھ کر کسی ایک گناہ کا ذکر نہ کرینگے - (جیسا کہ مسلمانوں کا اُن پر حُسن ظن و اعتقاد ہے -) پھر راوی حدیث یا آنحضرت یا خود حضرت مسیح گناہ کو یاد کرتے تو کس کسکو کرتے اسلئے اُنہوں نے اس اجمالی طور سے اعتراف گناہوں پر اکتفاء کیا - اور انصاف کو کام میں لاکر یہ کہدیا کہ یہ درجہ و مقام شفاعت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہی شان کو لایق اور اون ہی سے مخصوص ہے - جو رات دن اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے توبہ و استغفار میں لگے رہتے تھے - اور اپنے خطاؤں کو معاف کراکے ایسے ہوگئے تھے - جیسے مادرزاد بے گناہ ہوتے ہیں - میرا یہ منصب نہیں کہ میں اسمقام میں قدم رکھوں -

لفظ لم یذکر کے معنے اور مسیح کے گناہ کا ذکر نہ ہونے اور مسیح کے اجمالی اعتراف گناہ سے شفاعت سے انکار کرنے کی وجہ آپ سُن چکے تو اسی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ قیامت کی منطق خام نہیں ہے - بلکہ بڑی سنجنہ منطق ہے - اور مسیح کا درجہ شفاعت سے محروم رہنا - اور آنحضرت کا اس درجہ کو پا لینا اسوجہ سے نہیں کہ حضرت مسیح بے گناہ تھے - اور آنحضرت بخشے ہوئے گناہگار بلکہ

اوس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مسیح کے گناہ (یا خطا) بخشش و معافی نہ مانگنے کے سبب (چنانچہ عسائی کہتے ہیں) یا مسیح کی کسر نفسی فروتنی والے خیال ہیں (چنانچہ مسلمان سمجھتے ہیں) بخشے نہ گئے تھے۔ اور سب کے سب جمع ہو کر اون کو دبا رہے اور شرما رہے تھے۔ اور آنحضرت بخشے بخشائے ہوئے تھے۔

معلوم ہوتا ہے آپ نے منطق انگریزی میں پڑھی ہے۔ جس میں عقلی منطق بہت کمی و خامی کے درجہ پر ہے۔ عربی میں منطق نہیں پڑھی جو بڑے زور کی منطق ہے۔ پڑھتے تو قیامت کے منطق کا پختہ ہونا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے خود بخود جان لیتے۔

بیان وجہ عدم ذکر گناہ مسیح و عدم وقوع شفاعت مسیح کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اسمیں سے دو امر ثبوت اور دلیل طلب ہیں — اوّل یہ کہ مسیح سے خطا۔ یا گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت مسیح گناہوں یا خطاؤں سے عیسائیوں کے اصول و اعتقاد کے روسے یا اپنے کسر نفسی و فروتنی والے خیال میں لدی ہوئے اور اُنکے بوجھ سے دبے ہوئے تھے۔

امر اوّل اگر ہمنے ثابت کر دیا تو امر دوم کا بار ثبوت اس سے زیادہ ہمارے ذمہ نہ رہے گا۔ کہ ہم عیسائیون کا یہ اصول و اعتقاد اون کی کتابوں سے نقل کر دیں۔ کہ حضرت عیسےٰ نے تمام عمر استغفار نہیں کیا۔ اور توبہ کر کے اپنے گناہوں (یا خطاؤں) کو خدا تعالےٰ سے معاف نہیں کرایا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر و مسلم کل ہے۔ و محتاج ثبوت نہیں ہے کہ گناہون یا خطاؤں کو دور کرنے کا مصالحہ و کفارہ صرف توبہ و استغفار ہے۔ اور جو شخص گناہ کر کے توبہ و استغفار سے رجوع نہیں کرتا وہ گناہوں کے بوجھ سے دبا رہتا ہے۔ لہذا امر دوم کے ثبوت میں عیسائی کے خطاب میں ہم کو ان کا وہی قول پیش کر دینا کافی و وافی ہے۔

ثبوت امر اوّل پر ہمارے پاس عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں۔

ایک عقلی دلیل ایک یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام انسان اور بنی آدم میں سے ایک آدمی ہے۔ اور جو آدمی ہے وہ خطا کرتا ہے۔ اس دلیل سے جو شکل اوّل بدیہی الانتاج کی صورت میں ہے یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح خطا کرتے تھے حضرات انبیا علیہم السّلام سے ہم صرف صدور خطا و نسیان ہی کے قایل ہیں۔ اور ان ہی خطاؤں کو اُن کے رتبہ و درجہ کی نظر سے گناہ کہا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کبیرہ گناہوں کے نہ کسی اور نبی سے صدور کے ہم قایل ہیں نہ حضرت مسیح میں انکا اثبات کر سکتے ہیں۔

اس دلیل کا پہلا مقدمہ (صغری) مسلّم کل ہے یونی ٹیرین (توحیدی عیسائی) تو حضرت مسیح کو صرف انسان اور آدمی مانتے ہی ہیں۔ اَور فرقے پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ جو اونکو خدا کہتے ہیں وہ بھی خدا ہونے کے ساتھ اون کی انسانیت کے بھی قایل ہیں۔ اور انکو ابن آدم بھی کہتے ہیں۔

دوسرے مقدمہ (کُبرے) کے ثبوت پر یہ دلیل قایم ہے۔ کہ حضرت آدمؑ سے خطا و نسیان ہونا جو ان کی انسانیّت کے لوازم طبعی سے تھا۔ جیسے سونا اور کھانا پینا مسلّم کل ہے۔ اور طبعی و عقلی دلائل سے ثابت و محقق ہو چکا ہے کہ باپ کے طبعی و نیچرل صفات اولاد کی طرف منتقل و متعدی ہوتی ہیں۔ اور ہم رات دن کے مشاہدہ سے تجربہ کر رہے ہیں۔ کہ ہر ایک انسان سے ضرور کبھی نہ کبھی خطا ہوتی ہے۔ اسی نظر سے سیّد العقلا و خاتم الانبیاء نے فرمادیا ہے خطاء اٰدم فخطأت ذریتہ (دیکھو صفحہ ۹۴) ایسا ہی انجیل سے ثابت ہے کہ تمام انسان خطا کار ہیں چنانچہ صفحہ (۲۳۱) میں بیان ہو گا

دوسری عقلی دوسری دلیل یہ کہ حضرت مسیح ایک انسان ہونے کی وجہ سے علم محدود و عقل ناقص رکھتے ہیں۔ اور جو شخص علم محدود اور عقل ناقص رکھے اس سے کبھی

نہ کبھی وقوع خطا ایک لازمی امر ہے۔ اس دلیل سے بھی پہلی دلیل کی طرح یقینی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سے خطا کا وقوع ایک لازمی امر تھا۔

اس دلیل کا بھی پہلا مقدمہ تو ہمارے مخاطب مسٹر اکبر مسیح وغیرہ توحیدی عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے رسالہ تنقیح الوہیت کے صفحہ ۹۱ میں لکھا ہے "کلام مقدس انسان کو نہایت وضاحت سے کم عقل و ناقص العلم بتلاتا ہے" اور اسی اصول سے ان الفاظ "الفا و امیگا و اوّل و آخر" کے جو مسیح کے حق میں بولے گئے ہیں محدود معنے میں مراد ہونا ثابت کیا ہے۔ دوسرے عیسائی بھی اگر انصاف کرینگے۔ اور مسیح کے ان خالات واعترافات کو جنسے اون کی لاعلمی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے قیامت کی گھڑی سے بے خبر ہونا (مرقس ۱۳/۳۲) یا حواریوں کے انتخاب کے وقت یہودا کے مرتد ہو جانے سے بے خبر ہونا۔ (لوقا ۶/۱۳-۲۳) وغیرہ وغیرہ جس کی تفصیل اشاعۃ السنہ نمبر ۱ جلد ۱۶ صفحہ ۳۴۵ میں ہو چکی ہے۔ چشم بینا سے پڑھیں گے تو اون کو بھی یہ مقدمہ تسلیم کرنا پڑے گا۔

دوسرا مقدمہ عقلاء جہان کے تجربہ و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اور کل کا اسپر اتفاق ہے۔ کہ جو شخص علم محدود اور عقل ناقص رکھتا ہو اوس سے ضرور کبھی نہ کبھی خطا سرزد ہوتی ہے۔ دانشمندان اہل اسلام تو یہانتک قائل ہیں کہ اس سے فرشتے بھی نہیں بچ سکے جس بات کا اون کو علم نہ دیا گیا تھا اسمیں اونہوں نے قیاس سے کام لیا تو وہ ہو کہ کھایا۔ جسکا بیان صفحہ (۱۵۵) میں ہو چکا ہے۔ ابن آدم یا انسان فرشتو سے بڑھ کر کیونکر ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ اپنے علم محدود اور عقل ناقص سے نتائج نکالنے میں دھوکہ نہ کھاوے۔ اسی وجہ سے کہ انسانی علم محدود اور عقل ناقص ہے۔ جہان کے عقلاء نے اس عقل ناقص کے فیصلہ کو جانچنے و پرکھنے کو میزان و پیمانہ عقلی قواعد

(منطق) وغیرہ مقرر کئے ہیں۔ اور پھر بھی اون میں باہمی اختلاف اور لڑائی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ ان قواعد اور میزان کے استعمال کرنے میں پھر اون سے غلطی ہو جاتی ہے۔ ان اختلافات کی تمثیلات پرانے حکیموں کے خیالات و مقالات سے دیکھنی چاہو تو۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۳ جلد ۲، ملاحظہ کرو۔ اور خاص کر دانشمندان اہل مذاہب نے مذہب و الہام وحی الہی کی ضرورت تسلیم کی ہے۔ اور یہ بات ٹھہرا رکھی ہے۔ کہ انسان اپنے عقلی نتائج میں غلطی کرتا ہے تو اون کی اصلاح کے لئے وحی الہی و الہام کی ضرورت ہے جسمیں غلطی کا دخل و امکان نہیں "وما کان ربک نسیا"۔ انسانی عقل و علم غلطی سے محفوظ ہوتی تو مذہب اور الہام کی ضرورت کو تسلیم کیا جاتا۔

نقلی دلیل ایک یہہ کہ خدا تعالے کا ارشاد ہے۔ کہ جن لوگوں کو مشرکین پکارتے (پوجتے) ہیں اون میں بہت قرب والے

اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب و یرجون رحمتہ و یخافون عذابہ ان عذاب ربک کان محذورا (بنی اسرائیل۔ ع ۶۔)	خدا کی طرف (طاعت کا) وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ اور خدا کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اوسکے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

اس آیت کے عموم میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ کیونکہ اون کو ہزاروں رومن کیتھلک وغیرہ پوجتے اور پکارتے ہیں۔ اور یہ امر محل اختلاف و نزاع نہیں ہے کہ اوسکے ثبوت کے لئے ہم قرآن کی آیات نقل کریں۔ اور اس میں بھی شک و اختلاف نہیں کہ حضرت مسیح خدا کے مقربین میں داخل و شامل ہیں۔ لہذا آپ کا خدا کے عذاب سے ڈرنا اس آیت کی شہادت سے ایک لازمی امر ہے۔ اور یہہ ظاہر ہے کہ عذاب سے ڈرنا اپنے گناہوں کے یا خطاؤں کے خیال سے ہوتا ہے۔

"آں راکہ حساب پاک است از محاسبہ (مواخذہ) چہ باک"۔ بناءً علیہ یہ آئت صریح وصاف دلیل ہے کہ حضرت عیسےٰ سے بھی خطا صادر ہوئی اور وہ ان خطاؤں کی نظر سے خدا کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

دوسری نقلی دلیل یہ قول خداوندی ہے کہ آدمی بنایا گیا ہے گھبرانے والا برائی پہنچے تو بے صبرا۔ بھلائی ہاتھ لگے تو کنجوس۔ بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں اور بجز اون لوگوں کے جنکے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے کا حصہ مقرر ہے۔ اور بجز اون لوگوں کے جو قیامت کو مانتے ہیں۔ اور بجز اُن لوگوں کے جو خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ اون کے رب کا عذاب اس لایق ہے کہ اس سے بے فکر نہ رہیں۔

ان الانسان خلق هلوعا اذا مسه الشر جزوعا۔ واذا مسه الخير منوعا۔ الا المصلين الذين هم على صلوتهم دائمون۔ والذين فى اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔ والذين يصدقون بيوم الدين والذين هم من عذاب ربهم مشفقون۔ ان عذاب اليم غير مامون (معارج ع ۱)

اس آیت کے لفظ الانسان کے عموم میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ پھر وہ یقیناً ان مستثنیٰ لوگوں (دائمی نمازیوں خیرات کرنے والوں قیامت کو ماننے والوں خدا کے عذاب سے ڈرنے والوں) میں داخل ہیں۔ کوئی اہل ایمان نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان چاروں صفات سے ممتاز ہونگے۔ گھبرانے والے انسانوں سے مستثنے نہیں ہیں۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرنا اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔ کہ انسان سے کچھ خطا ہو اور وہ اپنے خطا کا معترف ہو

آنراکہ حساب پاک است از محاسبہ (مواخذہ) چہ باک۔

تیسری نقلی دلیل خدا تعالے کا یہ قول ہے۔ کہ اگر خدا تعالے لوگوں پر

ولو یواخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علیھا من دابۃ ولکن یوخرھم الی اجل مسمّی (النحل ۔ ع ۔ ۸)	اون کے ظلم کے سبب مواخذہ کرنا چاہے تو زمین پر کسی ایک چلنے والے کو نہ چھوڑے ولیکن اون کو ایک وقت مقرر تک

ڈھیل دیتا ہے۔

اس عموم لفظ الناس میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام بھی داخل وشامل ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کی عبادت واطاعت کا پورا پورا حق جیسا کہ چاہیئے کسی بشر سے ادا نہیں ہوا۔ اور نہ طاقت بشری سے وہ ادا ہو سکتا ہے۔ اس نظر سے تمام لوگوں کی اس تقصیر کو خدا تعالےٰ کا ظلم کہنا ظلم نہیں عین الصواب ہے۔ اس دلیل کی مزید تشریح دلیل ششم میں ہوگی انشاءاللہ۔

چوتھی نقلی دلیل یہ ہے ۔ کہ جو آنحضرت کا ارشاد ہے۔ کہ آدم کی بیٹوں

کل بنی آدم خطاء ۔ وخیر الخطائین التوابون (مشکوۃ صـــ ۱۹۶)	میں سے جو ہے وہ خطا کار ہے۔ اور بہتر خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرنیوالے ہیں۔

اس عموم میں بھی حضرت مسیح داخل ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کی صریح شہادت ہے۔ کہ وہ خطاء کرتے تھے۔ اور چونکہ ہمارے یقین وایمان کے رو سے وہ نیکوکار اور بہترین لوگوں میں سے تھے۔ لہٰذا وہ توبہ واستغفار بھی ضرور کرتے ہوں گے۔ اور اون کی خطائیں معاف ہوتی رہتی ہیں۔ (گو عیسائی اون کی معافی میں خوش نہیں اور گناہوں کے بوجھ میں اون کے دبے رہنے میں راضی ہیں)

پانچویں نقلی دلیل آنحضرت کا یہ قول ہے۔ کہ اے خدا تو اگر بخشش کرنا

عن ابن عباس الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	چاہتا ہے تو بڑے گناہ بخشدے ۔ تیرا ایسا بندہ کونسا ہے جس نے چھوٹے گناہ نہ کئے ہوں ۔ اور تو اون کو نہ بخشتا ہو ۔

ان تغفر اللھم تغفر جمًا وأی عبد لك لا ألمّا (جامع ترمذی ص۱۶۹ جلد ۲ -)	(یعنے چھوٹے گناہون کی بخشش سے توکوئی بندہ بھی محروم نہیں - ہم پر نظر خاص عنایت ہے تو ہمارے بڑے گناہ بھی بخش دے -)

یہ قول آنحضرت کا ایک شعر اُمیہ بن الصلت پرانے موحد شاعر کا مضمون ہے آنحضرت نے اوسکو پسند کیا اور اپنی دعا میں اسی کو پڑھ دیا - آنحضرت کا بڑے گناہون کی بخشش چاہنا اسی اصول پر مبنی ہے جو بارہا بیان ہوا - کہ بڑے لوگ اپنے چھوٹے گناہون کو بھی بڑا سمجھتے ہیں - حسنات الابرار سیاٰت المقربین اس عموم قول نبوی میں بھی حضرت مسیح داخل ہیں - کیونکہ وہ بھی ایک بندہ خدا تھو اور بندوں میں داخل و شامل - **شائد حضرات عیسائی کہیں** - کہ ان دلائل خمسہ میں عمومات سے استدلال کیا گیا - اور اس عموم سے حضرت مسیح کا خطاکار رہونا ثابت کیا ہے - حضرت مسیح کے خاص نام کے متضمن کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی - اون کے اس عذر کو اٹھانے اور اون کی خاطرداری اور خوش کرنے کیلئے ہم چھٹی دلیل ایسی لاتے ہیں جس میں گناہگاروں یا خطاکاروں کی فہرست میں حضرت مسیح کا صریح نام بھی داخل و درج ہے - دیکھئے اسپر عیسائی ہم کو کیا انعام بخشتے ہیں

چھٹی نقلی دلیل آنحضرت کا یہ قول ہے - کہ اگر خداتعالےٰ مجھ کو اور مسیح کو ہمارے گناہوں کے سبب پکڑنا چاہے - تو ہم کو عذاب کرے اور اسمیں وہ ظالم نہ ہو -

لو ان الله یؤاخذنی وعیسیٰ بن مریم بذنوبنا لعذبنا ولا یظلمنا شیئا - واشار بالسبابة والتی تلیھا - وفی روایة	دیکھئے یہ صاف نام مسیح پر تصریح ہے - کہ اگر خدا گناہوں کے سبب مسیح کو پکڑنے لگے تو اسمیں بھی وہ ظالم نہ ہو -

لو یؤاخذنی اللہ وابن مریم بما جنت ھاتان۔ یعنے الابھام والتی تلیھا لعذبنا ولو یظلم شیئًا رواہ ابن حبان فی صحیحہ

(ترغیب وترہیب منذری)

یہ حضرت مسیح کے مرتکب خطا ہونے پر قرآن وحدیث کے دلائل ہیں۔ انجیلی دلائل جنسے مسیح کی خطائیں ثابت ہوتی ہیں۔ اس کثرت سے ہیں کہ ہم اس مضمون میں اون کو پورا نہیں کر سکتے۔

ازانجملہ بعض خطاؤں کی تمثیلات کو قرآنی بحث کو ختم کرکے انجیلی بحث پیش کرینگے انشاء اللہ تعالےٰ۔

ان دلائل ستہ قرانیہ وحدیثیہ سے امر اوّل جسکا ذکر صفحہ ۱۸۵ میں ہوا تھا۔ کہ حضرت مسیح سے خطا یا گناہ سرزد ہوئے ثابت ہوا۔ اور امر دوم کہ حضرت مسیح نے اپنے خطاؤں سے توبہ واستغفار نہیں کیا خود عیسائیوں کا مسلمہ ہے۔ چنانچہ بصفحہ ۱۶۱ سے منقول ہوا۔ ان دونوں امروں کے ثابت ہونے سے ہمارا یہ دعوے ثابت ہوگیا کہ انکار از شفاعت کے وقت حضرت مسیح سے کسی گناہ کا مذکور نہ ہونا۔ اور مسیح کا صرف اجمالی طور پر اس لفظ سے کہ میں شفاعت کے لائق نہیں ہوں۔ گناہوں کا اقرار واعتراف کرنا اسیوجہ سے ہوا تھا کہ اون کے گناہ یا خطا بہت تھے جو استغفار نہ کرنے کے سبب جمع ہوگئے تھے۔ (جیسا کہ عیسائیوں کے اصول مذکور کا لازمہ ہے۔) یا حضرت مسیح فروتنی سے ان کو بہت سمجھتے تھے (جیسا کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے) اس عدم ذکر گناہ کیوجہ وہ نہیں ہے جو مسٹر اکبر مسیح نے بیان کی ہے۔ کہ اون سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔ لہذا یہ دلیل چہارم مسٹر اکبر مسیح میں ویسی ہی نامتمام اور اون کے دعوے کے اثبات سے قاصر ہے۔ جیسے کہ تین دلائل اوّل ناکام ہیں۔ اس بیان با برہان سے آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہوا۔ کہ مسٹر اکبر مسیح نے اپنے دعوے کی جزو اول پر

جو دلائل اربعہ قائم کئے تھے۔ ان میں ایک دلیل بھی اون کے دعوے کی دلیل نہیں ہو سکتی اور حضرت مسیح کو عصمت میں دوسرے انبیاء پر کوئی ترجیح و فوقیت نہیں ہے۔ عمداً گناہ کرنے سے سبھی انبیاء پاک و معصوم ہیں۔ و خطا و سہو نسیان سے حضرت مسیح بھی پاک نہ تھے۔

اب ہم دعوائے مسٹر اکبر مسیح کا معارضہ کرتے ہیں۔ اور اپنے اس دعوائے مذکورہ صفحہ (۳) پر کہ اگر ترجیح کیطرف رجوع کیا جاوے تو آنحضرت کی حضرت مسیح پر ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ دلائل قائم کرتے ہیں۔

پس واضح ہو کہ حسب بیان و تصریح مسٹر اکبر مسیح جو اون کے خط ۲۰۰ جنوری ۱۸۹۶ء - ۶ - میں موجود ہے[۱]۔

[۱] - مسٹر اکبر مسیح نے وہ دلائل اربعہ جنکے جوابات ہم صفحہ ۱۶۰ سے صفحہ ۱۹۲ تک ادا کر چکے ہیں خط ۱۱ جنوری ۱۸۹۶ء میں تحریر کر کے ارسال کئے تھے ہمنے اپنے خط نمبری ۳۲ مورخہ ۱۵ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ میں اون کو لکھا تھا کہ آپ نے جو آیات و احادیث و اقوال اہل سنت نقل کئے ہیں وہ میرے عقیدہ کے مخالف اور آپ کے دعوے کے موافق و مثبت نہیں۔ لہذا مناسب ہے کہ آپ اپنی کل تحریر کو واپس ڈراکر لین (یعنے واپس لیں) اور اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی آیت یا حدیث یا بائبل کی کوئی دلیل پیش کریں۔ اگر نہ ہو سکے تو مجھ اجازت دیں کہ میں انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح علے نبینا و علیہ السلام ان معنے کر جو آپ نے تجویز کر رکھے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے۔

اسکے جواب میں آپ نے خط ۲۰ جنوری ۱۸۹۶ء مندرجہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ میں لکھا اسکے ساتھ آپ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اجازت دیں کہ میں انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح ان معنے کر جو آپ نے تجویز کر رکھے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب

حاشیہ متعلق بر صفحہ (۱۹۲)

مسیح جنکی عصمت سے بحث ہے دو ہیں ایک قرآنی مسیح دوسرا انجیلی مسیح ان دونو کے مصداق ومفہوم سے جو مراد مسٹر اکبر مسیح کی ہے اوسکو وہ جانیں۔ ہم کو اس سے غرض نہیں۔ ہماری مراد جو ان الفاظ کے مفاہیم سے ہے۔ اوس کو ہم بیان کرتے ہیں۔

نقل حاشیہ صفحہ (۱۹۳)

خطا ہوے۔ جناب مولوی صاحب! ابھی انجیل سے بحث نہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اگر یہ دعوے حق ہے۔ تو آپ اسکو قرآن سے ثابت کریں کہ مسیح بارہا یا صرف ایک ہی بار مرتکب خطا ہوے۔ کیونکہ آپ خوب سمجھے کہ میرا دعوے یہ ہے۔ بموجب قرآن مسیح بالکل معصوم ہیں۔ ان سے کبھی کوئی خطا نہیں۔ اور اوس کو میں ثابت کر چکا ہوں اور جب وقت آوے گا یہ بھی ثابت کرونگا۔ کہ بربنا انجیل بھی مسیح اس معنے میں معصوم ہیں۔ اور جو آپ کے شکوک ہونگے اون کو رفع کر دینا میرا ذمہ ہے۔ پھر لو فرضاً اگر آپ یہ ثابت کر دین کہ انجیلی مسیح سے خطا ہوئے تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ قرآنی مسیح انجیلی مسیح سے افضل ہے۔ اور اس حالت میں بھی آپ قرآنی مسیح کی فضیلت تسلیم کرینگے اور ہمارا مقصود یہی ہے"۔

مسٹر اکبر مسیح کے اس قول کا جواب بھی ہمارے بیان سابق اور لاحق سے مسٹر اکبر مسیح اور دیگر ناظرین کو خیال میں آجائے گا۔ اور معلوم ہوگا کہ جس مسیح کی فضیلت کے مدعی مسٹر اکبر مسیح ہیں اس کی فضیلت نہ قرآن سے ثابت ہوتی ہے نہ انجیل سے۔ اور جس قرآنی مسیح کی فضیلت قرآن تسلیم کرتا ہے وہ محل بحث ونزاع نہیں ہے۔ نہ ہم کو اس کی فضیلت کے ثبوت سے انکار اور نقصان ہے۔ اور نہ مسٹر اکبر مسیح کو اوس کی فضیلت کے ثبوت کا دعوے اور نہ اس سے کچھ فائدہ۔ وہ مسیح تو ہم مسلمانوں کا مسیح ہے اسکی فضیلت ثابت ہونے سے ہمارا ہی فایدہ ہے وہ عیسائیوں کا مسیح نہیں ہے کہ اُسکی فضیلت ثابت ہونے سے اونکا فایدہ ہو۔

قرآنی مسیح ہم اُس مسیح کو سمجھتے ہیں جس کے محامد و کمالات قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔ اور اون پر منزل انجیل شریف کے حق میں "ھدی و نور" فرمایا ہے۔

انجیلی مسیح ہم اس مسیح کو سمجھتے ہیں جس کے اقوال و حالات و تعلیمات موجودہ اناجیل اشخاص اربعہ (متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا۔) میں منقول ہیں۔ اور اوسکو ان اناجیل اور اوس کے حواشی نے مصلوب و ملعون* قرار دیا ہے۔

قرآنی مسیح کو ہم اہل اسلام مقدس نبی اور منجملہ اولوالعزم رسل ایک عالی درجہ کا رسول جانتے ہیں اور اون پر یا اون کی مانند اور اولوالعزم رسولون پر خاتم المرسلین کو ایسے طور پر ترجیح دینا جس سے اون کی توہین و تنقیص شان لازم آوے۔ جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خاتم المرسلین نے خود اپنی زبان درافشان سے یہ حکم دیا ہوا ہے۔ کہ انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت میں ترجیح نہ دو۔ اور نیز آپ نے فرمایا

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفضلوا بین الانبیاء۔ وقال لاینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متی (صحیح بخاری ص ۴۸۵) قلت معناہ لا تفضلوا بعضا بحیث یلزم منہ نقص المفضول۔ (کرمانی شرح بخاری)

کسی کو لائق نہیں ہے کہ یہ کہدے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ جس کے معنے کرمانی وغیرہ محدثین نے یہی بیان کئے ہیں کہ ایسے طور پر ایک کی فضیلت بیان نہ کرو جس سے دوسرے کی منقصت شان لازم آوے۔

اس قرآنی مسیح پر ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں ترجیح صرف اس قدر (جس سے حضرت مسیح کی منقصت شان و توہین ہرگز لازم نہیں آتی) بیان کر سکتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کی اجازت نہیں پاتے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت و حفاظت کا خدا تعالےٰ

* صفحہ ۲۲۹ ملاحظہ ہو۔

نے جسقدر اہتمام کیا ہے۔ اور اوسکا ذکر اپنی مقدس کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے اور اوسکے اثر و نتیجہ سے ہمکو آگاہ کر دیا ہے۔ اسقدر اہتمام عصمت و حفاظت حضرت مسیح کا نہیں کیا۔ اور نہ قرآن میں اسکا ذکر فرمایا۔ اور نہ اوس کے اثر سے ہم کو آگاہ کیا ہے۔ اس اہتمام اور اسکے نتیجہ و اثر کا ذکر ان آیات میں پایا جاتا ہے۔ جن کو منکرین عصمتِ آنحضرت دلیل عدم عصمت سمجھتے ہیں۔ اور ہم نے ان آیات کے جوابات و تشریحات میں یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ وہ آیات آنحضرت کی عصمت کے دلائل ہیں نہ نفی عصمت کے۔

مثلاً آنحضرت نے بعض اشخاص کو لڑائی سے ہٹ رہنے کی بے موقعہ اجازت دی تو اوسپر آپ کو فوراً اطلاع ہوئی۔ تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ (صفحہ ۱۱۳ دیکھو)۔ ایک نابینا کے بے موقعہ سوال پر آپ نے مُنہ پھیر لیا۔ تو اوس سے جھٹ روکا کیا۔ (صفحہ ۱۱۵ وغیرہ دیکھو۔)۔ فقرا صحابہ کو اغنیا کفار کے وقت میں آنے سے روکنا چاہا۔ تو حکم نازل ہوا۔ کہ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ (صفحہ ۱۱۶ وغیرہ دیکھو۔) قوم ثقیف کی بے جا درخواست کو منظور کرنے سے پہلے ہی آپ کو اس سے روکا گیا۔ (صفحہ ۱۳۹ دیکھو) ابیرق[1] کی

[1] اسکا ذکر آگے رسالہ میں نہیں ہوا۔ اسکا مختصر حال یہ ہے۔ کہ ابیرق کی بیٹی طعمہ یا بشیر نے ایک شخص کی زرہ چورائی۔ پھر ایک یہودی کے ذمہ لگا دی۔ اوس کے لوگوں نے چاہا کہ ہم اسکی برأت و صفائی کی شہادت دیکر آنحضرت کو اسکا حامی بنائیں۔ آنحضرت نے اون کی شہادت پر حمایت کا ارادہ کیا تو فوراً اس آیت کا نزول ہوا۔ انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما (نساء۔ ع ۱۶۔) یعنی ہمنے تیرطرف کتاب حق کے ساتھ اسلئے اتاری ہے کہ تو خدا کی فہمائش سے لوگوں میں حکم کرے۔ پس تو خیانت والوں کا حمایتی نہ بن جایو۔ یہ قصہ عامہ تفاسیر میں ہے۔ اور کتب حدیث سے جامع ترمذی میں (صفحہ ۱۴۴) ہے مفسرین نے نام چور کا طعمہ بتایا ہے۔ ترمذی نے بشیر۔

بعض اولاد کی بے جا حمایت کرانا۔ اوس کی قوم نے آپ سے چاہا۔ تو علے الفور اُس سے روک دیا گیا۔ اسی طرح ہمیشہ آپ کی حفاظت و عصمت ہوتی رہی۔ اور کسی غلطی یا خطاء پر آپ کو قیام نہیں ہوا۔ اور نہ کسی نے اس میں آپ کا اقتداء کیا۔ یہانتک کہ آپ کا دین آپ کا عمل آپ کی ہدایت آپ کا طریق غلطی و خطا سے پاک اور خالص مخلص ہوگیا۔

اور یہ بات ظاہر ہے۔ اور بضمن تمہید معنے عصمت بیان ہوچکی ہے۔ کہ بُری چیز کی بُرائی پر آگاہ کرنا۔ اور اچھی چیز کی اچھائی بتاتے رہنا عصمت کے قوی ذرائع اور عمدہ وسائل و اسباب سے ہے۔

اس دائمی تادیب و حفاظت و صیانت و ہدایت کے ساتھ آپ کو ہر وقت توبہ و استغفار کی خدا کی طرف سے ہدایت ہوتی رہتی۔ و دن رات آپ کی اس میں گذرتی جس سے ہر ایک لغزش و خطا سے آپ کی اور بھی صفائی و پاکی عمل میں آئی جس کا اثر و نتیجہ وہ ظاہر ہوا۔ جو آیات منقولہ ذیل میں بیان ہوا ہے۔

(۱) انک لعلی ھدی مستقیم (الحج ع ۹) (۱) بلاریب تو سیدھے راہ پر ہے (یعنے جس حکم و ہدایت پر ہم نے تجھے قائم کردیا ہے۔ روکا ٹوکا نہیں۔ وہ سیدھی راہ ہے اس میں ذرہ بھر کجی و خطا نہیں۔

(۲) انک لتھدی الی صراط مستقیم (۲) بے شک تو سیدھے راہ کیطرف لوگونکو ہدایت کرتا ہے۔

(۳) انک لتدعوھم الی صراط مستقیم (المؤمنون ع ۴۔) (۳) اس میں شک نہیں کہ تو سیدھے راہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

(۴) انک علی الحق المبین (النمل ع ۶۔) (۴) یقیناً تو ایسے حق پر ہے۔ جسکا حق ہونا ظاہر ہے۔ یعنے اسمیں خطاء کا اشتباہ نہیں۔

(۵) وانزل الله علیك الکتٰب والحکمة وعلمك مالم تکن تعلم وکان فضل الله علیك عظیما۔ (نساء ع-۱-)

(۵) خدانے تجھ پر کتاب اوتاری اور تجھے حکمت (دین کی دانشمندی) علا کی اور وہ کچھ سکھایا جسکا تجھے علم نہ تھا۔ اور تجھ پر خدا کا بڑا ہی فضل ہے۔

(۶) من یطع الرسول فقد اطاع الله (نساء ع ۱۱-)

(۶) جس نے رسول کا کہا مانا۔ خدا کا مانا۔ (یعنے اس لئے کہ وہ خدا ہی کا کہا کہتا ہے۔)

(۷) واطیعوا الله واطیعوا الرسول وان تطیعوه تهتدوا۔ (نور ع-۷-)

(۷) خدا کا۔ اور رسول کا کہا مانو (یعنے وہ ایک کہتا ہے) اگر منہ پھیروگے تو رسول کے ذمہ ہے جو اس پر رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر رکھا گیا۔ رسول کا کہا مانوگے تو راہ پاؤگے (یعنے اس لئے کہ اوس میں خطا نہیں)

(۸) بل جاء بالحق وصدق المرسلین (والصافات ع-۲-)

(۸) وہ رسول ایسے احکام لایا ہے جو حق ہیں۔ اور وہ پہلے رسولوں کی (اصول احکام میں) تصدیق کرتا ہے۔

(۹) وما اتاکم الرسول فخذوه (الحشر-ع-۱)

(۹) رسول جو تم کو (حکم) یا اور جو کچھ) دے۔ اوس کو قبول کرو۔ (یعنے اسلئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔)

(۱۰) ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی علمه شدید القوی (نجم ع-۱)

(۱۰) تمہارا صاحب (رسول) بہکا نہیں اور نہ بے راہ چلا۔ اور وہ اپنی خواہش سے (احکام دین میں) کچھ نہیں بولتا۔ (جو وہ کہتا ہے) وہ ہمارا حکم ہے۔ جو اوسکو پہنچتا ہے۔ جس کو اُسے مضبوط قوتوں والے

(خدا ہی نے سکھایا ہے۔ (یعنے اسمیں خطا کا دخل نہیں)

(۱۱) وما تنزلت به الشياطين (الشعراء ع-۱۱)

(۱۱) اس قرآن کو شیاطین نے نہیں اتارا (یعنے اسمیں انکا دخل نہیں)

(۱۲) ان وليي الله الذی نزل الكتب وهو يتولى الصالحين (اعراف ع ۲۴)

(۱۲) (تو کہدے) میرا حمایتی و مربی وہادی وہ اللہ ہے جس نے اس کتاب کو اوتارا۔ اور وہی سب نیک بندوں کا متولی ہے۔

(۱۳) النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم (احزاب-ع-۱)

(۱۳) نبی مسلمانوں کی اپنی جانوں سے اون پر حکم کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے (کیونکہ اوس کے حکم میں خطا کی آمیزش نہیں۔ اور وہ اون کی جان سے بڑھ کر خیرخواہ ہے۔

(۱۴) هو الذی ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره الكافرون (توبہ-ع-۵)

(۱۴) وہی ہے جسنے رسول کو ہدایت دین اور حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اوسکو۔ اور سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر (اس سے) ناخوش ہوں۔

(۱۵) یا اهل الكتب قد جاءكم رسولنا يبين لكم كثيرا مما كنتم تخفون من الكتب ويعفوا عن كثير قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين (مائدہ-ع-۳)

(۱۵) کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول پہنچا جو تم کو تمہارے بہت چھپائے ہوئے (احکام) بتاتا ہے اور بہتیری باتوں سے درگذر کرتا ہے۔ بیشک تمہارے پاس نور (یہی رسول) پہنچا۔ اور کتاب بیان کرنے والی (قرآن)

(۱۶) انا نحن نزلنا الذكر وانا له

(۱۶) اس ذکر (قرآن) کو ہم نے ہی

لحافظون (حجر - ع - ۱)

اُتارا اور ہم ہی اوس کے نگہبان ہیں (اس سے کہ اوس میں ایک حکم یا نقطہ کا تغیر ہو)

(۱۷) ھوالذی ینزل علی عبدہ ایات بینت لیخرجکم من الظلمات الی النور۔ (حدید - ع -)

(۱۷) وہی ہے جس نے اپنے بندہ پر کھلی (روشن) آیتیں اتاری ہیں تاکہ وہ تمکو اندھیروں سے اُجالے کیطرف نکالے۔

(۱۸) یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا مبشرا ونذیرا داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔ (احزاب - ع - ۳ -)

(۱۸) اے نبی ہم نے تجھے (دوسرے نبیوں کے لئے گواہ) اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری سُنانے والا اور (منکروں کو عذاب سے) ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے اس کی طرف (لوگوں کو) بلانے والا - اور ایک روشنی دینے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۹) انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ویتم نعمتہ علیک و یھدیک صراطا مستقیما (فتح - ع)

(۱۹) ہم نے اس لئے تجھے فتح نصیب کی ہے - کہ تیرے اگلے پچھلے خطا سب معاف ہوں (اور تو اون سے پاک ہو) اور تجھ پر مہربانی پوری ہو - اور تجھے سیدھی راہ پر (جسمیں ذرہ بھر خطا و کجی نہ ہو) وہ چلادے۔

(۲۰) عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ (بنی اسرائیل - ع - ۹ -)

(۲۰) (تو امید رکھ کہ تجھے تیرا رب ایک ایسے مقام میں کھڑا کرے گا جس میں سب لوگ تیرے شکر یہ میں) تعریف کرینگے (یعنے مقام شفاعت جو اس عصمت کا آخری پھل و نتیجہ ہے)

اس مضمون کی آیات قرآن میں صدہا ہیں - مگر اختصار کی نظر سے

ان آیات ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ یہ آیات نص قاطع ہیں۔ کہ آنحضرت سراپا عصمت و نور و ہدائیت و حق استقامت تھے۔ خطا کا ان میں دخل و شائبہ نہ تھا۔ خدا تعالے خود آپ کا متولی و حمائتی و محافظ رہا۔ اور اس حمائیت حفاظت الہی میں دین کو کامل و مکمل بنا کر وہ خدا کی طرف گئے۔ اور جب تک دنیا قائم ہے اُنکا دین غالب اور اون کا قرآن محفوظ و خدا کی عصمت و حمائیت و صیانت و حفاظت میں رہیگا جسکا یہ اثر اس وقت تک کس و ناکس موافق و مخالف نے دیکھ لیا۔ کہ اس قرآن کے لاکھوں حفاظ ہیں۔ ایک لفظ یا شوشہ میں کوئی غلطی یا اشتباہ ڈالنا چاہے۔ تو ڈال نہیں سکتا اس کے مقابلہ میں ہم حضرت مسیح کی عصمت اور اون کی انجیل کی حفاظت کے اہتمام کی طرف نظر کرتے ہیں۔ تو باوجود اس امر کے کہ قرآن میں حضرت مسیح کے حالات و صفات و مقالات مصرحاً و مشرحاً منقول و موجود ہیں۔ اس میں اہتمام حفاظت و عصمت مسیح کا کہیں ذکر و نام و نشان نہیں پاتے۔ اس سے ہمارا مقصود یہ نہیں کہ خدا تعالے اون کی حفاظت و حمائیت عصمت و صیانت میں اہتمام نہ کرتا تھا۔ بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ اون کے حق میں اہتمام کا قرآن میں ذکر نہیں۔ لہذا اس اہتمام کے ذکر سے آنحضرت کو حضرت مسیح پر ترجیح ہے۔

ہاں یہ بات ہم ضرور کہتے ہیں۔ اور اوسکے کہنے کی قرآن سے اجازت پاتے ہیں کہ خدا تعالے نے اگلی کتاب انجیل کی اور اون کتابوں کی جو اون سے پہلے تھیں۔ اور اون کی دست آویز تھیں۔ حفاظت اپنے ذمہ نہیں لی۔ اور نہ اون کی حفاظت کی۔ بلکہ وہ حفاظت اون ہی لوگون کے ذمہ پر ڈال دی۔ جو اس کتاب کے محافظ نبی ہوئے تھے۔ چنانچہ آیت منقولہ حاشیہ میں توریت کی حفاظت اون کے سپرد ہونے کا ذکر ہے۔ ایسا ہی کتاب استثناء کے باب ۴۔

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا	

للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ (مائدہ - ع - ۷)	آیت ۲ - و باب ۱۲ - آیت ۳۲ میں ذکر ہے - و مکاشفات باب ۱۲ - آیت ۱۸ - وغیرہ میں انجیل کی حفاظت ان کے

سپرد ہونے کا ذکر ہے۔

اور واقعہ اور نفس الامر بھی اس حفاظت الٰہی کے اٹھائے جانے پر شاہد ہے۔ ایک مدت سے روئے زمین پر اصلی و محفوظ انجیل منزل من جانب اللہ کا نام و نشان نہیں ہے جو انجیل موجود ہے وہ حضرت عیسیٰ کے بعد اوروں کی تصنیف ہے۔ سو بھی اکثر تراجم ہیں جنمیں ہمیشہ بدلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان میں تحریفیں واقع ہوتی ہیں جن کو انجیل والوں نے دبی زبان سے اور کاتب غلطی کے نام سے مان لیا ہوا ہے۔ بعض انجیلوں (متی کی انجیل) کی اصلیت صفحہ ہستی سے ایسی محو ہوئی ہے۔ کہ اوس کی اصلی زبان عبرانی کا کہیں پتہ نہیں۔ اوس کی موجودہ عبرانی یونانی کا ترجمہ ہے۔ اور مترجم کا پتہ نہیں کہ کون تھا۔

اس اجمال کی تفصیل مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتابوں اعجاز عیسوی وغیرہ میں ہے۔ اور ہمارے اشاعۃ السنہ نمبر ۹ جلد ۱۱ ص ۲۶۶ میں بھی کسی قدر اسکا ذکر ہے۔

اس موقعہ پر عیسائی مسلمانوں کو یہ کہتے ہیں کہ اگر ہماری انجیل اصلی نہیں تو تم بتاؤ اصلی کہاں ہے۔

یہ سوال اُن کا عجیب سوال ہے۔ اور داب مناظرہ سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ بار ثبوت مدعی پر ہوتا ہے۔ نہ منکر پر۔ مدعی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ انجیل وہی ہے۔ جسکا مسیح پر نازل ہونا قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے۔ کہ ان

وقفینا علیٰ اثارھم بعیسی ابن	

مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ واتیناہ الانجیل فیہ ھدی ونور (مائدہ - ع - ۷ -)	نبیوں کے پیچھے ہم نے عیسےٰ بن مریم کو بھیجا توراۃ کو جو اوس کے آگے تھی سچّا کرنے والا ہم نے اوس کو انجیل دی جسمیں ہدایت و نور ہے۔

مسلمان اس دعوے کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ انجیل بعینہ وہ نہیں ہے جو مسیح پر اوتری تھی۔ بلکہ یہ متی وغیرہ کی تصنیف انجیل ہے۔ چنانچہ یہ انجیل خود ناطق وشاہد ہے۔ اس میں شائد اصلی انجیل کا کوئی ورس ہو۔ اس انکار کے مقابلہ میں عیسائیوں کا یہ کہنا کہ یہ انجیل اصلی نہیں۔ تو اصلی انجیل تم نکال کر دکھاؤ۔ خلاف عقل و واہ مناظرہ ہے۔

مسلمان اس انجیل کے محافظ و پیرو ہوتے۔ اور اس انجیل کو اپنا دستور العمل بنانے کے خدا کی طرف سے مامور ہوتے۔ تو اوسوقت وہ اس سوال کا محل ہو سکتے۔

مسلمانوں کا توریت و انجیل کی پیروی کرنا قرآن ہی کے ذریعہ سے اور اوس کے ضمن میں ہے۔ لہذا مسلمانوں کی انجیل بھی قرآن ہے۔ اون کی توریت بھی قرآن ہے۔ اون کی زبور بھی قرآن ہے۔ وعلے ہذا القیاس مسلمانوں کے پیش کردہ ونشان دادہ انجیل کو مان لینا ہو تو اسی قرآن کو انجیل مان لو۔

اگر انجیل کی عدم حفاظت اور بمقابلہ اسکے قرآن کی حفاظت پر کسی کے دلمیں یہ اعتراض پیدا ہو۔ کہ یہ سب کتابیں خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ تو خدا نے ان سب کی حفاظت یکسان کیوں نہ کی تو اسکا جواب وہ اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۱۱ کے صفحہ ۱۴۳ - وغیرہ میں دیکھ لے۔ اسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہ قدرتی امر ہے اسکا جواب ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ ومہذا اس قدر کہا جا سکتا ہے۔ کہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آسمانی اور آنحضرت کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا۔ اور اس

دین محمدی کو قیامت تک قایم و مستقیم رکھنا خدا کو منظور تھا۔ اس لئے اوس کی حفاظت کو خدا نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اور توریت و انجیل کے بعد قرآن اور آنحضرت کو بھیجنا خدا کے علم مقدر و مقرر تھا۔ اس لئے خدا تعالے نے اون کی حفاظت کو اون لوگوں نے سپرد کیا۔ اپنے ذمہ نہ لیا۔ (جیسے کوئی حاذق حکیم کسی بیمار کا علاج ایک نسخہ سے عارضی طور پر چند روزہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اسکے بعد دوسرے نسخہ عمدہ اور دائم الاثر سے علاج کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو اس پہلے نسخہ کی حفاظت کا چنداں اہتمام نہیں کرتا۔ اس اصول کے مطابق خدا تعالے حفاظت کتب مذکورہ کا اہتمام خود نہ کیا اون ہی لوگوں کے سپرد کیا۔ پھر جب اُنہون نے حفاظت میں قصور کیا تو اس قصور کی اصلاح کے لئے قرآن مجید اور آنحضرت کو بھیجدیا۔ جو ان کتابوں پر خدا کی طرف سے محافظ و قاضی و حاکم و مصلح ہو کر آئے۔

آنحضرت اور قرآن کے اس منصب سے آیات ذیل خبر دیتی ہیں۔

ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون (النمل ع ۶)

ایک آیت میں ارشاد ہے۔ یہ قرآن بنی اسرائیل کے اکثر اختلافات (جو کتاب کے احکام میں تصرف کر کے وہ کر رہے ہیں) فیصلہ کرتا ہے۔ (یعنے حق ظاہر کرتا ہے)

وانزلنا علیک الکتب مصدقا لما بین یدیہ من الکتب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ الیک ولا تتبع اھوائھم عما جاءک من الحق وان احکم بینھم بما انزل اللہ

ایک آیت میں ارشاد ہے۔ ہم نے تجھ پر کتاب اوتاری ہے۔ سچی کرنیوالے اون کتابونکو جو اُسکے آگے ہیں (یعنے اون کے احکام کو جو تصرف سے محفوظ ہیں) اور اون کی محافظ ہے۔ پس تو ان ہی احکام کی پیروی کر جو تیرے طرف اوتاری گئی ہیں۔ اور حق چھوڑ کر لوگونکی

ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوك عن بعض ما انزل الله الیك فان تولوا فاعلم انما یرید الله ان یصیبھم ببعض ذنوبھم وان کثیرا منھم لفاسقون۔ (مائدہ۔ع۔۷۔)

خواہش پر نہ چل ان میں اس حکم کو جاری کر جو خدا نے اوتارا ہے۔ اور جو انہوں نے اپنی خواہش سے بنا لیئے ہیں۔ انکی پیروی نہ کر اور اس سے بچ جا۔ کہ وہ تجھے خدا کے اُتارے ہوے احکام سے بچلاویں یہ لوگ منہ پھیر لیں تو جان رکھ کہ خدا اون کو بعض گناہوں کی سبب مصیبت پہنچانا چاہتا ہے۔ اور اُن میں بہتیرے خدا کے حکم برداری سے خارج ہیں۔

دوسری آیت کی تفسیر میں امام رازی نے کہا ہے۔ "مھیمن" کے

قال الخلیل وابو عبید یقال قد ھیمن الرجل یھیمن اذا کان رقیبا علی الشئ وشاھدا علیه وحافظا قال حسان۔ ان الکتب مھیمن لنبینا الحق یعرفه ذوو الالباب۔ (کبیر صفحہ ۶۰۸ جلد ۳۔)

معنے رقیب اور گواہ اور محافظ کے ہیں۔ حسان شاعر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت کی صفت میں کہا ہے۔ کہ خدا کی کتاب اوس کی مھیمن یعنے محافظ ہے۔ اور حق کو صاحبان عقل پہچانتے ہیں۔

قال سعید بن المسیب والضحاك قاضیا وقال الخلیل رقیبا وحافظا والمعانی متقاربة ومعنی الکل ان کل کتاب یشھد بصدقه القران فھو کتاب الله والا فلا (معالم صفحہ ۲۸۰)

تفسیر معالم التنزیل میں کہا ہے۔ سعید بن المسیب اور ضحاک تابعیوں نے کہا ہے مھیمنا کے معنے قاضی کے ہیں۔ خلیل نے کہا اسکے معنے رقیب اور نگہبان کے ہیں۔ یہ سب معانی قریب قریب ہیں۔ اور ان سب کے معنے یہ ہیں۔ کہ جس حکم ان کتابوں کی قرآن

تصدیق کرتا ہے۔ وہ حکم کتاب اللہ ہے نہیں۔ تو نہیں۔

پہلی آیت کی تفسیر میں فتح البیان میں کہا ہے۔ کہ اہل کتاب آپس میں متفرق ہو گئے اور گروہ گروہ بن گئے (مثلاً کوئی مسیح کو خدا کہتا ہے (جیسے پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ) کوئی صرف بندہ و رسول (جیسے یونی ٹیرین) اور ایک دوسرے کو طعن کرتا ہے۔ اور وہ اس سے بیزار ہے۔ یونی ٹیرین دوسروں کو مشرک کہتے ہیں۔ وہ اون کو کافر۔ قرآن اترا تو اوس نے حق حق بیان کر دیا۔ کہ مسیح خدا کا بندہ ہے۔ اور رسول۔ اگر وہ اس قرآن کو تمام لیں اور مان لیں تو اس سے ان کا اختلاف و تفرقہ دور ہو جائے۔

وذلك لان اهل الكتب تفرقوا فرقا وتحزبوا احزابا يلعن بعضهم على بعض ويتبرء بعضهم من بعض فنزل القران مبينا لما اختلفوا فيه من الحق فلو اخذوا به لوجدوا فيه ما يرفع اختلافهم ويدفع تفرقهم (فتح البیان ص ۲۲۸ جلد ۳۔)

ان آیات سے بنا بر بیان مفسرین صاف ثابت ہے کہ قرآن پہلی کتابوں کی غلطیوں کی اصلاح کرنے والا ہے۔ اور اون پر قاضی و حاکم و رقیب ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس قوم کے مصلح و ریفارمر تھے۔ جو خدا کی طرف سے نبی ہو کر آئے۔ اور تصحیح اغلاط توریت انجیل اور اصلاح فساد یہود و نصاریٰ کیلئے ایک جامع اور ہمیشہ کے لئے کار آمد نسخہ قرآن مجید لائے۔ اس وجہ سے پہلی کتابوں کی حفاظت کو خدا تعالےٰ نے اپنے ذمہ نہ لیا تھا۔ آنحضرت کے مصلح ہونے کو محققین و منصفین اہل کتاب بھی مان چکے ہیں۔ اور صاف کہہ چکے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دین عیسوی کے مصلح و ریفارمر تھے۔ ان کے اقوال کی تفصیل چاہو تو اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۱۱ میں بصفحہ ۱۳۵ و ۲۷۶ دیکھو۔ اور ایک بڑی عجیب اور مخاطبین

پر مؤثر شہادت مسٹر اکبر مسیح کا وہ قول یہی ہے جو صفحہ (۲۱ وغیرہ) گذر چکا ہے۔ اور اسمیں اُنہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ آنحضرت بڑے بھاری اور کار آمد مصلح تھے۔ اس قول میں جو مسٹر اکبر مسیح نے قرآن کو صرف انتخاب بیبل بتایا ہے۔ وہ اونکی کوتاہی نظر کا قصور ہے۔ وہ ان آیات کو جو ہم نے نقل کی ہیں پڑھتے اور ان جدید اصلاحوں کو جو احکام ان کتابوں کی نسبت آنحضرت سے عمل میں آئی ہیں غور سے دیکھتے تو قرآن کو خلاصہ بیبل نہ بتاتے۔ بلکہ ان کتابوں تکملہ کہتے۔ اور آنحضرت کو اُستاد مانتے نہ شاگرد۔

یہ قرآنی مسیح پر آنحضرت کی ترجیح کا بیان ہے۔ اب ہم انجیلی مسیح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

انجیلی مسیح پر آنحضرت کی عصمت میں ترجیح

اس عنوان سے جو ہم نے قائم کیا ہے۔ ہم کو شرم آتی ہے۔ اور خاتم المرسلین کے مقابلہ میں انجیلی مسیح کا نام لینا۔ ایک گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ مگر مخالفین کی فہمائش و ہدائیت کے لئے مجبور ہو کر اسکی جرأت کرتے ہیں۔

انجیلی مسیح کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عصمت میں ہم موازنہ کرتے ہیں۔ تو ہم کو آسمان و زمین کا فرق نظر آتا ہے۔ اور بلا اختیار کہنا پڑتا ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سید المعصومین ختم المرسلین کی عصمت کا حال تو ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ اب انجیلی مسیح کی عصمت کا نمونہ دیکھ لیں۔

نمونہ کا لفظ ہم نے اسلئے کہا ہے کہ اس کی تفصیل کی جو صرف انجیل سے ہو سکتی ہے لکھ کر قبل از اتمام بحث قرآن مسٹر اکبر مسیح کیطرف سے ہم کو اجازت نہیں۔ لہذا بطور مشتے نمونہ خروارے یکے از ہزار صرف دو تین مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے جو کچھ موجودہ

انجیلوں میں سکھایا اور بتایا۔ اس میں خطا سے کام لیا۔ حق وصواب تو اوس میں ایسا نظر آتا ہے۔ جیسا سفید رنگ بیل "کشعرۃ سوداء فی جلد ثور ابیض" کی کھال میں ایک سیاہ بال ہوتا ہے۔

(۱) اپنے خدا پر ایمان سکھایا۔ تو خدا تعالےٰ کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہہ کر سکھایا۔ جسکا نتیجہ یہ ظاہر ہوا۔ کہ کروڑوں بلکہ بیشمار مخلوقات نے اون کو ون اونٹھری ایکل گاڈز یعنے تین مساوی درجہ کے تین خداؤں میں سے ایک خدا سمجھ لیا۔ اور خدا کی توحید کو جو پہلی کتابوں نے سکھلائی تھی چھوڑ کر شرک اختیار کرلیا۔ اکثر عیسائی فرقے رومن کیتھلک پروٹسٹنٹ اس شرک تثلیث میں مبتلا ہیں۔ ازانجملہ اس شرک سے بچے ہیں تو مٹھی بھر یونی ٹیرین بچے۔ یہ غلطی وخطا ایسی ہے جسکے مرتکب مسیح نہ ایک بار نہ دو بار نہ دس بار نہ سو بار رہوئے۔ بلکہ تمام عمر اس میں بسر کر گئے۔ یہ اون کے خطا نہیں تو پھر دنیا میں اور خطا ء کا کوئی مصداق نہیں۔

مسٹر اکبر مسیح نے تنقیح الوہیت مسیح کے ضمیمہ میں اسلام اور برہمو ازم میں موازنہ ومقابلہ کرنے کے وقت مسیح کی تعلیم ابوّت کو عیسائیت کا کمال قرار دیا ہے ہم اوسکو مسیح تعلیم کے سخت معائب اور نقائص سے شمار کرتے ہیں۔ یہ موقعہ اس امر کی تفصیلی بحث کا نہیں ہے۔ وہ بحث ہم پھر کرینگے۔ اور مسٹر اکبر مسیح کو دکھائین گے کہ خدا کو باپ اور اپنے آپ کو بیٹا کہنا۔ اس درخت شرک کی جڑہ ہے۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح اور دیگر یونی ٹیرین اوکھاڑنا چاہتے ہیں۔ قرآن نے اس جڑہ کو اکھاڑ دیا ہے۔ اور اس نفظ سے جو مقصود بتایا جاتا (یعنے یہ کہ خدا محبت ہے) اوسکی تعلیم کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ اور خدا کی محبت ورحمت کو ان الفاظ سے ظاہر کیا۔ ان ربی رحیم ودود۔ یعنے بے شک میرا رب رحم کرنے والا۔ دوست رکھنے والا ہے۔ وھو الغفور الودود یعنے وہ گناہ معاف کرنے والا محبت کرنے والا ہے۔

(۲) انجیلی مسیح نے اخلاق کی تعلیم کی تو یہ بات کہی (متی ۵۔ آیت ۳۸) تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا ہے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ۳۹۔ پر میں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو تیری دہنی گال پر طمانچہ مارے۔ دوسرا اوس کی طرف پھیر دے۔ ۴۰۔ اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کرکے تیری عبالی کورتہ بھی اُسے لینے دے۔ ۴۱۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جاوے اوس کے ساتھ تو دو کوس چلا جا۔ × × ۴۲۔ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا۔ اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ۔ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ ۴۴۔ پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔ اور جو تم پر لعنت کریں اون کے لئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں اون کا بھلا کرو۔ اور جو تجھے دُکھ دیں اور ستاویں اون کے لئے دعا مانگو۔" اور یہ ایسی تعلیم ہے۔ کہ اُسپر عمل کرنا انسانی فطرت (نیچر) کے مخالف ہے۔ نہ کسی سے۔ (حتےٰ کہ خود حضرت مسیح سے) اسپر عمل ہوا۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔

پچھلے اور آئندہ زمانہ کی بات کو جانے دیں اسوقت کے مقدس سے مقدس کسی پادری یا راہب کو عیسائی پیش کریں۔ اور اس کا اس تعلیم پر عمل مشاہدہ کرادیں۔ ہم اوس کے منہ پر ایک طمانچہ مارینگے۔ پھر دیکھیں گے کہ وہ دوسری جانب ہماری طرف کا پھیرتا ہے۔ یا ہم کو پولیس کے حوالہ کرانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناقابل برداشت و ناممکن العمل تعلیم پر اسوقت بعض عیسائی متردد ہوکر اخباروں میں تحریریں چھپواتے ہیں۔ اور اون کے دوسرے بھائی اون کی آنکھیں پوچھتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے۔ کہ اسوقت عیسائی سلطنتوں کے آئین و قانون میں بھی اس تعلیم پر عمل کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ کیا ان سلطنتوں کے ارکان اور

پارلیمنٹ کے ممبروں ہاؤس آف کامنز (عام ممبروں) یا ہاؤس" آف لارڈز (خاص وہ ممبر جو لاٹ کہلاتے ہیں) میں ایک آدمی بھی انجیل کی تعلیم پر ایمان نہیں رکھتا۔

اس تعلیم میں جیسا کہ انجیلی مسیح نے مقتضائے نیچر انسانی کا خلاف کا۔ حکم توریت کا بھی خلاف کیا۔ ومعہذا۔ یہ بھی کہدیا ہے (متی باب ۵۔ آیت ۱۷۔ یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا نہیں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں۔ (۱۸) کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک لفظ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹیگا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو ٹال دیوے اور ایسا ہی آدمیوں کو بہکاوے۔ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کوئی عمل کرے اور سکھاوے وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔ مگر عقلمند خوب جانتے و پہچانتے کہ یہ محض طفل تسلی ہے۔ اور درحقیقت انجیلی مسیح کو توریت کی تعلیم کو منسوخ کرنا منظور تھا۔ جو وقوع میں آگیا۔ توریت کا ایک حکم بھی عیسائی مذہب میں واجب العمل نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ اس امر کو ہم ایک مستقل مضمون میں بیان اور ثابت[1] کریں گے انشاء اللہ تعالےٰ

[1] ذیل میں ہم چند تمثیلات پیش کرتے ہیں جنمیں انجیلی مسیح نے توریت کے احکام کو ٹلایا۔ اور ایک طریق سے اوڑایا ہے۔ ازانجملہ حکم طلاق ہے جو استثناء باب ۲۴۔ آیت ۱ میں عموم کے ساتھ بیان ہوا ہے اس حکم کو انجیلی مسیح نے یوں اڑایا ہے۔ کہ طلاق کو صرف زنا سے مخصوص کیا۔ (دیکھو متی باب ۵ آیت ۳۱ و ۳۲۔)

وازانجملہ حکم تعظیم روز سبت ہے جو خروج باب ۱۶۔ آیت ۲۹ وغیرہ و باب ۲۰۔ آیت ۸ وغیرہ و باب ۳۱۔ آیت ۱۴ وغیرہ و استثناء باب ۵ آیت ۱۲ وغیرہ میں بیان ہوا ہے کہ اس دن کوئی دنیاوی کام

حضرات! اس حکم توریت کی تکمیل کی ہے تو قرآن کریم نے کی ہے۔ کہ حکم قصاص کو بھی برقرار رکھا۔ تاکہ اس سے ظالموں و بدمعاشوں کو ڈر رہے۔ اور سیاست مدن نہ ٹوٹے اور عفو و مسامحت کی تعلیم کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا۔ تاکہ اخلاق و ہمدردی بھی فوت نہ ہو۔ اور صاف فرمایا کہ بدی کے بدلے ویسی ہی بدی

وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی الله۔ (شوریٰ ع ۴)
ولکم فی القصاص حیوة یا اولی الالباب
(بقرہ - ع ۲۲-)
ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم (حم السجدہ - ع ۵-)

ہے۔ پر جو معاف کرے اُس کا اجر خدا پر ہے۔ اور فرمایا خون کا بدلہ لینے میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ (کہ ظالم اوس کے خوف سے تم کو قتل نہ کریں) اور فرمایا نیکی اور بدی یکساں نہیں۔ برائی کو نیکی سے روک۔ پھر جو تیرا دشمن ہے۔ وہ گرم جوش دوست بن جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰)

نہ کریں حتے کہ کھانا بھی نہ پکا دیں۔ اس حکم کا خلاف انجیلی مسیح کے شاگردوں نے سبت کے دن لوگوں کے کھیتوں سے بالیں توڑ کر کیا۔ اور اون پر اعتراض ہوا تو انجیلی مسیح نے تین حجتوں سے اس حکم کو اوڑا دیا۔ ایک یہ کہ داؤد نے بھی خدا کے گھر کی روٹیاں کہائیں جو اُنکو جائز نہ تہیں۔ دوم یہ کہ کاہن سبت کے دن ہیکل کی تعظیم نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ میں سبت کا بھی مالک ہوں (یعنے جو چاہوں سو کروں۔ متی باب ۱۲- آیت ۱ وغیرہ۔ واز انجملہ ہاتھ دہونے کا حکم ہے جو خروج باب ۳۰- آیت ۱۹ و ۲۰ و باب ۴۰- آیت ۳۰ و ۳۲ میں ہے۔ اور اسکے مطابق یہودی کہانا کہانیکیوقت ہاتھ دہوتے تھے۔ اس حکم کا خلاف مسیح کے شاگردوں نے کیا اور ناپاک ہاتھوں سے کہانا کہایا تو انجیلی مسیح نے اس حکم کو اس حجت سے اوڑا دیا کہ برے خیال کفر وغیرہ جو دل ہی سے نکلتے ہیں۔ یہی باتیں آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔ بن دہوئے ہاتھ کہانا کہانا آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔ (متی باب ۱۵- آیت ۱۹ و ۲۰) واز انجملہ حکم رجم ہے جو استثنار کے باب ۲۲- آیت ۲۴ میں ہے مسیح کے سامنے ایک عورت کے واقعہ میں یہ حکم پیش کیا گیا تو اوسکو انجیلی مسیح نے اس حجت سے ٹالا کہ جو تم میں سے بے گناہ ہو وہ اسکو پتھراؤ کرے۔ ان احکام توریت کے نظائر جنکو مسیح نے ٹالا انجیل میں اور بہت ہیں۔ مگر ہم اس مقام میں ان ہی چار تمثیلات کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اس تعلیم قرآن تعلیم و انجیل کا پورا موازنہ دیکھنا ہو تو ہمارا مضمون قرآن کے اخلاقی تعلیم بمقابلہ انجیل نمبر ۲ جلد ۶۔ اشاعۃ السنہ میں دیکھو۔

(۳) انجیلی مسیح نے معجزات دکھائے تو اوس میں عامہ خلائق کے اعتقاد و اخلاق دونو کو تباہ کر دیا۔ اکثر معجزات دکھانے کے وقت اس امر کا اظہار نہ کیا۔ کہ میں عاجز بندہ ہوں۔ جو معجزہ دکھاتا ہوں خدا کے اذن و اختیار سے دکھاتا ہوں بلکہ اس میں اپنی حکومت و اختیار کا دعوے کیا۔ بلکہ یہ اختیار اوروں کو بھی بخشدیا اور یہ جتایا کہ بس میں ہی صاحب اختیار ہوں۔ جو چاہوں سو کروں۔ اور جس کو چاہوں صاحب اختیار بنا دوں۔ جسکا نتیجہ نہ نکلا کہ ان معجزات اور اس دعوے اختیارات سے مشرک عیسائی (پروٹسٹنٹ رومن کیتھلک وغیرہ) اون کا خدا ہونا نکال رہے ہیں۔ اور موحد (یونی ٹیرین) ان کی تاویلیں کرکے اون کو توحید کی طرف بلاتے ہیں۔ پر وہ ایک نہیں سنتے۔

اور اگر انجیلی مسیح ہر ایک معجزہ دکھانے کے وقت ایسے کلمات کہتا جسنے اوس کا بندہ ہونا۔ اور خود مختار نہ ہونا ظاہر ہوتا تو یہ شرک کیوں پھیلتا۔

ان معجزات کی جنمیں مسیح نے خود مختاری ظاہر کی ہے بعض تمثیلات بقیہ مضمون

عیسائیوں کے جنگ مقدس پر اسلامی رائے میں جو اسی جلد میں شائع ہوا ہے بیان ہوئی ہیں۔ جسنے ڈبٹی عبداللہ آتھم وغیرہ نے مسیح کا خدا ہونا نکالا تھا۔ اور ہم نے اور مسٹر اکبر مسیح نے اون کی تاویلیں کرکے اون کے استنباط کو غلط قرار دیا تھا۔ اس مقام میں چند تمثیلیں اور ایسی ذکر کی جاتی ہیں جنمیں انجیلی مسیح نے خدا کی سی خود مختاری کا دعوے کیا ہے۔

(الف) متی باب ۸ میں ہے (۲) ایک کوڑھی نے آکے اوسے سجدہ کیا۔ اور کہا اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔

۳۔ تب یسوع نے ہاتھ بڑھا کے اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو اور وہیں اوسکا کوڑہ جاتا رہا۔

(ب) اور اوسکے باب ۹ میں ہے۔ ۲۔ اور دیکھو ایک جھولے مارے کو جو چارپائی پر پڑا تھا۔ اس پاس لائے۔ یسوع نے اوسکا ایمان دیکھ کر کہا۔ اے بیٹے خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ ۳۔ اور دیکھو بعض فقیہوں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ کفر بکتا ہے۔ ۴۔ یسوع نے اون کے خیال دریافت کر کے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں بد گمانی کرتے ہو۔ ۵۔ کیا کہنا آسان ہے۔ یہ کہ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ یا یہ کہ اوٹھ اور چل۔ لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔ اوس نے اوس جھولے مارے سے کہا اوٹھ اپنی چارپائی اوٹھا لے۔ اور اپنے گھر چلا جا۔ وہ اوٹھ کر چلا گیا۔ اور

لوقا باب ۵۔ آیت ۲۱۔ میں ہے خدا کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے

متی باب ۱۰۔ میں ہے۔ پھر اوس نے بارہ شاگردوں کو بلا کے اُنہیں قدرت بخشی کہ ناپاک روحوں کو نکالیں۔ اور ہر طرح کی بیماری اور دُکھ کو دور کریں۔ ایسا ہی لوقا باب ۵ و ۹ میں ہے۔ اسمیں یہ بھی ہے کہ اونہیں سب شیطانوں پر اختیار بخشا۔

حضرات ناظرین۔ یہاں تو انجیلی مسیح نے اپنے شاگردوں کو اپنی خدائی خود مختاری سے قدرت و اختیار بخشا ہے۔ اور متی باب ۱۷۔ و لوقا باب ۱۷ میں اس بخشش کو جھٹلایا۔ اور اون لوگوں کو جب اون سے ایک دیو نہ نکل سکا بے ایمان قرار دیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ وہ بخشش و اختیار واقعہ کے برخلاف تھا اور اس دعوائے بخشش اختیار میں آپ سے خطا ہوئی۔

متی باب ۱۷۔ کی عبارت یہ ہے۔ ۱۸۔ تب یسوع نے دیو کو دھمکایا۔ وہ

اس سے نکل گیا۔ اور وہ چھوکرا اُسی گھڑی چنگا ہو گیا۔ ۱۹۔ تب شاگردوں نے یسوع پاس آکے کہا۔ ہم کیوں نکال نہ سکے۔ یسوع نے اُنہیں کہا۔ اپنی بے ایمانی کے سبب۔ کیونکہ میں سچ کہتا ہوں۔ اگر تمہیں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی۔

یہ انجیلی مسیح کے ان معجزات کی تمثیلیں ہیں۔ جن کا عیسائیوں کے ایمان پر شرکیہ اثر ظاہر ہوا ہے۔

اب ایک مثال ایسے معجزات کی بیان کیجاتی ہے جسنے اونکے اخلاق پر اثر کیا ہے۔ اور اس سے انجیلی مسیح کے اخلاق پر بھی دھبہ لگتا ہے۔ یوحنا باب ۲۔ میں ہے۔ اور تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا۔ اور یسوع کی ماں وہاں تھی۔ اور یسوع اور اوس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی۔ اور جب مے گھٹ گئی یسوع کی ماں نے اس سے کہا۔ کہ اون کے پاس مے نہ رہی۔ ۴۔ یسوع نے اوس سے کہا۔ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟ میرا وقت ہنوز نہیں آیا ہے۔ اس کی ماں نے خادموں سے کہا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے سو کرو۔ ۶۔ اور وہاں پتھر کے چھ مٹکے طہارت کے لئے یہودیوں کے دستور کے موافق دھرے تھے۔ اور ہر ایک میں دو یا تین من کی سمائی تھی۔ ۷۔ یسوع نے اُنہیں کہا۔ مٹکوں میں پانی بھر دو۔ سو اُنہوں نے اون کو لبالب بھرا۔ ۸۔ پھر اوس نے اونہیں کہا۔ کہ اب نکالو۔ اور مجلس کے سردار پاس لیجاؤ اور دے لیگئے۔ ۹۔ جب میر مجلس نے وہ پانی جو مے بن گیا تھا چکھا۔ الخ

اس معجزہ انجیلی مسیح کا پہلا اخلاقی اثر تو یہ ہوا۔ کہ آپ خود بذاتہ اس شراب سے نہ بچ سکے۔ اور اپنے وقت میں اپنے معاصرین سے شرابی کا خطاب

پاٹے (لوقا ۴۴ ملاحظہ ہو۔)

آپ نے اس موقعہ پر اوراون کے لئے معجزہ سے شراب بنادی تو ضروری تھا کہ آپ خود بھی اس معجزہ او آسمانی برکت کے اثر سے فیضیاب ہوتے۔ اور خدا کی دی ہوئی پاک شراب نوش جان فرماتے۔ اور چونکہ آپ اون شراب خواروں کے مدعو تھے۔ اور اون کے اس فعل شراب خواری کے ممد و معاون تھے۔ اور اون کی شراب گھٹ گئی تو اون کی والدہ ماجدہ نے سفارش کی آپ نے اُنکی سفارش تو روکھے اور پھیکے جواب سے رد کردی۔ اور اس جواب میں والدہ ماجدہ کی سخت بے تعظیمی کی ہے (چنانچہ صفحہ (۲۲۵) میں مفصل بیان ہوگا۔) مگر اون کے لئے معجزہ سے شراب بنادی۔ اس سے بھی بحکم اس انگریزی مثل مشہور کے۔ اِمین ازنوت بائی ھز کمپنی۔ یقین ہوتا ہے کہ آپ خود بھی شراب نوش جان فرماتے ہوں گے۔ اور بعید نہیں کہ وہ روکھا سوکھا۔ اور بے تعظیمی کا بھرا ہوا جواب آپنے شراب کے نشہ میں دیا ہو۔

پھر عیسائیوں کے اخلاق پر یہ اثر ہوا۔ کہ اس ام الخبائث شراب کو جان کی گتھی بنا رکھا ہے۔ عیسائیوں میں فی لاکھ ایک شخص ایسا نہ ہوگا۔ جو شراب پیتا نہ ہوگا۔ عوام کا ذکر نہیں۔ خواص پادری جو مقدس کہلاتے ہیں۔ وہ اس سے کم بچتے ہیں۔ اور نہیں تو عشاء* ربانی میں جو انکا مذہبی شعار ہے۔ تو اوسکو ضرور چکھ لیتے ہیں۔ اور کیوں نہ چکھیں اور کس لئے بچیں یہ معجزہ (جو خدا کا فعل تصدیق نبوت و بقول عیسائیاں تائید ابوت خدا و بنوت مسیح کے لئے ظاہر ہوا تھا۔) اسکا حامی ہوا۔ تو پھر اوس کی اچھائی میں کیا شک رہا۔ اسوقت جو یوروپ میں قباحت و ممانعت شراب کا خیال پیدا ہوگیا ہے۔ اور جا بجا ٹمپرنس سوسائٹیاں قایم ہوئی ہیں۔ یہ قرآن کریم اور ختم المرسلین و سید المعصومین کے تعلیم کے اثر و فیض

* عیسائیوں کی نماز و دعاؤں کی کتاب موسوم بدعا عمیم کا صفحہ (۱۸۱) ملاحظہ ہو۔

وبرکت ہے۔ جو شرقاً وغرباً پھیل گیا ہے۔ اس شراب خانہ کی خرابیاں وبرائیاں ایسے مخفی نہیں۔ کہ ہم اسمقام میں اون کو بیان کریں۔ یہ خرابیان جو عیسائیوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اسی معجزانہ تعلیم انجیل مسیح کا نتیجہ ہے۔ اس تعلیم اعتقاد وتعلیم اخلاق ومعجزات انجیلی مسیح کو قرآنی مسیح نے خود رد کیا۔ اور خطا قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم قرآن کی آیات ذیل میں اون کے اقوال منقول ہیں۔ اور قرآن نے بھی اون کے رد وابطال میں کمال اہتمام کیا ہے اوّلاً قرآن سے اقوال مسیحی نقل کئے جاتے ہیں۔ پھر قرآن کا اپنا بیان منقول ہوگا۔

قرآنی مسیح کے اقوال انجیلی مسیح کی تعلیم کو رد کرتے ہیں

(۱) انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیھا فیکون طیرا باذن اللہ وابری الاکمہ والابرص واحیی الموتی باذن اللہ × × ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم (آل عمران - ع ۵ -)

(۱) میں تمہارے پاس خدا کیطرف سے یہ نشان لایا ہوں۔ کہ میں مٹی سے جانور کی شکل بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرند بن جاتا ہے۔ اور میں خدا کے حکم سے مادر زاد اندھے۔ اور کوڑھی کو اچھا۔ اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی ہے سیدھی راہ۔

(۲) وقال المسیح یا بنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم انہ من یشرک باللہ فقد حرم علیہ الجنۃ ومأواہ النار وما للظالمین من

(۲) مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل

الضار- (مائدہ-ع-۱۰-)

(۳) واذ قال الله یا عیسی بن مریم
ءانت قلت للناس اتخذونی وامی
الهین من دون الله قال سبحانك
مایکون لی ان اقول ما لیس لی بحق
ان کنت قلته فقد علمته تعلم
ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك
انك انت علام الغیوب ما قلت
لهم الا ما امرتنی به ان اعبدوا الله
ربی وربکم (مائدہ-ع-۱۶-)

خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب
ہے- جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا- اسپر
خدا نے بہشت کو حرام کیا- اور اُسکا ٹھکانا
آگ ہے-

(۳) جب خداتعالے عیسے کو کہیگا
کیا تو نے کہا تھا- کہ مجھے اور میری ما
کو خدا کے سوا معبود بنا لو وہ کہے گا
اے خدا تو پاک ہے- مجھے لائق نہ تھا
کہ میں وہ بات کہتا جو میرا حق نہ تھی-
میں نے اگر کہا ہے تو تو جانتا ہے
تو میرے جی کی سب باتیں جانتا ہے- میں تیرے جی کی باتیں نہیں جانتا تو ہی
غیب جاننے والا ہے میں نے تو اون کو وہی کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا- کہ
خدا کی پوجا کرو جو تمہارا اور میرا رب ہے-

(۴) انی عبد الله اتانی الکتاب
وجعلنی نبیا- (مریم-ع-۲-)

(۵) یا بنی اسرائیل انی رسول الله
الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراة
ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه
احمد (الصف-ع-۱-)

(۴) میں خدا کا بندہ ہوں مجھے اوسنے
کتاب دی اور نبی کیا-

(۵) اے بنی اسرائیل میں تمہاری
طرف خدا کا رسول ہوں- توریت کو
جو میرے آگے ہے سچا کرنے والا اور
ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا
جس کا نام احمد ہے بشارت دینے والا-

قرآنی اقوال انجیلی مسیح کی تعلیم مذکور کے رد میں

(۱) قالوا اتخذ الله ولدا سبحانه بل له ما فی السموات والارض کل له قانتون (بقرہ - ع - ۱۴ -)

(۱) وہ کہتے ہیں بس خدا بیٹا رکھتا ہے خدا اس سے پاک ہے - آسمان و زمین میں جو ہے اوسکی ملک ہے - اور سب مطیع (پھر وہ بیٹے کیونکر ہوسکتے ہیں -)

(۲) ما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله ولکن کونوا ربانیین (آل عمران - ع - ۸)

(۲) کسی بشر کو لائق نہیں کہ خدا اوسکو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے - پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ - لیکن وہ یہی کہے گا کہ تم اللہ والے بنجاؤ -

(۳) ان مثل عیسی عند الله کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون (آل عمران - ع - ۶ -)

(۳) عیسے کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کیسی ہے - جسکو خدا نے (بلا مادر و پدر) مٹی سے بنایا - پھر کہا زندہ ہوجا - پھر وہ زندہ ہوگیا -

(۴) لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا لله ولا الملائکة المقربون (ن - ع - ۲۴ -)

(۴) مسیح خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز نہیں اتراتا - اور نہ قرب والے فرشتے -

(۵) لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح بن مریم قل فمن یملک من الله شیئا ان اراد ان یهلک المسیح بن مریم وامه (مایدہ - ع - ۳ -)

(۵) بے شک وہ کافر ہوچکے جو کہتے ہیں مسیح خدا ہے تو اون کو کہدے خدا سے کون بچاوے اگر خدا مسیح کو اور اوسکی ماں کو ہلاک کردے -

(۶) لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث

(۶) بے شک وہ کافر ہوچکے جو کہتے

ثلثه وما من اله الا اله واحد × ×	ہیں - خداتین خداؤں میں سے تیسرا خدا
ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت	ہے - خداتو (صرف) ایک ہے -
من قبله الرسل وامه الصدیقه	مسیح اور کچھ نہیں - مگر ایک رسول جس کے
کانا یأکلان الطعام (مائدہ - ع ۱۰)	پہلے بھی رسول گذرے - اور اوس کی ما
(۷) اذ قال الله یا عیسی ابن مریم	ایک راست باز تھی - دونو کھانا کھاتے
اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک اذ	تھے - (یعنے بول وبراز کرتے تھے - پھر وہ
ایدتک بروح القدس تکلم الناس	خدا کیونکر ہوا -)
فی المهد وکهلا واذ علمتک	(۷) جب خدا نے کہا اے عیسے میری
الکتب والحکمة والتوراة والانجیل	مہربانی کو یاد کر - جو تجھ پر اور تیری والدہ
واذ تخلق من الطین کهیئة الطیر	پر ہوئی - جبکہ تیری مدد کی روح القدس
فتنفخ فیها فتکون طیرا باذنی و	(جبرائیل) سے توگہوارہ میں اور بڑی عمر
تبرئ الاکمه والابرص باذنی	میں (دیکہیاں) کلام کرتا تھا جب تجھے
واذ تخرج الموتی باذنی (مائدہ ع ۱۵)	لکہنا اور دانائی اور توریت اور انجیل

سکھائی - جب تو مٹی سے جانور کی شکل بناتا تھا - پھر اسمیں پھونک مارتا تو وہ میرے
حکم سے جانور بن جاتا - اور جب اندہے مادرزاد اور کوڑہے کو میرے حکم سے اچھا
کرتا تھا - اور جب تو میرے حکم سے مردہ کو زندہ کرتا تھا -

(۸) انی یکون له ولد ولم تکن صاحبه	(۸) اُسکے لئے بیٹا کیونکر ہو - اوس کی
(انعام - ع - ۱۳)	جورو تو ہی نہیں تھی - یہ اسلئے فرمایا - کہ

خدا کے لئے ایسا بیٹا تجویز کرنا جو اس سے جیسا ہو اور اوسکا ہمجنس کہلاوے - تب ہی
ہوسکتا ہے کہ خدا کی جورو بھی ہو - باپ کے ہمتا و ہم کفو و ہم جنس بیٹے کے لئے اوسکی
جورو کا ہونا لازم - اور موقوف علیہ ہے -

مسٹر اکبر مسیح نے اس ملازمت کو نہیں سمجھا۔ اور ضمیمہ تنقیح الوہیت مسیح میں قرآن کی اس آیت پر یہ اعتراض کر دیا ہے۔ کہ عیسائی خدا کے فرزندوں کو لہو اور جسم کی خواہش سے نہیں مانتے۔ بلکہ روحانی فرزند جانتے ہیں۔ اور اسپر یوحنا ۱/۱۳ اور روم ۸/۱۲ کا حوالہ دیا۔ مگر افسوس! مسٹر اکبر مسیح کو یہ معلوم نہیں کہ کسی شخص کے اعتقاد یا قول پر کوئی الزام یا اعتراض اس امر پر موقوف نہیں ہے کہ جو بات اوسکو کہی جاوے وہ اوسکے صریح قول و مسلمات سے ہو۔ بلکہ جو بات اسکے قول یا اعتقاد کا مفہوم و مستلزم ہو اوسکا الزام بھی اسپر عائد ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے باپ کو باپ جانتا اور مانتا ہے مگر وہ اسکا نافرمان و بدگمان ہے۔ اور اپنی جان و مال کی حفاظت میں اسپر اعتماد و بھروسہ نہیں کرتا۔ اسکا باپ اوس کو یہہ کہہ سکتا۔ اور الزام دیسکتا ہے کہ کیا تم مجھے اپنا باپ نہیں جانتے۔ اجنبی یا دشمن خیال کرتے ہو۔ تم تو میرے جنے ہو۔ کسی اور کے نطفہ تو نہیں ہو جس کی وجہ یہی ہے۔ کہ باپ پر اعتماد نہ کرنا اوسکو دشمن و اجنبی جاننے کا مستلزم ہے۔ اور یہ بتا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرا کا تخم سمجھتا ہے۔

مسٹر اکبر مسیح نے یوحنا و روم کی عبارت کو اپنے خیال کی تائید میں نقل تو کر دیا مگر اتنا نہ سوچا کہ خدا کو باپ اور مسیح کو بیٹا کہنے والے روئی میں پر کتنے ہیں۔ اور انجیل یوحنا و رومی کو پڑھنے والے۔ اور یہہ سمجھنے والے کہ یہاں بیٹے سے صرف روحانی بیٹا مراد ہے۔ نہ جسمانی کتنے ہیں۔ پھر روحانی بیٹا سمجھنے والوں میں مسیح کے بیٹے ہونے کو صرف اوّل درجہ کے محبوب کے معنے میں سمجھنے والے کتنے ہیں۔ اور ہم جنس و ہمتا و ہم کفو سمجھنے والے کتنے۔

اکثر عیسائی لوگ جو ان پڑھ ہیں۔ اور روحانی بیٹا سمجھنے والوں میں سے جو مسیح کو خدا کا ہمتا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے عقیدہ اس امر کا مستلزم ہے۔ کہ مسیح خدا سے

ایسا پیدا ہوا ہے جیسے وہ اپنے باپ سے خصوصاً اسحالتمیں کہ وہ مسیح کو خدا سے متولد بھی کہتے ہیں* - جبکہ خدا تعالے نے اون کو الزام دیا کہ اسکا بیٹا کیونکر ہو - اوسکی جورو تو ہے ہی نہیں پھر یہ الزام کیوں بے جا ہے - ؎ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست -

انجیلی مسیح کے معجزہ شراب سازی کے (جس سے اس کی اباحت نکلتی ہی) رو میں قرآن نے یہ فرمایا ہے - کہ شراب - جوا - تھان یا بت اور پالنسی ناپاک ہیں شیطانی کام اون سے بچو تاکہ نجات پاؤ -

> انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (مائدہ - ع ۱۲ -)

اور انجیلی مسیح کی تعلیم اخلاق کے رو میں قرآن کی ہدایت صفحہ (۲۱۱) میں گذر چکی ہے -

بالجملہ انجیلی مسیح کے جملہ امور کو جو ند کور ہوئے قرآنی مسیح نے اور قرآن نے خطا قرار دیا ہے - نہ وہ خطا جو عمد کے مقابلہ میں ہوتا ہے - بلکہ یہاں خطا سے گمراہی و سرکشی و فساد کیشی مراد ہے - لہذا اس مسیح کو عصمت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں ہے - راجح و مرجوح کی آپ سے نسبت ہے تو اس مسیح کو جو قرآنی مسیح ہے - عیسائی مسلمانوں کو ہمیشہ سے دہوکھ دیتے ہیں ان سے قرآنی مسیح اور اوس کی اصلی انجیل کی سچائی تسلیم کراتے ہیں - اور اسکا مصداق انجیلی مسیح اور اوسکی بناوٹی انجیل کو قرار دے کر اس تسلیم اہل اسلام کو اوہر کھینچ لیجاتے ہیں - ہمارے اس مضمون کو اہل اسلام غور سے پڑہیں گے - اور قرآنی مسیح اور انجیلی مسیح میں تفرقہ جو ہمنے بیان کیا ہے خیال میں رکھینگے تو ہرگز ان کے دام میں نہ پھنسینگے انشاءاللہ تعالے -

اس بحث سے ثابت ہوا کہ عصمت کے باب میں ترجیح کی طرف رجوع کیا جائے اور ہمیں قرآن کا فیصلہ دیکھا جائے تو اس سے آنحضرت کی مسیح پر ترجیح ثابت ہوتی ہی

* عیسائیوں کی کتاب دعائے عمیم ص ۲۰ میں صاف لکھا ہی " اور ایک خداوند یسوع مسیح پر جو خدا کا اکلوتا ہی متولد بیٹا ہی سب عالموں سے پیشتر اپنے باپ سے متولد ہوا "

یہ قرآنی بحث کا اختتام ہے جسمیں یہ باتیں بخوبی ثابت ہوگئیں۔ (۱) حضرات انبیاء علیہم السلام سب کے سب معصوم ہیں۔ ان ہی میں سے حضرت مسیح بھی داخل ہیں (جو قرآنی مسیح ہیں)۔ (۲) اونکو وصف عصمت ہیں اور انبیاء پر کوئی مزیت و فوقیت نہیں ہے۔ (۳) یہ مزیت ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے جنکی عصمت کا خدا تعالے نے بڑا اہتمام کیا۔ اور اس سے ہم کو آگاہ کیا (۴) یہ امر نہ حضرت مسیح کی نسبت پایا گیا ہے نہ کسی اور نبی کے (۵) قرآنی مسیح سے علیحدہ ایک انجیلی مسیح ہے اوس کی آنحضرت سے کوئی نسبت نہیں۔ اور نہ اوسکا عصمت سے کوئی تعلق ہے اس نے تو لوگوں کے لئے شرک و کفر و بداخلاقی اور بدعملی کا دروازہ کھول دیا۔ نہیں نہیں توڑ دیا ہے۔ جواب بند نہیں ہوسکتا۔

اب ہم انجیلی بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور انجیل سے یہ ثابت کر دکھاتے ہیں کہ انجیلی مسیح صاحب نہ صرف خطاء کار بلکہ گناہگار تھے۔ کیونکہ قرآنی بحث سے اب ہم فارغ ہوئے ہیں۔ اور ہمارے مخاطب مسٹر اکبر مسیح تو مدت ہوئی اس بحث کو ختم شدہ سمجھ کر انجیلی بحث کی اجازت دے چکے تھے۔ مگر چونکہ اسوقت تک قرآنی بحث ختم تو کجا شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور ہم نے کوئی دلیل قرآنی اون کے دعوے کے مقابلہ میں پیش نہ کی تھی۔ صرف اون کے دلائل پر اسقدر نکتہ چینی کی تھی کہ آپکے دلائل آپ کے دعوے کے مثبت نہیں ہے۔ آپ اون کو واپس لیں۔ اُنہوں نے جلدی بازی بے صبری و کم حوصلگی اختیار کی۔ اور اسیقدر نکتہ چینی کو آخری حد بحث قرآنی قرار دیکر ہماری اجازت کے بغیر رسالہ کشف الحقائق عیسوی کے ذریعہ سے اوسکی اشاعت کردی۔ اور پھر خط ۱۶۔ اگست ۱۸۹۶ء میں ہم کو یہ بات لکھدی کہ "عصمت مسیح پر بربنا قرآن بحث ہوچکی ہے۔ اب آپ انجیل سے ثابت کریں کہ حضرت مسیح معصوم نہ تھے۔ اور وہ بارہا مرتکب خطا ہوئے"۔ اور آپ کے دوسرے

بھائیوں جلد باز عیسائیوں نے اون کی فرضی وخیالی بحث پر رائے زنی بھی شروع کردی۔ صاحب کشف نے اپنے نوٹ مندرجہ نمبر ۸ جلد ۲ کے ص۱۱۶ کشف میں مرزا غلام احمد ساکن قادیان (جو اسلام سے باضابطہ و باتفاق جمہور اہل اسلام خارج کئے گئے ہیں۔ اور درحقیقت وہ بھی ایک چھپے عیسائی ہیں۔ چنانچہ صفحہ (۱۰۶) نمبر (۷) جلد (۱۶) اشاعۃ السنہ میں بیان ہوا۔) نقل کیا ہے۔ کہ اُنہوں نے مولانا محمد حسین صاحب کے دلائل کو بمقابلہ مسٹر اکبر مسیح کمزور اور ضعیف کہا ہے۔ پھر اپنے نوٹ مندرجہ نمبر ۹ جلد ۲ کے ص۱۳۰ میں کہا۔ کہ ناظرین خود دیکھ لیں گے۔ کہ کس کی دلیلوں کا پلہ جھکا ہوا ہے"۔ اور کسی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا۔ کہ ابوسعید محمد حسین نے اپنی تحریرات میں جو کشف میں مشتہر ہوئی ہیں کونسی دلیل پیش کی ہے جنکا دلائل مسٹر اکبر مسیح سے مقابلہ و موازنہ کیا جاتا ہے۔ اون کی تحریر میں تو ایک دلیل بھی بیان نہیں ہوئی۔ ہم موازنہ کن کن دلائل میں کرتے ہیں۔ ؟۔

آن حضرات کو چاہیئے۔ کہ اگر حوصلہ ہے تو آپ موازنہ کریں۔ اور صاف صاف انصاف سے بتادیں کہ کس کی دلیلوں کا پلہ جھکا ہوا ہے۔ ہم نے اس جلد بازی کی پروا نہ کی۔ اور مسٹر اکبر مسیح کے خط مذکور کو قبل از وقت سمجھ کر اسکا جواب تو کجا رسید تک نہ دی۔ ؛۔

آپ ہم نے قرآنی بحث ختم کی ہے۔ تو اس خط کا جواب دیتے ہیں۔ اور انجیلی بحث کو شروع کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

مسٹر اکبر مسیح اس خط ۱۶۔ اگست سنہ ۱۸۹۶ء میں لکھتے ہیں۔

میں دعوے کرتا ہوں کہ آپ انجیل سے کوئی آیت نہیں نکال سکتے جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ خداوند مسیح اپنے تئیں کسی معنے میں غیر معصوم خاطی یا عاصی جانتے ہیں۔ یا وہ اپنے کسی قول یا فعل کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور انبیاء کی عدم

عصمت پر ہم اسی قسم کا استدلال کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے انجیل میں مسیح خداوند کے ایسے اقوال ہم کو ملتے ہیں "میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو باپ کو پسند آتے ہیں۔ یوحنا (۸/۲۹) میں اپنی مرضی کو نہیں بلکہ باپ کی مرضی کو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ چاہتا ہوں (۵/۳۰) میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا۔ اور اوس کی محبت میں قائم ہوں (۱۵/۱۰) اور وہ اپنے بڑے بڑے دشمنوں کے مُنہ پر کہتے ہیں۔ کون تم میں سے مجھ پر گناہ ثابت کرتا ہے۔ (۸/۴۶) پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ اپنی حقیقی عصمت پر خود یوں گواہ ہے۔ اور آسمانی شہادت خدا کی اون کے حق میں انجیل میں یوں گونج رہی ہے۔ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ متی (۳/۱۷) میرا خادم جسے میں نے چنا۔ اور میرا پیارا جس سے میرا دل خوش ہے۔ (۱۲/۱۸) یہ مسٹر اکبر مسیح کا آخری کلام ہے۔ جو ان ہی کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں خاکسار ملتمس ہے کہ آپ نے ثبوت عدم عصمت انجیلی مسیح کو اس قسم کے استدلال سے کیوں مخصوص کیا۔ کہ وہ اپنی زبان سے اپنے غیر معصوم یا خاطی یا عاصی ہونے کا اقرار کریں۔ اور میرے اس قول خط ۱۵۔ جنوری ۱۸۹۶ء منقولہ کشف نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۔ و نمبر ۶ جلد ۱۷ صفحہ (۱۹۳) اشاعۃ السنہ کہ مجھے اجازت دیں کہ میں انجیل سے ثابت کروں کہ حضرت مسیح علی نبینا و علیہ السلام ان معنے کر جو آپ نے تجویز کئے ہیں معصوم نہ تھے۔ اور وہ بار ہا مرتکب خطا ہوئے" جس کا آپ نے اپنے اس خط میں بھی اقتباس کیا ہے۔ کا لحاظ فرما کر مجھے یہ اختیار عام کیوں نہ دیا۔ کہ میں انجیل کی آیات و شہادات سے انجیلی مسیح کا خطا کار یا گنہگار ہونا ثابت کروں۔ کیا کسی مجرم کا مجرم ہونا اور کسی گنہگار کا گنہگار ہونا اسکے اقبال پر موقوف ہے؟ کیا دوسرے کی شہادت سے اسکا مجرم و گنہگار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔؟ انجیلی مسیح کے اپنے دعاوی کا کیا اعتبار ہے۔ جب تک کہ ان دعاوی پر دوسرے کی اور کسی کی نہ بھی انجیل

ہی کی شہادت قایم نہ ہو۔ انجیلی مسیح نے تو وہ دعوے کئے ہیں کہ ان میں آسمان اور زمین کے قلابے ملا دیئے ہیں۔

از انجملہ ایک اوسکا خدائی دعوے ہے جسکو یونی ٹیرین کے سوا تمام عیسائیوں نے جو مسیح کو خدا مانتے ہیں۔ انجیل ہی سے نکالا ہے۔ پھر کیا ان سب دعاوی کو بغیر کسی شہادت اور ایگزمنیش کے ہم مان لینگے۔؟ نہیں نہیں ہر گز نہیں۔

ہم انجیلی مسیح کے ان تینوں دعووں کا جو مسٹر اکبر مسیح نے یوحنا ۸/۲۹ و ۵/۳۰ و ۵/۱۰ سے نقل کئے ہیں۔ اسی انجیل کی شہادت سے ایگزمنیش کرتے ہیں۔ اور اسکے اقوال وافعال سے جو اسی انجیل میں موجود ہیں انکا غلط و خلاف واقعہ ہونا ثابت کر دکھاتی ہیں۔ اور وہی اقوال وافعال ہماری انجیلی بحث کے ارکان اور اس دعوے کے دلائل ہیں۔ کہ انجیلی مسیح بارہا خطاء کے مرتکب ہوئے۔ اور نہ وہ صرف خطاکار تھے بلکہ بڑے گنہگار تھے۔

از انجملہ انجیلی مسیح کا اپنی والدہ محترمہ کو یہ توہین آمیز اور حقارت سے لبریز کلمات کہنا ہے۔ کہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔ یہ کلمات اس لئے اپنی والدہ کو اُسوقت کہے تھے۔ جبکہ دعوت قانائے جلیل میں شراب گھٹ گئی تھی۔ اور اوس کی والدہ نے سفارش کی تھی۔ والدہ ماجدہ کو تو آپنے یہ سوکھا اور انکاری جواب دیا۔ مگر اسیوقت بغیر کسی وقفہ کے چھ مٹکوں پانی بھروا کے اوسکو شراب بنا دیا۔ چنانچہ باب ۲۔ آئت ۴ وغیرہ سے بصفحہ (۲۱۴) منقول ہوا ہے انجیلی مسیح کے ان کلمات میں جو توہین وتحقیر والدہ محترمہ پائی جاتی ہے۔ وہ کسی عقلمند انصاف پسند کے نزدیک محل نزاع نہیں ہے۔ روئے زمین کے عقلمند وانصاف پسند ہندو ۔ مسلمان ۔ چوہڑے ۔ چمار ۔ یہودی ۔ نصرانی ۔ اپنے والدین کو ایسے کلمات سے مخاطب نہیں کرتے ۔ اور نہ ایسے تخاطب کو پسند کرتے ہیں ۔ بلکہ خلاف ادب

ومنافی عزت سمجھتے ہیں۔

مسٹر اکبر مسیح اس سے اس سرے تک دنیا میں پھر نکلیں۔ اور مختلف مذاہب بلکہ لامذہب عقلمندوں تہذیب پسندوں کو پوچھ کر دیکھ لیں وہ دنیا میں کسی ایسے شخص کو نہ پائیں جو ان کلمات کو والدہ کے حقمیں جائز رکھتا اور پسند کرتا ہو۔ یہ شہادت انسانی ہے۔ اور اگر شہادت آسمانی دیکھی جائے تو وہ بھی عہد عتیق و عہد جدید میں یوں ہی گونج رہی ہے۔ کہ ایسے کلمات والدہ کے حقمیں خدا تعالےٰ کے نزدیک پسند نہیں ہیں۔ عہد عتیق سے۔ خروج باب ۲۰۔ آیت ۱۲ میں حکم ہے تو تو اپنے ماباپ کو عزت دے۔ استثناء باب ۵۔ آیت ۱۶۔ میں ہے۔ اپنے باپ اور اپنی ماکو عزت دے تاکہ تیری عمر کے دن بہت ہوویں۔ امثال باب ۲۳۔ آیت ۲۲ میں ہے اپنے باپ کو جس سے تو پیدا ہوا ہے۔ اور اپنی ماکو اوس کے بڑھاپے میں حقیر نہ جان۔ اور عہد جدید سے انجیل متی کے باب ۱۵۔ آیت ۴ میں مسیح نے خود فرمایا ہے خدا نے فرمایا ہے۔ اپنے باپ کی عزت کرو۔ پھر اپنے مخالفوں کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اپنے باپ یا ما کی عزت نہ کرے تو کچھ مضایقہ نہیں پھر اوسکے رد میں کہا ہے کہ تم نے اپنی روائت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔ اور افسی باب ۶۔ آیت ۲ میں ہے۔ تو اپنے ماباپ کی عزت کر کہ یہ پہلا حکم ہے۔ جس کے ساتھ وعدہ ہے۔ اور قلسی باب ۳۔ آیت ۲۰ میں ہے۔ اے فرزندو ماباپ کی ہر بات میں فرمانبردار رہو۔ کہ خداوند کو یہی پسند ہے۔

اور جبکہ شہادت انسانی اور شہادت آسمانی اتفاق کے ساتھ ان کلمات انجیلی مسیح کو والدہ کے حق میں ناپسند قرار دیتے ہیں۔ تو اسی وجہ سے انجیل کے حامیوں اور مفسروں نے ان کلمات کو خلاف عزت سمجھا۔ اور ناپسند کیا۔ انجیل کا ایک مفسر برنس صاحب اپنی تفسیر جلد اوّل حصہ دوم کے صفحہ (۲۱۹) میں

لکھتا ہے۔ کہ مسیح نے اپنی والدہ کی اس آئت میں بہت ملامت اور بے عزتی کی۔ اور حقارت کے الفاظ بولے ہیں کہ ایسا اور کوئی لفظ مشتملبر پر حقارت نہ ہوگا۔ جیساکہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ خصوصًا والدہ کے حق میں یہ انجیلی مسیح کا اپنے قول اور الفاظ سے گناہِ توہینِ والدہ مکرمہ کا ارتکاب ہے اسمیں اوس کا عملی گناہ والدہ کی حکم عدولی اور نافرمانبرداری کرنا بھی پایا جاتا ہے۔ جو کام والدہ نے بتایا۔ (دعوتیوں کے لئے شراب بنانا) اوس نے وہ کام تو فورًا کر دیا۔ مگر والدہ کے حکم اور سفارش کو اس روکھے اور پھیکے جواب سے کہ "مجھے تجھ سے کیا کام۔ میرا وقت ہنوز نہیں آیا" رد کرنے اور اُسکی قبولیت و متابعت سے انکار ظاہر کرنے کے بعد فرمانبرداری اور متابعت کا جواب یہ تھا۔ کہ مادر جان بہت اچھا۔ میں حضور کے حکم کی تعمیل کرنے کو حاضر و مستعد ہوں۔ اور ابھی ان لوگون کے لئے شراب تیار کر دیتا ہوں۔ جیساکہ وقوع میں آیا۔

وہ قول اور یہ عمل انجیلی مسیح صاف ناطق اور دو شاہد عدل ہیں کہ ان تینوں دعاوی میں جو کچھ اوس نے کہا ہے وہ محض غلط ہے۔ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ اور انجیلی مسیح سے جو کچھ اس عمل و قول میں سرزد ہوا ہے۔ نہ وہ خدا تعالے کو پسند تھا۔ اور نہ اُسکی مرضی اور حکم کے مطابق ہوا۔

از انجملہ انجیلی مسیح کا اپنے پہلے آنے والے نبیوں کو چور و لٹیرا کہنا ہے۔ چنانچہ یوحنا باب ۱۰۔ آئت ۷، و ۸ میں ہے تب یسوع نے انہیں پھر کہا۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ بھیڑوں کا دروازہ میں ہوں۔ ۸ سب جتنے مجھ سے پہلے آئے۔ چور اور لٹیرے ہیں۔ پر بھیڑوں نے اونکی نہ سنی۔

اس قول میں انجیلی مسیح نے جملہ انبیاء علیہم السلام کو چور و لٹیرا کہنا ایک ایسا غلط اور خلاف واقعہ امر اور کبیرہ گناہ ہے۔ جسکے غلط و گناہ ہونے کسی شخص کو جو پہلے انبیاء

پر ایمان رکھتا ہو۔ نزاع واختلاف نہیں ہے۔ اور اہل ایمان تو ایک طرف رہے۔ انجیلی مسیح نے خود اپنے مُنہ سے یوحنا تک آنے والوں کو بنی مانا ہے۔ چنانچہ لوقا باب ۱۶۔ آئت ۱۶۔ میں کہا ہے۔

شریعت اور انبیاء یوحنا تک تھی۔ تب سے خدا کی بادشاہت کی خوشخبری دیجاتی ہے اور ہر ایک زور مار کے اسمیں داخل ہوتا ہے۔ اور پھر اسی مُنہ سے اوسکا اون کو چور بنانا۔ اور بٹ مار کہنا گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔

طرفہ یہ کہ ان انبیاء میں ایک یوحنا حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ جن کے سامنے مسیح نے عملی طور پر اپنے گنہگار ہونے اقرار کیا۔ اور گناہوں سے پاک ہونے کے لئے ان سے بپتسما پایا۔ کیونکہ یہودی دستور کے موافق بپتسما وہی لوگ پاتے ہیں جو گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ متی باب ۳ آئت ۵ و ۶ میں ہے "تب یروسلم اور سارے یہودیہ اور یردن کے آس پاس کے رہنے والے اس دیوحنا کے پاس آئے اور اُنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرکے یردن میں اس سے بپتسما پایا" پھر اس یوحنا کو بھی جملہ انبیاء کے شمول میں بٹ مار و چور بنایا۔ اور ان نافرمانبردار و بے ادب شاگردوں کے موافق عمل کرکے دکھایا۔ جنکا اس بیت میں ذکر ہے ؎

کس نیاموخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اور یہ خیال نہ فرمایا کہ پیر و مرشد چور و بٹمار ٹھرا تو اسکا مرید و مسترشد کیونکر پاک باز و نیک شعار متصور ہو گا۔ ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس قول (لوقا $\frac{۳}{۶}$ و ۵) میں انجیلی مسیح نے ایک گناہ یہ بھی کیا۔ کہ پہلی شریعتوں کو بیکار و بے اعتبار ٹھرایا۔ اور صاف لکھدیا ہے۔ کہ بس شریعت یوحنا تک ہی تھی۔ اب شریعت سے کوئی کام نہیں ہے۔ اب صرف زور سے خدا کی بادشاہت لیجائے گی جس سے غالباً یہی مراد ہے۔ کہ جسنے مسیح کو کفارہ مان لیا وہ بغیر کسی عمل و پیروی شریعت

کے زبردستی بہشت میں جا گھسے گا۔ اور اسیکا اقتباس پولوس نے اپنے اس قول میں کہا ہے۔ کہ "اگلا قانون اسلئے کہ کمزور اور بیفائدہ تھا اوٹھ گیا۔ کیونکہ شریعت نے کچھ کامل نہ کیا۔ مگر ایک بہتر امید درمیان داخل ہوئی جس کے وسیلے ہم خدا کے حضور پہنچتے ہیں۔ (عبرانی باب ۷۔ آئت ۱۸ و ۱۹۔) ایساہی آپنے گلیتیوں میں کہا ہے*۔

اسی قسم کے اقوال انجیلی مسیح کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا ہے کہ عیسائیوں نے توریت کے احکام اور شریعت سے کچھ تعلق نہیں رکھا۔ اور اون کو تقویم پارینہ سمجھ کر پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ انجیلی مسیح کا ایسا گناہ ہے جسمیں اوس نے اپنے بے شمار اتباع کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اور اسپر طرفہ یہ کہ اس انکار شریعت کے ساتھ آئت مابعد میں اقرار بھی ہے۔ اور صاف کہا ہے کہ پر آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے بہت آسان ہے۔ اسی کی مثل مسیح کا وہ قول ہے جو صفحہ (۲۱۰) وغیرہ میں نقل ہو چکا ہے۔ کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے نہیں آیا۔ بلکہ پوری کرنے آیا ہوں۔ اس قول میں مسیح نے تیسرا گناہ کیا۔ اور خلاف واقعہ کہا۔ اور لوگوں کو دہوکا اور مغالطہ دیا ہے۔ تاکہ وہ اوسکو شریعت کا منکر محض نہ سمجھ لیں اور اس وجہ سے اس سے وحشت و نفرت نہ کریں۔ اور درحقیقت وہ پہلی شریعتوں کا صاف منکر اور اون کے احکام کا مبطل اور پہلے نبیونکا سخت مخالف و معاند ہے۔ چنانچہ صفحہ (۲۱۰) میں بیان کیا گیا ہے۔ اور آئیندہ بھی وقتاً فوقتاً بیان ہوتا رہیگا۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔

ازانجملہ انجیلی مسیح کا اپنے شاگردوں میں بارہ آدمیوں کو جنمیں ایک یہودا اسکریوطی بھی تھا۔ اور ایک پطرس شمعون) چن کر یہ بشارت دینا اور پیشگوئی کرنا کہ خدا کی باوشاہت تمہاری ہے۔ اور آسمان پر تمہارا بدلہ ہے۔ (لوقا باب ۶۔ آئت ۱۲ سے ۲۳) اور اون کو یہ اختیار و اقتدار بخشنا کہ وہ ہر قسم کی بیماری کو دور کریں

* برشریعت کو ایمان سے کوئی نسبت نہیں ۱۳ مسیح نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا (گلیتی باب ۳)

اور ناپاک روحوں اور دیوؤں کو نکالیں (متی باب ۱۰- آئت ۱- مرقس باب ۳- آئت ۱۵- وغیرہ اور خاص کر پطرس کو آسمانی بادشاہت کی کنجیاں سپرد کر دینا ہے۔ جسکا خلاف واقعہ ہونا انجیلی مسیح کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا۔ اور اس کی زبان سے اسکے برخلاف اقرار ظہور میں آگیا۔ یہودا اسکریوطی نے تیس روپیہ لے کر مسیح کو پکڑوا دیا اور پطرس نے بھی قسم کھا کر تین بار مسیح سے انکار کیا۔ (متی باب ۲۶- آئت ۴۸ و ۶۹ وغیرہ-) اس سے پہلے مسیح سے شیطان کا خطاب بھی پایا۔ (متی باب ۱۶- آئت ۲۳-) اور وہ سب کے سب حضرات انجیلی مسیح کے وقت میں دیو نکال نہ سکے اور اس سے بے ایمانی کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ (متی باب ۱۷- آئت ۲-

یہ بشارات و پیشگویاں انجیلی مسیح کی سراسر غلط و خلاف واقعہ نکلیں۔ جن کے غلط ہونے پر اسی انجیل میں شہادت گونج رہی ہے۔ اور صاف بتا رہی ہے کہ جو انجیلی مسیح نے ان تینوں اقوال میں دعوے کیا ہے وہ محض غلط ہے۔

ان تین مثالوں میں سے پہلی دو مثالیں انجیلی مسیح کے گناہ کی مثالیں ہیں۔ اور تیسری خطاء کی مثال صفحہ (۲۰۸) میں جو انجیلی مسیح کی تعلیم ایوب و بنوت مذکور ہوئی ہے۔ وہ بھی ہمارے نزدیک تو صریح گناہ کی مثال ہے۔ اور اسکی خطا ہونے میں تو توحیدی عیسائیوں کو بھی نزاع مناسب نہیں ہے۔

ایسی ہی اسکی تعلیم شراب خواری جو صفحہ (۲۱۴) میں منقول ہوئی ہے۔ اور اسکی تعلیم اخلاق جو صفحہ (۲۰۹) میں مذکور ہوئی ہے تیز خطاء کی مثالیں ہیں۔ ان چھ مثالوں کے علاوہ بہت سی مثالیں اور انجیل میں موجود ہیں۔ اور دریا کی مانند اوس میں موجیں مار رہی ہیں۔ (۱) جیسے انجیلی مسیح کا اپنے شاگردوں اور معتقدوں کو اپنے مسیح ہونے کے اظہار سے منع کرنا۔ اور ایک (۲) دولتمند ایماندار کو بہشت سے ناامید کرنا۔ اور بہتیرے دولتمندوں کو باوجود دولت دنیا نہ چھوڑنے کے بہشت کا وارث بتانا۔ (۳) صلیبی

موت کے ٹل جانے کیلئے (باوجود علم وپیشگوئی اس امر کے کہ وہ ٹلنے والی نہیں) دعاء کرنا - (۴) اپنے لئے مسکن و مکان ہونے کی نفی کرنا - (۵) تین دن تک اپنی زمین کے اندر رہنے کی خبر دینا - (۶) چور کو وعدہ دینا کہ تو آج میرے ساتھ بہشت میں جائیگا - اور خود بہشت میں نہیں - بلکہ ایک اور ہی جگہ تشریف لے جانا وغیرہ وغیرہ (مما لا تعد ولا تحصی) مگر ہم ان تمثیلات کی تفصیل کو ہنوز ضروری نہیں سمجھتے جب مسٹر اکبر مسیح ان تمثیلات ستہ کا جنکی ہم تفصیل کرچکے ہیں ہم کو جواب دینگے - اور انجیل ہی کی شہادت سے یہ ثابت کر دینگے - کہ اون تمثیلات میں جو انجیلی مسیح کے اقوال واعمال بیان ہوئے ہیں - وہ صحیح اور درست اور حکم و مرضی خدا تعالے کے مطابق ہوئے ہیں اور وہ انجیلی مسیح کے دعاوی منقولہ مسٹر اکبر مسیح کے مکذب نہیں ہیں - تو ہم پھر اور تمثیلات کی تفصیل کرینگے انشاء اللہ تعالے -

یہ بارہ مثالیں چھ مفصل اور چھ مجمل جو ہمنے بیان کی ہیں - یہ ایسی مثالیں ہیں جنسے خصوص نصوص انجیل سے انجیلی مسیح کا گنہگار یا خطا کار ہونا ثابت ہوتا ہے - اب ہم عموم نصوص انجیل سے اسکا گنہگار یا خطا کار ہونا ثابت کرتے مگر وہ دو امر کی تسلیم پر موقوف ہے - اول یہ کہ مسیح بھی منجملہ انسانوں کے ایک انسان تھا - دوم یہ کہ انجیل اور اسکے حواشی عہد عتیق کے بظاہر اور زبانی مصدق ہیں - لہذا جو امر عہد عتیق سے ثابت ہوگا - وہ گویا انجیل سے ثابت ہو - اور یہ دونوں امر اسوقت تک عیسائیوں میں مسلم ہیں - امر اول کا مسلم ہونا ہم صفحہ ۹ وغیرہ جلد ہذا میں بیان کرچکے ہیں - امر دوم کا مسلم ہونا محتاج بیان نہیں ہے - انجیل خود جا بجا عہد عتیق کا اقتباس کرتی ہے اور انجیل کی حامی بھی (زبانی) انکے مسلم ہونے کے قائل ہیں - یہ دونوں امر مسلم ٹھیرے تو ہم بیان کرتے ہیں - کہ رومیوں کے خط باب ۳ - آیت ۱۰ و ۱۲ میں ہے - جیسا کہ لکھا ہے - کہ کوئی راستباز نہیں × × کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی

نہیں × × اور آئت ۲۳ میں ہے سبھوں نے گناہ کیا۔ اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ اور چونکہ اس قول میں جس نوشتہ کا حوالہ دیا ہے وہ زبور ۱۴۔ باب ہے جسمیں یہ قول کل بنی آدم کے حقمین کہا گیا۔ اور اسکے الفاظ یہ ہیں "کوئی نیکوکار نہیں۔ (۲) خداوند آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے۔ تاکہ دیکھے کہ ان میں کوئی دانشمند خدا کا طالب ہے یا نہیں۔ (۳) وے سب گمراہ ہوئے ایک ساتھ بگڑ گئے کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں"۔ لہذا ضروری ہے کہ اس قول میں کل بنی آدم مراد لئے جاوین۔ اور ایسا ہی تصریح کے ساتھ عہد عتیق کے اکثر مقامات میں وارد ہے۔

واعظ باب ۷۔ آئت ۲۰ میں ہے کوئی انسان زمین پر ایسا صادق نہیں کہ نیکی کرے۔ اور خطا نہ کرے۔ ایوب باب ۱۴۔ آیت ۴ میں ہے۔ کون ہے جو ناپاک سے پاک نکالے۔ کوئی نہیں۔ زبور باب ۵۱۔ آئت ۵ میں ہے۔ دیکھ میں نے گناہ کی صورت پکڑی۔ اور گناہ کے ساتھ میری مانے مجھے پیٹ میں لیا۔ یرمیاہ باب ۱۷۔ آئت ۹۔ ویسعیاہ باب ۶۴۔ آئت ۶ میں ہے۔ دل سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے۔ اور وہ نہائت فاسد ہے۔ اوس کو کون دریافت کرسکتا ہے۔ ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز۔ اور ہماری ساری راست بازیاں گندی دھجی کی سی ہیں۔ اور ہم سب پتے کی طرح کملاتے ہیں اور ہماری بدکاریاں اندہی کی مانند ہمیں اوڑا دینگے۔

ان عمومات میں مسیح بھی داخل ہے۔ لہذا ان نصوص کی شہادت سے وہ بھی خطاکار یا گنہگار تھا۔

عیسائی مسیح کو ان نصوص کے عموم سے مستثنے کرتے ہیں۔ تو وہ اسکی دلیل بیان کریں۔ اور بتاویں کہ کیا مسیح انسان یا ابن آدم نہ تھا۔ اور وہ اپنی ماں کے پیٹ میں

نہیں رہا۔ اور اسی انسانی پیٹ سے نہیں نکلا۔ ۹؎ ان باتوں سے کسیکو انکار نہیں تو اسکو ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ اُن نصوص کے عموم کی شہادت سے خطا کار یا گنہگار تھا۔

مسیح کو انسان ہونے کے ساتھ خدا سمجھنے والے پروٹسٹنٹ و رومن کیتھلک وغیرہ عیسائی شاید یہ دلیل پیش کریں۔ کہ مسیح خدا بھی تھا نہ محض انسان اسلئے وہ ان عمومات میں داخل نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ پہلے مسیح کا خدا ہونا ثابت کرو۔ پھر اس دلیل کو منہ سے نکالو۔ اور جبتک اُسکی خدائی ثابت نہو۔ مسیح کو خطا کار گنہگار مانتے رہو۔

توحیدی عیسائی مسیح کو صرف انسان جانتے ہیں خدا نہیں مانتے۔ اور اون سے بمقتضائے بشریت صدور گناہ یا خطا کو جائز و ممکن بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱ جلد ہذا میں اُنسے منقول ہوا۔ انکو ان عمومات میں مسیح کے داخل ہونیمیں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ان ہی لوگوں سے ہمارا اسمضمون میں خطاب ہے۔ وہ بھی اگر یہ کہیں کہ مسیح انسان تو تھا مگر آدم کے نطفہ سے (جو خطا یا گناہ کا محل و مصدر ہی) نہ تھا (جیسا کہ دوسرے عیسائی کہتے ہیں) تو اون سے اوّل یہ سوال کیا جائیگا کہ پہر تم مسیح کو انسان و ابن آدم کیوں کہتے ہو (۲) اور اس سے خطا یا گناہ کا امکان کیوں مانتے ہو۔ (۳) اسپر کیا دلیل رکھتے ہو۔ کہ وہ نطفہ آدم آدم نہ تھا (۴) مریم والدہ مسیح کون تھی۔ انسان یا کچھ اَور (۵) ہر ایک عورت کی منی زیا رطوبت یا انڈے کچھ ہی کہو تولید میں دخل رکھتی ہی یا نہیں (۶) کیوں جائز نہیں کہ والدہ مسیح کی منی میں پوری قوت تولید ہو۔ یا اُن میں مرد و عورت دونو کے آلات تناسل و تولید موجود ہوں۔ جیسا کہ بعض عورتوں میں مشاہدہ و تجربہ میں آچکا ہی۔ جسکا بیان صفحہ ۲۳ میں ہوگا۔ ان سوالات کے جواب میں انہوں نے تولید مسیح میں مریم کی مداخلت کو مان لیا۔ تو مسیح کا نطفہ انسان سے ہونا اون کو ماننا پڑے گا۔ اور عموم مذکور میں داخل ہونا اونکا مسلمہ ہوگا۔

انجیلی بحث کو ہم اسی حد پر ختم کرتے ہیں۔ اور اپنے ناظرین اور مخاطب مسٹر اکبر مسیح

ہے اس بحث میں غور و خوض کرینگی امید رکھتے ہیں اور داد حق چاہتے ہیں و اللہ ولی التوفیق و بیدہٖ
ازمۃ التحقیق؀

اس مضمون میں بحث تو عصمت سے تھی۔ مگر اس بحث کے ضمن میں انجیلی مسیح کی
تعلیم و معجزات پر کسیقدر بحث ہوگئی جسمیں بحث کرنیکا مسٹر اکبر مسیح کا ارادہ تھا۔ اور وہ آپکے
خط ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۵ء مندرجہ کشف نمبر ۳ جلد ۲ صفحہ ۴۲ میں ظاہر ہوا ہے
انا الجملہ ایک امر بحث کے لائق حضرت مسیح کی پیدائش بھی ہے۔ جسکو مسٹر اکبر مسیح ایک معجزہ
سمجھتے ہیں۔ اسکے متعلق اس مضمون کے ہم خاتمہ پر مسٹر اکبر مسیح کی پیش کردہ کتاب
تاویل الاحادیث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی عبارت بطور نوٹ پیش کرتے
ہیں۔ اور اپنی طرف سے صرف اُسکا ترجمہ کردیتے ہیں۔ اور اسپر اپنی کوئی رائے اظہار نہیں کرتے
مسٹر اکبر مسیح اس عبارت میں غور کرکے بتاویں کہ اگر عقلی اور طبی قواعد سے اور یورپ
کے ڈاکٹروں کی شہادت سے ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح حضرت مریم کی منی سے پیدا ہوئے
تھے۔ اور ان کی منی میں قوت تولید موجود تھی۔ یا اونمیں مرد و عورت دونوں کے
اسباب تناسل موجود تھے۔ جیساکہ بعض مستورات میں یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔
اور بحسب شہادت اہل مشاہدہ مسیح کے نظائر اونکے بعد یورپ میں اور لوگ بھی ہوگذرے
ہیں جو نہ نبی تھے نہ ابغامبر بلکہ وہ عام لوگوں سے تھے۔ اور وہ ایسی عورتوں سے پیدا
ہوئے جنمیں دونو قسم کے آلات موجود تھے تو کیا پھر بھی حضرت مسیح کی پیدائش معجزہ
کہلاے گی۔؟ جناب شاہصاحب فرماتے ہیں۔

ثم ان مریم حاضت فی ایام سریان	پھر مریم کو اون دنوں جنمیں روحانی قوتونکا
قوی الروحانیات فی تلک البقعۃ	اس مکان میں جہاں مریم تھیں اثر سرائت
فلما طہرت انتبذت الی مکان بعید	کرگیا تھا۔ وہ ایام آئے جو عورتوں کو آتے ہیں
من الناس لتغتسل وسدلت سترا	پھر جب وہ پاک ہوئیں تو ایک دور کے
ونزعت ثیابہا فارسل اللہ الیہا	مکان میں نہانے کیلئے لوگوں سے کنارہ

جبریل فی صورت شاب سوی الخلق
ممتلیا شبابا وجمالا فراتہ مریم
وھی شابۃ قویۃ المزاج فخافت علی
نفسھا الفساد والتجئت الی اللہ یقلبھا
لیعصمھا فکانت لھا حالۃ عجیبۃ - اما
الطبیعۃ فحصل لھا مایحصل عند الجماع
من ثوران القوی النسلیۃ کما ان النظر
ربما کان سببا للانزال واما النفس
فحصل لھا الالتجاء الی اللہ واعتصام
بہ حتی ملئت من حالۃ عصمیۃ
فائضۃ من الغیب - واما الصورۃ
الانسانیۃ فکانت علی شرف الظھور
لمخالطۃ الروح الامین ولما قال
جبرئیل علیہ السلام انما انا رسول
ربک لاھب لک غلاما زکیا - ابتھجت
وانشرحت وانست ولما رای جبرئیل
ھذا حالھا نفخ فی فرجھا فدغدغت
النفخۃ رحمھا فانزلت وکان فی
منیھا قوت منی الذکر فحملت والتوی
فی الجنین ماکان غالبا علی مریم
من الاعتصام باللہ والالتجاء الیہ

ہوگئیں - اور پردہ لٹکا دیا اور اپنے کپڑے
اُتار دیئے اُسوقت جو خدا تعالے نے جبرئیل
علیہ السلام کو ایک جوان انسان متساوی
الاعضاء جوانی اور جمال سے بھری ہوئی صورت
میں بھیجا مریم نے اونکو اوس حالتمیں کہ
وہ بھی پوری جوان اور قوی المزاج متغیر
دیکھا تو اپنے نفس سے فساد کا خوف کیا - اور
دل سے خدا تعالے کیطرف التجا کی کہ وہ انکو
فساد سے بچاوے اسوقت اون کی
عجیب حالت تھی طبیعت میں وہ جوش
پیدا ہوگیا تھا جو انسان کو بوقت صحبت ازواج
پیدا ہوتا ہے - اور تناسل میں دخل رکھنے
والی قوتوں کو حاصل ہوتا ہے - اور بعض
اوقات صرف نگاہ کرنے سے انزال بھی
ہوجاتا ہے اور اُن کے نفس (پاک) کو
خدا کیطرف التجا و توجہ تھی - یہانتک کہ
وہ اس حالت باعصمت سے جو غیب سے
فائض ہوئی تھی پُر ہوگئیں - اور انسانی
صورت دائمی پیکر کی، روح امین کے اختلاط
سے ظہور اور وجود کے کنارہ پر آ پہنچی
تھی - اور جب جبرئیل نے کہا کہ میں خدا کا

والابتهاج والانبساط بالهیئة الملکیة فان حالتها سرت فی کل قوة من قوی نفسها حتے للمصورة والمولدة والامر ما امر الا طبا لمن اراد ان یذکر ولدلا ان یتصور فی حالة الجماع غلاما والتوفیه حکم عالم المثال و خواص الروح من قبل نفخ جبرئیل ذہو السبب فی التصور فحصلت فی جبلته ملکة راسخة شبهیة بجبرئیل و هذا معنے تائید الله له بروح القدس (تاویل الاحادیث صـ ۵۹)

رسول ہوں تجھ پاکیزہ لڑکا دینے کو آیا ہوں تو اس سے آپکی طبیعت میں خوشی و انشراح المن پیدا ہو گیا۔ جب جبرئیل نے انکا یہ حال دیکھا تو انکے ـــ میں پھونک ماری جس سے انکے رحم میں گدگدی پیدا ہو گئی اور انزال ہو گیا۔ انکی منی میں نر کی منی کی قوت (تولید) تھی سو جہ سے وہ اپنی منی سے حاملہ ہو گئیں پھر جو صفات انمیں تھیں (خدا کیطرف التجا کرنا اور اس ملکی صورت سے خوش ہونا) وہ اُن کے جنین (رحمی بچہ) میں بھی آگئیں انکی وہ حالت خوشی و انشراح خاطر انکی ہر ایک نفسانی قوت مولدہ و مصورہ وغیرہ سب میں سرائیت کر گئی۔ یہ وہی بات ہوئی جو طبیب کہتے ہیں کہ انسان کی قوت خیالی کو بھی تولید میں دخل ہوتا ہے جو شخص چاہے کہ اسکا لڑکا پیدا ہو وہ صحبت کے وقت لڑکے کی صورت اپنے خیال میں خوب جماوے اور اس جنین (رحمی بچہ) میں عالم مثال کی تاثیر اور روح الامین کے خواص بھی شامل ہو گئے ہو کیونکہ اسکی پیدا ہونے کا سبب جبرئیل تھا یہ معنے تائید روح القدس کے ہیں جو قرآن میں مذکور ہے

اور اس سے پہلے صـ ۵۶ میں حضرت مریم کی پیدائش کے احوال میں کہا ہے۔ مریم (اپنی والدہ کی تاثیر قوت خیالیہ سے) بابرکت

فصارت مریم مبارکة فیها مزاج من امزجة الفحول ونشأت قویة الجسم کاملة المزاج صحیحة الفطرة والنظافة کالهیئة التی تکون لاکابر الرجال و لذلک قال النبی صلی الله علیه وسلم کمل من الرجال کثیر الحدیث و کانت مذکرة فی صفة المونث من الرجال (تاویل الاحادیث)

ہو گئی جس میں نر کا مزاج بھی شامل تھا اور قوی جسم کامل مزاج اچھی بناوٹ اور ستھرائی والی کامل مردوں کی ہیئت خصلت میں ہو جسکی بابت آنحضرت نے فرمایا کہ مردوں میں تو بہتیرے کامل ہو گذرے مگر عورتوں میں سے حضرت مریم وہ ایک زنانہ عورت تھی بمقابلہ اُن مردوں کی جو مرد ہو کر زنانہ کہلاتے ہیں اس قول کا ماحصل یہ ہے کہ گو مریم صورت میں عورت تھی مگر صفات مردوں اور ہمت وغیرہ بھی رکھتی تھی"۔ اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور ایڈیٹر المسیح کو اجازت دیتے ہیں کہ جس مضمون پر چاہیں بحث کریں مگر بہتر یہ ہے کہ ایک ایک مضمون پر اور اسکی ایک ایک دلیل اور رسول و جواب پر تا کہ انکو بھی سہولت ہو اور ہمکو بھی انکے دلائل و جوابات کے جواب دینے کیلیے یکبارگی قلم نہ اٹھانا پڑے آئندہ انکا اختیار ہے ہم جسے حاضر ہیں لیکن هذا آخر الکلام و لله الحمد فی اوله و آخره والصلوة والسلام علی صفیه خیر الرسل محمد نبیه و آله الکرام و اصحابه العظام و افضلهم ابی بکر الصدیق ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم اجمعین آمین یا رب العالمین + + + +